188681

TEXT CUT BOOK

UNIVERSAL LIBRARY

OU_188681

UNIVERSAL LIBRARY

OSMANIA UNIVERSITY LIBRARY

Call No. ۹۲۳۵۹۱۵ Accession No. ۳۳۳۹ 3339

Author ابوصفہ م ح۔ حیات اعظم

Title مرزا حیرت دہلوی

This book should be returned on or before the date last marked below.

بعونہ

حیاتِ اعظم

حصۂ اول ۔ جلد اول

اس حصہ میں امام ابو حنیفہ کا نام و نسب ولادت و سنِ رشد تعلیم و تربیت۔ شیوخ حدیث۔ طرز معاشرت بعض نکتہ چینوں کے جواب۔ فقہ و حدیث کا تطابق۔ امام صاحب کی نسبت یورپین مصنفوں کی رائے۔ نادر الوجود کتابوں کا خلاصہ۔ اجتہاد اور فقہا کے باہمی اختلاف پر مورخانہ مجتہدانہ اور فلسفانہ بحثیں کی گئی ہیں اور ان کے علاوہ اور بھی بہت سے دلچسپ حالات درج ہیں۔

مؤلفہ

مولانا میرزا حیرت دہلوی مصنف سوانح عمری۔ اور تعلیمات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم۔ و حیات طیبہ وغیرہ وغیرہ

مطبع رضوی دہلی میں سید میر حسن کے اہتمام سے چھپا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تمہید

قدرتی طور پر اسلام کی بنیاد اول ہی سے ایسے اصول پر رکھی گئی کہ جو جیسے روشن اور صاف ہیں اسی قدر سہل ہیں۔ جیسے فاضل اجل ان سے فائدہ اٹھا سکتا ہے اور اپنا اطمینان کر سکتا ہے اسی طرح جاہل بھی ان سے منفعت اٹھا سکتا ہے اور اپنا شبہ رفع کر سکتا ہے۔ نبی عربی کے زمانہ میں فقہ مدون نہوئی تھی۔ اور اس زمانہ میں فقہا کی بحث کی طرح احکام میں بحث نہوتی تھی وجہ یہ تھی کہ اس زمانہ میں نہ اس کی ضرورت تھی کہ ارکان وشروط اور آداب میں سے ہر ایک کو جدا جدا دلیل کے ساتھ ثابت کریں نہ اسکی حاجت تھی کہ فرض کی ہوئی صورتوں میں کلام کریں اور قابل تعریف کے تعریف بیان کریں اور قابل حصر کا حصر کریں۔ ان روحانی احکام پر سادگی سے ہر شخص سر تسلیم خم کرتا تھا کہ جو نہی عربی کی زبان مبارک سے سرزد ہوتے تھے کسی بات میں جسکا روحانی صفات سے کوئی تعلق نہیں تھا ہرگز تشدد نہوتا تھا۔ اگر کسی نے چار دفع ناک میں پانی دیلیا تو سیاست

تازیانہ اسپر نہ لگتا تھا اور جو کسی نے سر منڈوانے سے پہلے قربانی کر لی تو کچھ سزا نہ یجاتی تھی اور جو بعد میں کی تو اسپر حد شریعت جاری نہوئی تھی جو سختیاں کہ اشاعت اسلام سے پہلے ہوتی تھیں وہ سب ملیامیٹ کردی گئی تھیں نہ ایک ٹانگ سے کھڑے ہو کر عبادت کرنا رہا تھا اور نہ دنیا سے کنارہ کر کے اپنے کسی عضو کو خدا کی یاد میں خشک کرنا اچھا سمجھا گیا تھا جو ہوا کہ آج اس زمانہ میں اسلام کو بنار رکھا ہے پہلے یہ بات نہ تھی۔ نہ کسی کے کہانے پر اعتراض تھا نہ کپڑوں پر کوئی کفر کا فتوے دینے والا تھا۔ نہ مختلف زبان سیکھنا کفر میں داخل تھا۔ وہاں اگر حکم تھا تو یہ کہ جھوٹ نہ بولو۔ کسیکو دھوکا نہ دو۔ دورخی بات نہ ہو۔ کسی کے بھید کی جستجو نہ کرو۔ ہمیشہ اپنی زندگی خلق سے گزارو یتیم کے مال پر نگاہ نہ ڈالو۔ حرام وحلال میں تمیز کرو۔ کسی کا دل نہ دکھاؤ۔ اپنی زبان سے حتی کہ ظالم کو بھی برا نہ کھو۔ خدا سے خوف کرو اُسکو واحد سمجھو اُسکے ساتھ کسیکو شریک نکرو۔ ہمیشہ اپنے گناہوں کی صاف دل سے توبہ کرتے رہو۔ وغیرہ وغیرہ یہ روشن اصول تھے جنھوں نے دھوکا دہ رہبانیت کیصورت کو مٹا کر تمدن قایم کیا اور زمانہ کو وحشت او ظلم سے نجات دی۔

مگر جوں جوں زمانہ اسلام کو گزرتا گیا سلطنت کو وسعت ہوتی گئی اور پھر اسلام میں ایسے ایسے عالی دماغ مبارک انفاس کی ضرورت ہوئی کہ جنھوں نے ہر زمانہ کی طبایع کے لحاظ سے قوانین منضبط کئے اور اسلامی دنیا کو انصاف کی رسی میں جکڑ دیا۔ ہر صدی اور ہر مجتہد کیوقت میں جتنے قوانین منضبط ہوئے یہ سب تقاضائے طبیعت زمانہ تھے۔ اِن میں اختلاف ہونا ایک ضروری امر تھا اور یہ اختلاف اسلام میں سبب رحمت ہے نہ وجہ فساد۔

کوئی صحابی بیجا بیجا سوالات کرنے میں نبی عربی صلعم کو تکلیف نہ دیتا تھا اسلئے کہ انکو آزادی تھی کہ جو چاہے جو کچھ کریں مگر ان اعمال اور افعال سے دور رہیں کہ جو انکو روحانی مضرت پھنچائیں اور ملکیہ قوتوں کو شکست دیں حضرت **عبداللہ ابن عباس** فرماتے ہیں کہ میںنے کوئی قوم ایسی نہیں دیکھی کہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب سے داطاعت

فرمانبرداری۔ انکساری۔ ادب۔ راستبازی۔ وفاشعاری ان میں بہتر ہو۔ انھوں نے نبی اکرم سے کبھی تیرہ مسئلوں کے سوا اور کچھ سوال نہیں کیا جسکا تذکرہ قرآن مجید میں موجود ہے انھوں نے کبھی یہ سوال نہیں کیا کہ تراشا ہوا کپڑا اس وضع کا پہنیں یا نہ پہنیں۔ کس طرح بیٹھکر کھانا کھائیں اور کیا کھائیں یہ باتیں جتنی ہیں ان سے نہ اسلام کو کچھ تعلق تھا نہ ہوسکتا تھا اسلام کی اشاعت سے دنیا میں یہ غرض نہ تھی کہ کپڑوں کی تراش خراش کی اصلاح ہو کھانا کھانا بتایا جائے قدم قدم پر کفر کی بوچھار کیجائے بلکہ اسکے خلاف اسلام کی اشاعت سے دنیا میں خدا کی غرض یہ تھی کہ نیکی اور پاکی کی سلطنت کو وسعت ہو شرک و بدعت کی قابل تنفر صورت مٹ جائے اور تمدن اس کونہ سے اُس کونہ تک قایم ہوجائے محبت کو دلوں میں جگہ ہو اور عداوت مٹ کر اتفاق کی خوشنما صورت دکھائی دینے لگے۔

اصل میں اسلام سے یہی غرض تھی اور اسی سے اسکی اشاعت تیزی سے دنیا میں ہوگئی اگر کسی نے پیچھے سے دود پی لیا تو کوئی کفر نذر کرنیوالا نہ تھا اور جو پیالہ سے منہ لگا کر پی لیا تو قاضی کیطرف سے تشدد نہ ہوتا تھا۔ اسلام ایسا ستھرا ہوا اور پاک صاف تھا کہ جسنے عالم کفر میں ایک زلزلہ ڈالدیا تھا اور زبردستی لوگوں کے دلوں میں اپنا گھر کر لیا تھا۔

جب تک کہ نبی اکرم کی مبارک زندگی سے دنیا مشرف رہی مسلمانوں کو کسی بات میں جانکاہی نہ کرنی پڑی کیونکہ جو کچھ اپنے پیارے نبی کو کرتا ہوا دیکھتے تھے کرنے لگتے تھے اور ہر حکم پر سر تسلیم خم کرتے تھے نہ حضرت عیسے کے معتقدوں کی طرح کسی نے نبی عربی سے یہ سوال کیا کہ ہمیں آفتاب اور چاند کو ٹکراتا ہوا دکھا دو اور یہودیوں کی زمین کو ہاتھ میں اٹھالو **حضرت عبداللہ بن عباس** نے فرمایا ہے کہ اصحاب رسول اللہ نے کبھی ایسی بات نہیں دریافت کی کہ جو انھیں نفع نہ بخشے۔ **حضرت عمر بن خطاب** کو ایسے شخص پر لعنت بھیجتے سنا ہے کہ جو ایسی باتوں کی نسبت سوال کرے کہ جو غائب ہوں۔ وہاں ان باتوں کا بہت بڑا احتیاط تھا۔ بیجا بیجا اور غیر نتیجہ سوالات کرنے خلاف ادب

اور تہذیب سمجھے جاتے تھے۔ حضرت قاسم نے لوگوں سے کہا کہ تم ایسی چیزیں دریافت کرتے ہو کہ ہم کبھی دریافت نہ کرتے تھے۔ اور تم ایسی چیزوں سے کاوش رکھتے ہو کہ جنکی حقیقت ہم نہیں جانتے اور اگر ہم انکو جانتے تو ان کا چھپانا ہمیں جائز نہ تھا۔ اسکی کیا وجہ تھی وہ کیوں نہیں سوالات طرح طرح کے کرتے تھے اور نئی نئی باتیں کس لیے دریافت کرنا انھیں برا لگتا تھا؟ جو سبب تھا وہ اظہر من الشمس ہے یعنے جتنے روحانی احکام تھے وہ سب قرآن میں موجود تھے انکے دریافت کرنے اور ان میں میاں نکالنے کی ضرورت ہی نہ تھی۔ رہا دنیاوی معاملات کا بکھیڑا وہ لوگوں کی رائے پر چھوڑ دیا گیا تھا کہ ایمان داری سے جو طریقہ کہ وہ اپنے کاموں میں استعمال کرنا چاہیں کریں انھیں اختیار ہے نبی عربی کی وفات کے بعد یکایک تحقیق اور تفتیش کا ایک سمندر مدینہ سے ابلا اور اسنے دور دور تک اپنے شیریں اور خنک پانی سے عالم کو سیراب کر دیا۔ یہ سمندر جو اس تیزی سے دنیا کے اس کونہ سے اس کونہ تک پھیل گیا تھا۔ احادیث نبویہ کا سمندر تھا۔ جس جس شہر میں کہ اصحاب رسول اللہ گئے اور انھوں نے حدیثیں بیان کرنی شروع کیں انکے سبب سے علیحدہ علیحدہ گروہ ہو گئے تھے اسلئے کہ یہ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ اسکو تمام حدیثیں یاد ہوں حتی کہ نبی کے جلیل القدر صحابی حضرت صدیق اکبر بھی کسیکو ہزار حدیثیں یاد تھیں تو کسیکو دو ہزار کسیکو پانسو اور پھر ان حدیثوں کی پالیسی اور مصلحت وقت کا اندازہ کرنا بھی ایک امر محال تھا۔ صحابہ کو دیکھا دیکھی جب اور لوگ اپنی طرف سے گھڑ گھڑ کر حدیثیں جوڑنے لگے تو اسماء رجال کے بنانے کی ضرورت ہوئی۔ جس سے راوی کا ثقہ اور غیر ثقہ ہونا جانچا جاتا ہے۔ گو یہ ہمیں تسلیم کرنا پڑیگا کہ اصلی منشا شریعت محمدی کا بہت سی حدیثوں میں بدل گیا پھر بھی یہ قابل تعریف امر ہے کہ اسلام میں تشدد مطلق نہ تھا اور نہ وہ ہوا بنا کر لوگوں کے سامنے پیش کیا گیا تھا حضرت عمر بن اسحق نے فرمایا ہے کہ جن اصحاب رسول اللہ سے میں ملا ہوں وہ ان اصحاب نبی آکرم سے زیادہ ہیں کہ جو انسے

پہلے گزر چکے ہیں میں نے کوئی قوم ایسی نہیں دیکھی کہ انسے زیادہ سہولت میں ہو اور تمدن میں کم انھوں نے بھی ایسا حکم نہیں دیا کہ جس سے لوگ پس پس کر مرجائیں اور انکا اسلام کے نام سے خوف کر کے بھاگیں۔

ان پاک اور برتر نفوس میں کسی قسم کی بیہودہ نمائش اور ناروا ضد کا پتہ نہ تھا۔ وہ سچے دل سے اسلام اور مسلمانوں کے خیر خواہ تھے اور انکی بہتری کی وہ وہ صورتیں پیدا کی تھیں کہ جو جیسی سہل ہوں اسی قدر تمدن سنوارنے والی ہوں۔ انھوں نے خلیفہ ہونے پر بھی کبھی ظاھر نکرنا چاہا کہ ہم نبی اکرم کی احادیث پر حاوی ہیں اور ہمیں آپکے پاک اقوال اور مقدس ہدایات پر عبور ہے۔ مثلاً ایک دن خلیفہ اول حضرت صدیق اکبر سے کسی شخص نے دادی کے حصہ کے باب میں دریافت کیا آپ نے صاف فرمایا کہ مینے نبی اکرم سے اس مسئلہ کی بابت کچھ نہیں سنا۔ پھر آپنے نماز ظہر کے بعد لوگوں سے دریافت کیا کہ مومنین تم سے کسی نے رسول اللہ صلعم کی زبان مبارک سے دادی کے حصہ پہنچنے کے باب میں کچھ سنا **مغیرہ بن شعبہ** نے کہا ہاں دادی کو چھٹا حصہ دیتے ہوئے مینے نبی اکرم کو دیکھا ہے حضرت صدیق اکبر نے فرمایا کہ تیرے سوا اسکو کوئی اور بھی جانتا ہے۔ یہ سنکر **محمد بن سلمہ** نے اس کی تصدیق کی۔ اسکے مطابق حضرت **ابوبکر** نے دادی کو چھٹا حصہ دیا ہر صحابی نے جب اُس سے کوئی مسئلہ پوچھا گیا اور اُسے نہ معلوم ہوا اسنے بلا تکلف عام لوگوں سے دریافت کر لیا مثلاً **حضرت عمر** کے سوال کرنے اور حدیث **عبدالرحمن بن عوف** کیطرف رجوع کرنے میں اسی قسم کی اور بہت سی شہادتیں موجود ہیں کہ جس سے یہ صاف کھلتا ہے کہ ہر متنفس حدیث دریافت کرنے میں ایک دوسرے کا محتاج تھا۔ ایسا زمانہ گیا اور اسلام نے دوسرا پہلو بدلا یعنے سلطنت بھی اسلام میں شریک ہو گئی نئے نئے مسائل دریافت ہونے لگے اور نئے نئے مذھب اور مختلف الطبائع گروہ ماتحت رہنے لگے انکے فیصلے کرنا اور انکے اعتراضات کا جواب دینا اسلام پر لازم ہوا۔ اب انھیں مجبوراً اپنی رائے

سے اجتہاد کرنا پڑا اور اجتہاد کرنا ایک لازمی امر تھا اور وہ اسکے مجاز تھے۔ یہ اجتہاد اختلاف کا باعث ہوا مثلاً کسی نے ایک صحابی سے کوئی مسئلہ دریافت کیا اُسے اُس مسئلہ میں حدیث نہ معلوم ہوئی اُسنے اپنی رائے سے اجتہاد کیا یہ کئی طرح پر ہے ایک قسم تو یہ ہے کہ اُس کا اجتہاد حدیث کے موافق ہووے اسکی مثال وہ ہے جو **نسائی** وغیرہ نے روایت کیا ہے۔ کہ ایک عورت کے باب میں **عبداللہ بن مسعود** سے پوچھا گیا کہ عورت کا شوہر مرگیا اور اسکے لئے کچھ مقرر نہیں کیا گیا تھا آپ نے فرمایا کہ میں نے نبی اکرم کو اس باب میں حکم دیتے نہیں دیکھا۔ مہینہ بھر تک وہ لوگ اُنکے پاس آتے جاتے رہے اور سوال کرتے رہے پس آپنے اپنی رائے سے اجتہاد کیا اور حکم دیا کہ اسکے لئے مہر مثل ہے نہ کم نہ زیادہ اور اسپر عدت واجب ہے اور اسکے لئے میراث ہے اسپر **معقل ابن یسار** نے کھڑے ہوکر شہادت دی کہ نبی اکرم نے ہم میں سے ایک عورت کے لئے یہ حکم صادر فرمایا تھا۔ پس **عبداللہ ابن مسعود** اس سے ایسے خوش ہوئے کہ اسلام کے بعد کبھی ایسے خوش نہ ہوئے تھے۔ ایسا اجتہاد کم ہوتا ہے کہ جسکا حدیث نبوی کے ساتھ تطابق ہو جاوے۔ دوسری قسم یہ ہے کہ دونوں میں مناظرہ واقع ہووے اور حدیث اس طریق اور سند سے ظاہر اور ثابت ہووے کہ جسپر ظن غالب ہو۔ اور وہ اپنے اجتہاد سے حدیث کیطرف رجوع کرے اسکی مثال وہ ہے جسکو **ائمہ** نے روایت کیا ہے کہ **ابوہریرہ** کا مذہب یہ تھا کہ جس شخص کو حاجت غسل میں صبح ہو جائے اسکا روزہ نہیں رہتا اُنکے اس مذہب پر بعض ازواج نے انھیں خبر دی کہ آپ غلطی پر ہیں اور انھیں اپنے مذہب سے رجوع کرنا پڑا۔ تیسری قسم یہ ہے کہ اسکو حدیث تو پہنچی لیکن اس سند سے نہ پہنچی کہ جسپر ظن غالب ہو اس حالت میں اسنے اپنی رائے نہ چھوڑی اور حدیث پر طعن کیا اسکی مثال وہ ہے جسکو **اصحاب اصول** نے روایت کیا ہے کہ **فاطمہ بنت قیس** نے حضرت **عمر بن خطاب** کے آگے اس امر کی شہادت دی کہ مجھے تین طلاقیں دیگئی تھیں اور رسول اللہ نے مجھے نفقہ اور رہنے کا مکان

مکان نہیں دلوایا تھا حضرت عمر نے اسکی شہادت کو تسلیم نہ کیا اور فرمایا کہ ہم اس عورت کی شہادت پر جسکے صدق و کذب کا ہمیں علم نہیں ہے۔ کیونکر کتاب اللہ کو چھوڑ دیں۔ جس میں تین طلاق دی ہوئی عورت کو نفقہ اور رہنے کا مکان دینا چاہئے۔ دوسری مثال شیخین یعنے بخاری و مسلم نے روایت کی ہے۔ جو جسقدر قابل توجہ ہے اُسیقدر عمل کرنے کے قابل ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ حضرت عمر کا یہ مذہب تھا کہ حاجت غسل میں پانی نہ ملنے پر تیمم کافی نہیں ہے۔ عمار نے حضرت عمر کیخدمت میں عرض کیا کہ میں ایک سفر میں نبی اکرم کے ہمرکاب تھا مجھے نہانے کی ضرورت ہوئی پانی نہ ملنے پر میں پریشان ہوا اور میں نے آنحضرت کیخدمت میں اپنی پریشانی کا سبب بیان کیا آپ نے اپنے دونوں ہاتھ زمین پر مارے اور انکو اپنے مُنہ پر اور دونوں ہاتھوں پر پھیرا حضرت عمر نے عمار کی اس روایت کو تسلیم نہیں کیا اس سے ہم نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ ہر شخص کو بشرطیکہ وہ رائے دینے کے قابل ہو غور کرنے اور اسکو عقل کے مطابق کرنیکا استحقاق حاصل ہے۔ حضرت عمر گویا اسلام میں وہ پہلے ریفارمر ہوئے ہیں کہ جنھوں نے ان دشواریوں کو مٹا دیا کہ جو اسلام میں چلی تھیں اور آپ نے ہر مومن کے لئے یہ بات جائز رکھی کہ وہ حدیثوں کو سُنکر آنکھیں بند کر کے انکا متبع نہو جائے بلکہ غور و فکر کے بعد انپر عمل کرے۔ چوتھی قسم یہ ہے کہ حدیث انکو پہنچی ہی نہیں اس کی مثال مسلم کی روایت ہے کہ عبداللہ بن عمر نے اجازت دیدی تھی کہ نہانے کے وقت عورتیں سر کھول لیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ سُنکر ارشاد کیا کہ بڑے تعجب کی بات ہے کہ عبداللہ بن عمر عورتوں کو سر کھول دینے کو حکم کرتا ہے یہ حکم کیوں نہیں کرتا تاکہ سر منڈوا ڈالیں۔ اس سے یہ غرض ہے کہ نبی اکرم نے عورتوں کو سر کھولنے کے لئے حکم نہیں دیا تھا۔ اگر ان مسائل اور احکام پر ایک دوربین نظر ڈالی جاویگی تو اس سے یہ بات بخوبی ثابت ہو جائیگی کہ ٹھیٹ اسلام کو ان اختلافات مسائل سے کچھ بھی علاقہ نہیں ہے صرف لوگوں کے دریافت کرنے پر حکم جاری کر دیا جاتا تھا اسلئے

کہ وہ لوگ ایسی قوم اور گروہ میں سے آکر مسلمان ہوئے تھے کہ جنھیں نشست و برخاست کا طریقہ بھی نہ آتا تھا ان کی معاشرت ناپاک تھی اور ان کی کل عادتیں بد تہذیبی کی تھیں۔ وہ کچھ بھی نہ جانتے تھے مسلمان ہو کر انہیں یہ خیال ہوا کہ جہاں تک ہو ہر بات میں اپنے خلیفۂ وقت ہی سے چلکر دریافت کریں۔ اور جو کچھ وہ حکم دیں اسپر عمل کریں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ نہیں فرمایا کہ عبداللہ عورتوں کو سر کھولنے کی اجازت دیکر اسلام سے خارج کرنا چاہتا ہے۔ بلکہ کفار عرب کے طریق اور عادات میں نئی معاشرت قایم کرنی تھی اور جو اس زمانہ کی تھذیب یا تمدن کے لحاظ سے ضروری تھی اور وقعت کی نگاہ سے دیکھنے کے قابل تھی۔ ان جزویات میں کبھی نبی نے احکام صادر فرمائے نہ پبلک کو پابند کرنے کی غرض تھی۔ اسلئے جس نے معاشرت کا علم پڑھا ہے وہ خوب جانتا ہے کہ برفستانی ممالک میں مثلاً جیسے ناروے اور سوئڈن ہیں جہاں آفتاب بعض موسموں میں نصف گھنٹہ سے زیادہ نہیں رہتا ظہر و عشا کا کیونکہ حکم دیا جائیگا اور وہاں کے مسلمان نماز کن قیود سے ادا کرینگے۔ اسکے لئے کسی نئے مجتہد کی ضرورت ہے جو ہمارے لئے ایک نئی فقہ موجودہ زمانہ کے موافق مدون کرے اور پھر ہم اسپر زمانہ اور موسم کے موافق چلیں مسلمانوں کے پاس قرآن مجید کے من اللہ ہونے کا یہی ثبوت ہے کہ اس میں جتنے احکام ہیں سب قانون قدرت کے مطابق ہیں۔ اگر قرآن میں صریح طور پر قیود و اوقات ہوتے تو مخالفین کا بڑا زبردست اعتراض ہو سکتا تھا چونکہ یہ فقہی مسائل اس سے استنباط کئے گئے ہیں اسلئے اب وہ زمانہ آگیا ہے کہ ایسے ممالک کے مسلمانوں کے لئے قرآن مجید ہی کی آیتوں سے کوئی نیا فقہ مدون کرنیوالا مجتہد پیدا ہو۔

بہت سی باتیں اسلام میں فرض نہیں تھیں اور فرض ہو گئیں اور یہ صرف آپ کے صحابہ کی اس خلوص نیت اور انتہا درجہ کی محبت کا سبب تھا کہ آنحضرت کے ان کاموں کو

کہ جو مومنین کے لئے نہ فرض قرار دئے جا سکتے تھے نہ واجب ہو سکتے تھے اپنے اوپر لازم کر لیتے تھے اور عام مسلمانوں کو بھی حتی الوسع اِن کاموں کے کرنے کی ترغیب دیتے تھے۔ حالانکہ انکا یہ کرنا اسلام کے لئے کوئی حجت نہیں ہو سکتا مثلاً صحابہ نے رسول اکرم کو ایک فعل کرتے دیکھا بعض نے اسکو عبادت پر محمول کر لیا اور بعض نے اباحت پر دونوں کا فعل خلاف شریعت نہیں ہو سکتا۔ جنھوں نے اس فعل نبی کو عبادت پر محمول کیا اِنپر بھی خطا کا الزام نہیں آسکتا اور جنھوں نے اباحت پر محمول کیا وہ بھی خطا سے پاک ہیں اس کی مثال یہ ہے کہ جسکو اصحاب اصول نے قصہ تحصیب یعنے منیٰ سے پھرنے کے وقت اسطح میں اُترنے کے باب میں روایت کیا ہے کہ نبی اکرم اسطح میں اُترے۔ پس ابو ہریرہ۔ اور بن عمر کی یہ رائے ہے کہ یہ اترنا بطریق عبادت تھا۔ پس انھوں نے سنن حج میں سے اسکو قرار دیا اور حضرت عائیشہ اور ابن عمر کی یہ رائے ہے کہ یہ اتفاق تھا سنت نہیں ہے۔ دونوں گروہ محض بیگناہ ہیں اور انپر کوئی الزام عائد نہیں ہو سکتا وجہ کیا کہ اِن باتوں کو اصول اسلام سے کوئی تعلق نہیں تھا یہ جزوی اختلافی مسائل ہیں انکا کرنے اور نہ کرنے والا نہ مستحق ثواب ہے نہ گناہ بلکہ اِن قواعد کی پابندی کرنا اسکے لئے لازمی امر ہے کہ جو اسکے لئے مقرر ہو گئے ہیں اور جنکا بیان قرآن مجید یا احادیث صحیحہ میں بہت زور دیکر آیا ہے۔ دوسری مثال اور بھی اس اختلاف کی یہ ہے کہ جمہور کی رائے کے بموجب طواف میں دوڑتے اور اکڑتے چلنا سنت ہے مگر عبد اللہ بن عباس کی یہ رائے ہے کہ نبی اکرم نے ایک عارضہ کے سبب سے یہ اتفاقاً کیا تھا کیونکہ مشرک یہ کہتے تھے کہ اصحاب محمد کو مدینہ کے بخار نے شکستہ اور ضعیف کر دیا ہے اسلئے حکم دیا گیا تھا کہ تم اکڑ کر اور سینے تانکر چلو تاکہ حقارت انگیز نظریں مشرکین کی تم پر نہ پڑیں یہ سنت نہیں ہے۔ اِن اختلافات سے کچھ بھی فرق اسلام میں نہیں آسکتا۔ دوسرا اختلاف وہم سے ہے جس کی مثال یہ ہے کہ نبی اکرم نے حج کیا۔ اور لوگوں نے

آپ کو دیکھا بعض کی یہ رائے ہوئی کہ آپ **متمتع** تھے اور بعض کی یہ رائے ہوئی کہ آپ **قارن** تھے اور بعض کا یہ خیال ہوا کہ آپ **مفرد** تھے۔ لوگوں نے اپنے خیال میں ایک بات سمجھ لی اور اسی کی انھوں نے پیروی کی اور یہی انکا عام مذہب ہوگیا۔ حالانکہ وہ ہمیشہ وہاں نبی اکرم سے دریافت کر سکتے تھے مگر وہاں ان مسائل کی بابت جنکو ٹھیٹ اسلام سے کوئی تعلق نہ تھا سوال کرکے وقت ضائع کرنے کی اجازت نہ تھی ان ساری باتوں سے یہ ثابت ہوگیا کہ یہ اختلاف اسلام میں رحمت ہے اور اسی وجہ سے مسلمانوں کو نئی نئی تحقیق کا شوق ہوا اور انھوں نے احادیث نبوی اور مسائل کی ایسی چھان بین کی اور انکو جھوٹ اور بناوٹ سے ایسا بچایا کہ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی جدا جدا دکھائی دینے لگا جب صحابہ کے مذہب مختلف ہوگئے تو لازم ہوا کہ تابعین کے مذہب میں بھی اختلاف واقع ہو اسلئے کہ تابعین میں سے ہر ایک نے جو کچھ مشہور ہوا اسے اسیطرح لیا اور احادیث رسول اللہ اور مذاہب صحابہ میں سے جو کچھ سنا اسکو یاد رکھا اور انکو سمجھا اور جس طرح ممکن ہوا ان میں باہم تطبیق دی بعض اقوال کو بعض پر ترجیح دی اور اسکی یہاں تک نوبت پہنچی کہ انکی نگاہوں میں بعض اقوال اگرچہ صحابہ کبار سے منقول تھے ضعیف ہوئے جیسے کہ مذہب تیمم کے باب میں حضرت عمر اور عبداللہ بن مسعود سے منقول ہے وہ انکے نزدیک بسبب ان احادیث کے کہ عمار و عمران بن حصین وغیرہ سے مشہور ہیں ضعیف ہوا یا دوسرے الفاظ میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ انھوں نے ہر مسئلہ کو خواہ اسکا پہنچانے والا کوئی تھا عقل سے جانچا اگر وہ عقل کے مطابق ہوا اسپر عمل کیا اور نہیں اسے چھوڑ دیا۔ اسوقت علماء تابعین میں سے ہر ایک کا مذہب ایک مستقل مذہب ہوگیا اور ہر عالم کے ہر شہر میں گروہ کے گروہ معتقدین کے ہوگئے جیسے سعید بن المسیب اور سالم بن عبداللہ بن عمر اور انکے بعد زہری اور قاضی یحییٰ بن سعید اور ربیعہ بن ابی عبدالرحمن مدینہ میں اور عطا بن ابی رباح مکہ میں اعلیٰ درجہ کا اقتدار امامت رکھتے تھے۔

اور ابراہیم نخعی اور شعبی کوفہ میں اور حسن بصری بصرہ میں اور طاؤس بن کیسان یمن میں اور مکحول شام میں۔ ان علماء کے سبب سے شریعت محمدی کی اشاعت ہوئی۔ جن مسائل میں کہ قرآن اور حدیث یا صحابہ کے فیصلے اور فتوے انھیں دستیاب ہوئے ان میں اپنی رائے کو دخل نہیں دیا اور جن مسائل یا مقدمات میں انھیں قرآن و حدیث وغیرہ سے مدد نہ مل سکی ان میں اپنی رائے سے اجتہاد کیا اور اس اجتہاد کرنے کا انھیں استحقاق حاصل تھا۔ چونکہ ہر ایک کا مذہب مستقل ہو چکا تھا اسلئے اجتہادی یا استنباطی مسائل میں اختلاف پیدا ہوا اور اس اختلاف سے اگر در اصل دیکھا جائے تو مذہب اسلام کو کوئی تعلق نہیں ہے۔ ہر مجتہد نے مصلحت وقت کے مطابق فیصلے کئے اور اپنی رائے سے کام لیا۔ جب ان مجتہدین وقت کے آگے مسائل دائر ہوئے اور مقدمات پیش کئے گئے تو انھیں فقہ کے تمام ابواب جمع کرنے پڑے۔ اور ہر باب کو انھوں نے اصول پر قایم کیا۔ سعید اور اسکے شاگردوں کا یہ مذہب تھا کہ مکہ مدینہ والے فقہ میں سب آدمیوں سے افضل ہیں اور انکے مذہب کی اصل حضرت عمر اور حضرت عثمان اور عبد اللہ بن عمر اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور عبد اللہ بن عباس اور مدینہ کے قاضیوں کے فتوے اور فیصلے ہیں۔ لیکن یہ فتوے اور فیصلے ایسے نہ تھے کہ جو انکے کام اور مقدمہ میں مدد دیتے اسلئے کہ ہر ملک میں بہ تقاضائے آب و ہوا اور چگونگی طبائع سے نئے نئے جرایم سرزد ہوتے ہیں اور نئے نئے مقدمات کرنے پڑتے ہیں ہر مقدمہ میں یہ معدودے چند فیصلے یا فتوے کیا مدد دے سکتے تھے۔ ہاں اس ہی نوعیت کے مقدمات میں یہ فیصلے اتباع کرنے کے لئے اچھا حکم رکھتے تھے مگر یہ خیال کرنا محال ہے کہ وہ سب مقدمات اور مسائل پر محیط بن سکتے۔

اسپر بھی علماء نے تمام فیصلوں اور فتووں پر نظر کی اور دیکھا کہ میجارٹی یعنے اجماع کس طرف ہے جس مسئلہ کیطرف اجماع اور اتفاق دیکھا اسپر تو انھوں نے مضبوطی سے عملدرآمد کیا اور جس میں اختلاف پایا اسکو اپنی رائے اور قیاس پر چھوڑ دیا۔ اگر یہ نہ کرتے تو محض

ناممکن تھا کہ ایک دن بھی دنیا کا کام چلتا قاضی مفتی ہاتھ پر ہاتھ رکھے بیٹھے رہتے اور سوائے چند مسائل کے کسی میں حکم دینے کے قابل ہوتے۔ ہر عالم کے پاس جب اسنے اپنی رائے اور قیاس کو وسعت دی ہر ایک باب میں بہت سے مسئلے ہو گئے۔ اور ہر ایک کو اسکی صائب رائے اور زبردست قیاس ہونے کیوجہ سے افضلیت کا درجہ ملا۔ مثلاً ابراہیم اور انکے قابل شاگردوں کی رائے کے مطابق عبداللہ بن مسعود اور انکے شاگرد فقہ میں سب سے افضل ہیں جیسا کہ علقمہ نے مسروق سے کہا کیا عبداللہ بن مسعود سے کوئی شخص ان میں سے یعنے صحابہ میں سے افضل ہے؟ (فقہ میں) یا جیسے امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے اوضاعی سے یہ کہا تھا کہ ابراہیم سالم سے فقہ میں زیادہ ہیں اگر فضل صحبت رسول اللہ نہوتا تو میں کہتا کہ علقمہ عبداللہ بن عمر سے فقہ میں زیادہ ہیں عبداللہ بن مسعود تو عبداللہ بن مسعود ہی ہیں اگر ہم ابراہیم کے مذہب پر نظر تعمق سے دیکھیں گے تو ہمیں معلوم ہوگا کہ انکے مذہب کی اصل عبداللہ بن مسعود کے فتوے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فیصلے اور فتوے اور کوفہ کے قاضیوں میں سے زیادہ تر شریح وغیرہ کے فیصلے ہیں انھوں نے ان ہی فیصلوں اور فتووں پر تکیہ نہ کیا بلکہ ان میں سے ایسی تخریج کی کہ جیسی مدینہ والوں نے تخریج کی تھی۔ ہر باب میں اس طرح سے انکے پاس فقہی مسائل کا انبار لگ گیا یہاں تو یہ کیفیت تھی مگر مدینہ میں سعید بن مسیب مدینہ والونکی زبان ہو رہا تھا اسے حضرت عمر کے فیصلے اور ابو ہریرہ کی حدیثیں ازبر یاد تھیں کوفہ کے فقہاء میں ابراہیم کا طوطی بول رہا تھا۔ جسوقت سعید بن مسیب یا ابراہیم کوئی بات کہتے تھے اور اسکو کسی قائل کیطرف نسبت نہ کرتے تھے تو وہ بات غالباً سلف میں کسی کیطرف صراحتاً یا ایماً منسوب ہے۔ شہر کے فقہاء نے ان دونوں سے اتفاق رائے ظاہر کیا اور انسے نئے نئے مسئلے دریافت کئے اور عام آدمیوں کو اس احکام کی رستی میں جکڑ دیا جو وہ کسی مسئلہ یا مسائل میں دیا کرتے تھے۔

اب ایک بات اور بھی بیان کرنے کے قابل ہے اور وہ یہ ہے کہ جن بزرگ علما کا گرامی نام اوپر آچکا ہے ان میں سے ہر ایک پاک نفس شریعت محمدی کا دل سے شیدا تھا اور اسلام کے نام پر جان قربان کرنی اپنا فرض عین سمجھتا تھا۔ یہ گویا اسلام کے نگہبان یا رونق دینے والے یا حامی ہوئے ہیں انھوں نے اپنے اپنے شہر کے لئے وہ قواعد ایجاد کیے کہ جنکی متحمل شہری طبایع ہو سکتی تھیں۔ اسلئے کہ ان میں تشدد مطلق نہ تھا۔ اور نہ وہ چاہتے تھے کہ الٹے سیدھے مسئلے بنا کر غریب ناواقف مسلمانوں کو جنجال میں ڈالیں نہ یہ انکی فطرت کا تقاضا تھا ایسی صورت میں ہر مجتہد کا اختلاف رائے ہو جانا کچھ بھی بات نہ تھی اگر وہ اپنی رائے سے بھی اجتہاد نہ کرتے اور قانون قرآن یا قانون حدیث کے مطابق فیصلے کرتے۔ پھر بھی آرا میں ضرور اختلاف رہتا کیونکہ یہ اختلاف قانون قدرت کے مطابق ہے موجودہ زمانہ میں جبکہ قانون کی مضبوط زنجیروں میں ہر شخص کا عضو عضو کس دیا گیا ہے اور ججوں کی آسانی کے لئے قوانین منضبط پاس شدہ موجود ہیں اور اسی قسم کے صدہا فیصلے اسکے آگے میز پر چنے ہوئے ہیں اور وکیل زور شور سے اپنے اپنے موکل کیطرف سے مقدمات کا جدا ثبوت دے رہے ہیں۔ پھر بھی اگر اسی ایک قسم کے مقدمہ کو چار مجسٹریٹ علیحدہ علیحدہ کرنے بیٹھیں گے تو قوانین منضبط پاس شدہ مختلف فیصلوں اور وکیلوں کے بالتصریح سمجھانے کے بعد بھی چاروں کا فیصلہ جدا جدا ہوگا اور ایک دوسرے فیصلہ کا تطابق ہر ایک پر امر محال تصور کیا جاویگا۔ پھر بھی یہ خوب سمجھ لینا چاہیئے کہ انکے اختلاف سے اصل قانون میں کوئی خاص کوتاہی واقع نہیں ہوگی اور نہ اسپر کوئی دھبہ لگے گا۔ وہ جیسا ہے ویسا رہیگا صرف اختلاف رائے کیوجہ بیان کیجائیگی۔ یہی بات فقہا اور مجتہدین پر بھی صادق آتی ہے۔ انکا باہم مختلف ہونا ایک نیچرل امر تھا اور یہ اختلاف کوئی بدنما چیز اسلام میں نہیں گنی جا سکتی۔ ہاں بیشک ماننا پڑیگا کہ رائے کا ضعف اور قوت کا حکم اسپر قایم کیا جاویگا اور اس حکم کے قایم

کرنیکا ہر شخص جو فہم سلیم رکھتا ہے مجاز ہے جیسا کہ اوپر حضرت عمر کی نسبت بیان ہوا۔
ایک زمانہ وہ تھا کہ اسلام کو اتنے لمبے چوڑے قوانین کی ضرورت نہ تھی ایک وقت وہ آیا کہ
انہیں ہر شے کے لئے مقتضائے وقت سے قانون بنانے پڑے اور تمدنی اصول کو
کشادگی کے ساتھ وسعت دینی پڑی۔ نبی اکرم کی پیشین گوئی پوری ہوئی کہ حاملان علم
کا ایک گروہ پیدا ہوگا جو بہت بہت کچھ عجائب غرائب کرشمے دکھائیگا اور اسلام کی
بنیادونکو مضبوط کریگا چنانچہ وہ مبارک انفاس پیدا ہوئے اور انھوں نے علم کا آفتاب
چمکا دیا۔ اپنی تحقیق اور تفتیش کے صدقہ میں وہ قوم کے پیشوا ہوگئے اور انکو اس عظیم الشان
کام کا بار اٹھانا پڑا انکا پیشوا ہونا ضروری امر تھا اور اسلام کی پشت پناہی تھی اسلئے
قوم نے ضرورت سمجھی کہ اپنے لئے ایسے ایسے پیشوا منتخب کرے کہ جو مقنن قوانین ہوں قوت
استخراج اور استنباط کرنے کی ان میں پوری پوری پائی جائے اور ان میں اپنی رائے سے
اجتہاد کرنیکا پورا مادہ ہو۔ ان بزرگ علما کے اختیارات میں انتہا درجہ وسعت ہوئی اور انکی
ہدایات پر بھروسہ کرکے انپر تمام فیصلوں کا دارومدار چھوڑ دیا گیا اسپر بھی انھوں نے اپنے
شیوخ کا اپنے کو ایک حد تک مقید رکھا اور الایماءات اور اقتضات کی تحقیق میں
کوتاہی نہیں کی۔ زیادہ جب غور کیا جاتا ہے تو انکی رائے کا ماحصل یہ ہے کہ حدیث رسول اللہ
صلعم میں مسند اور مرسل دونوں پر عمل کیا جائے اور صحابہ اور تابعین کے اقوال سے
دلیل لائی جائے۔ مگر ایک مشکل یہ آپڑی ہے کہ گو حدیثوں کی جانچ کرنیکا طریقہ انتہا درجہ
وسیع کردیا گیا ہے پھر بھی دوربینوں کی نگاہوں میں اسکی حدیں نظر آتی ہیں اسکا کیا
علاج ہوسکتا ہے کہ نبی اکرم کی وفات کے چند ہی روز بعد ان صحابہ کی حدیثیں باہم تسلیم
نہ کیجاتی تھیں کہ جو مدت تک نبی عربی صلعم کی صحبت فیض درجت سے مستفیض ہوچلے
تھے جیسے ہم ابھی تیمم کے بارے میں لکھ آئے ہیں کہ حضرت عمر نے عمار کی بیان شدہ حدیث
کی تصدیق نہیں کی۔ یا جیسے ابراہیم نے جسوقت مخالفت سے رسول کے نہی کرنیکی

حدیث روایت کی اور انسے کہا گیا کہ اس حدیث کے سوا کوئی اور حدیث رسول اللہ سے یاد نہیں کہا ہاں یاد ہے لیکن مین کہتا ہوں کہ میرے نزدیک قال رسول اللہ کہنے سے قال عبد اللہ اور قال علقمہ کہنا بہتر ہے"۔ اور اسی قسم کا شعبی نے جواب دیا جب انسے ایک حدیث کی بابت دریافت کیا گیا اور کہا گیا کہ یہ حدیث رسول اکرم کیطرف مرفوع اور منسوب ہے جواب دیا نہیں میرے نزدیک اس شخص کی طرف اس حدیث کا نسبت کرنا بہتر ہے جو یہ بیان کرتا ہے "یہ سب باتیں" اور مثل انکے اور بہت سی عالم احادیث کو ہماری آنکھوں کے سامنے نہایت خوفناکی سی پیش کر رہی ہیں جب ہم قانون قدرت سے احادیث منقولہ کی مطابقت کرتے ہیں تو ہمیں ان میں سے بہت سی حدیثیں خلاف قیاس معلوم ہوتی ہیں یہی وجہ ہے کہ مجتہدین خصوصاً ابو حنیفہ صاحب نے انکی طرف توجہ نہیں کی اور یہی ایک خاص سبب ہے جس سے مخالف انکی نسبت یہ نالایم بات مشہور کرتے ہیں کہ انہیں یعنے ابو حنیفہ صاحب کو علم حدیث نہ آتا تھا۔ یہ قول جسقدر بے معنی ہے اسیقدر مہمل اور لغو بھی جسے تاریخ اور جغرافیہ کا ذرا بھی علم ہے وہ خوب جانتا ہے کہ احادیث کس طرح جمع کیگئیں اور ان کی کیا کیفیت ہے۔ ہر شہر کے نئے نئے علما تھے اور وہ لوگ خواہ کچھ ہو جاتا تہا پھر بھی اپنے ہی شہر کے علما کی بات تسلیم کرتے تھے اسکی وجہ کوئی ضد اور ہٹ دھرمی نہ تھی بلکہ وہ سمجھتے تھے کہ ہمارے خیالات۔ ضروریات اور عادات کو جیسا کہ ہمارے ہموطن بتاتے ہیں۔ دوسرا نہیں جان سکتا۔ ایک قرآن ہی ایسی کتاب ہے کہ جو ہر طبقہ اور ہر گروہ اور ہر ملک اور ہر قسم کی طبائع کے لیئے موزوں ہے اور سب کا خواہ انکے کیسے ہی مختلف خیالات ہوں اسپر عمل کرنا نجات دارین تصور کیا جاتا ہے اسپر بھی یہ بڑی بات تھی کہ اسی ترقی کناں زمانہ میں نبی اکرمؐ کی احادیث کی بہت تلاش تھی اور ہر شخص کی یہی آرزو تھی کہ جہانتک ہو قابل اطمینان حدیث ملے تو قرآن کے بعد اسی پر عمل کروں یہ خیال از کا مبارک تھا اور اسکے مقدسی جلوہ ممالک

اسلامیہ کو منور کر رہے تھے مثلاً مدینہ میں امام مالک اور محمد بن عبدالرحمٰن بن ابی ذہیب نے اپنا ڈنکا بجا رکھا تھا اور لوگ ان بزرگ اصحاب کے فیصلوں پر اپنا دار مدار جانتے تھے اور مکہ میں ابن جریح اور ابن بخشنہ نے اپنے اعتقاد کا سکہ بٹھا رکھا تھا کوفہ میں ثوری نے دھوم مچا رکھی تھی اور بصرہ میں ربیع بن صبیح نے اپنا خوشنما اثر ڈال رکھا تھا اور برابر کتابوں پر کتابیں اپنے مذہب کی اشاعت کے لئے تصنیف کرتا تھا یہ سنکر ناظرین کو شاید حیرت ہوگی کہ باوجود استحکام مذاہب کے ہر مجتہد وقت یہ نہ چاہتا تھا کہ میں اپنا مذہب جبراً ان لوگوں سے قبول کراؤں کہ جو دوسرے مجتہد کے پیرو ہیں اسلئے انھیں یہ ضرور شبہ رہتا تھا کہ ممکن ہے مجھسے زیادہ دوسرے مجتہد کو احادیث صحیحہ معلوم ہوں۔ یہ اشتباہ ایک فطرتی اور لازمی تھا اسلئے کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے ایک ادنٰے سے ادنٰے مسلمان تک یہ درجہ ہرگز حاصل نہیں ہے کہ ہم اس کی طرف یہ منسوب کریں کہ وہ نبی اکرم کی کل احادیث پر محیط ہتا یا ہے یا جتنی حدیثیں اسے یاد ہیں وہ بے کم و کاست وہی حدیثیں ہیں کہ جن کی صداقت میں ذرا سا بھی فرق نہیں ہے اپنے اس دعوے کے ثبوت میں یہ روایت صحیحہ پیش کرتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ جب منصور حج بیت اللہ کے لئے حاضر ہوا تو اسنے امام مالک کی خدمت میں یہ التماس کیا کہ اگر آپ کی مرضی ہو تو یہ حکم کردوں کہ آپ کی کتابیں نقل کر لی جاویں اور ان کے متعدد نسخے ہر شہر و قریہ میں بھیجدئے جائیں۔ اور تاکیدی حکم کردیا جائے کہ جو کچھ ان میں لکھا گیا ہے اسپر عمل کریں اور انکے غیر پر عمل نہ کریں۔ امام مالک نے منصور کی یہ درخواست منظور نہیں کی اور کہا کہ اے امیر المومنین اس امر کا ارادہ کبھی نکرنا کیونکہ جن لوگوں کے پاس اس سے پہلے حدیثیں پہنچ گئی ہیں اور ممکن ہے کہ وہ حدیثیں صحیح بھی ہوں تو پھر یہ بڑا ظلم ہوگا کہ انہیں صحیح حدیثوں پر عمل کرنے سے روکا جاویگا۔ بہتر یہی ہے کہ ہر شہر والے نے جو کچھ اسنے اپنے لئے پسند کرلیا ہے عمل کرنے دے

(اس قصہ کو ہارون الرشید کیطرف بھی منسوب کرتے ہیں) حضرت امام مالک کے اس فہیمتی قول سے ہم دو باتیں استنباط کر سکتے ہیں پہلی تو یہ ہے کہ ان فقہی باتوں سے اسلام کو کوئی تعلق نہیں ہے یہ وہ قانون ہیں جو مقتضائے وقت پر مرتب ہو جاتے ہیں اسلئے امام مالک نے یہ فرمایا کہ جو کچھ انھوں نے اپنے لئے پسند کر لیا انکو اسپر عمل کرنے دے۔ اگر ان مسائل کو دین سے کچھ بھی تعلق ہوتا تو امام مالک کا فرض تھا کہ وہ بجائے اپنی کتابوں کے بھیجنے کے خود ان شہروں میں منادی کرنے جاتے اور خوب ڈھڑاکے سے ثابت کرتے کہ یہ عمل کرنا خلاف طریقہ نبی عربی صلعم ہے۔ دوسری بات اس سے یہ پائی جاتی ہے کہ جو حدیثیں امام مالک کو معلوم تھیں انھیں خود ان میں شبہ تھا اور انکا شبہ بجا تھا۔ اگر وہ جانچ کر سکتے تھے تو صرف اپنی عقل اور قیاس سے دوسرا طریقہ جانچ کرنیکا نہ انکے پاس تھا نہ وہ حاصل کر سکتے تھے۔

وہ روایت جو **ہارون الرشید** کیطرف منسوب کیجاتی ہے اس میں ہمارے مطلب کی اور بھی تصریح ہوتی ہے اور وہ یہ ہے کہ جب **خلیفہ ہارون الرشید** نے کہا کہ میرا ارادہ ہے کہ آپ کی کتاب **موطا** کو میں **کعبہ** کے دروازہ پر لٹکا دوں اور لوگوں کو حکم کر دوں کہ وہ اسپر عمل کریں حضرت **امام مالک** نے فرمایا کہ **اصحاب رسول اللہ صلعم** فروع میں باہم مختلف ہیں اور وہ شہروں میں متفرق ہوگئے ہیں اور ہر ایک سنت ہے ہارون الرشید نے کہا کہ اے **ابی عبداللہ** خدا اس سے بھی زیادہ تجھے توفیق دے۔

ان **اصحاب یا فقہا یا مجتہدین** کا فروع دین میں اختلاف ہونا محض ایک دوسرے کی نیک نیتی پر مبنی تھا۔ ہر متنفس قوم وملک ودین کا دل سے شیدا تھا اور ہمیشہ اسکی ترقی میں اپنا دھن من تن قربان کر دینا اپنا اور اپنے خاندان کا فخر عظیم تصور کرتا تھا۔ ہر **مجتہد** دقت سے نکتہ چیں نظروں سے اپنے استادوں کے قیاسات اور اجتہاد فی المسائل پر بحث کی ہے اور نہایت نیک نیتی سے جو کچھ انہیں اپنے خیال اور تحقیق میں صحیح معلوم ہوا اسکو

قایم کرکے ان کی رائے کی تردید کی ہے یا اسکا ضعف ثابت کیا ہے۔ ہمارے اس دعوے کی شہادت **امام محمد** کی کتاب کتاب الآثار اور **جامع عبدالرزاق** اور مصنف **ابی بکر بن ابی شیبہ** ہیں ابراہیم کے اقوال کی تخیص کرنے سے صحت کے ساتھ بخوبی ثابت ہو جائیگی کہ استاد و شاگردوں میں باہم کیسا اختلاف ہے اور ایک دوسرے کے بعض اقوال کو کس شد و مد سے ایک دوسرے نے رد کیا ہے۔ ان کتابوں پر ایک نظر ڈالنے سے یہ تو بخوبی ثابت ہوتا ہے کہ حضرت **ابو حنیفہ** ابراہیم کے مذہب پر قدم بقدم چلے ہیں لیکن اسپر بھی انھوں نے چند مقامات میں اختلاف کیا ہے اور انکا اختلاف بالکل قانون قدرت کے مطابق تھا۔ پھر امام **ابو حنیفہ** کے شاگردوں میں امام **ابو یوسف** نے جو سب شاگردوں سے زیادہ مشہور ہیں اور جو **ہرون الرشید** کے ہاں **قاضی القضات** تھے انکی وجہ سے **عراق** اور **خراسان** اور ماورا النہر کے شہروں میں **ابو حنیفہ** کے **فقہ** کا رواج ہو گیا۔ میں اسکو ہرگز تسلیم نہیں کرونگا کہ اگر **ابو یوسف** **ہرون الرشید** کے ہاں **قاضی القضات** نہوتے تو یہ ایک امر محال تھا کہ اتنی جلدی **ابو حنیفہ کا** مذہب پھیل جاتا۔ یہ بات محض بے سر و پا اور لغو ہے۔ اس زمانہ کی سوسائٹی اور ملکی حالت اس امر کی مقتضی تھی کہ ایک ایسا شخص پیدا ہو کہ جو زمانہ کی حالت کے بموجب قانون مرتب کرے یہ شرف حضرت ابو حنیفہ کو ملنا تھا۔ اور ضرور تھا کہ آپ ایسے فقہی اصول مدون کریں کہ جنپر صدیوں تک عملدرآمد ہوتا چلا جائے اور کروروں آدمی انپر سر تسلیم خم کریں۔ اگر **ابو حنیفہ** نہ پیدا ہوتے تو محض ناممکن تھا کہ بڑی بڑی وسیع سلطنتوں میں امن و انصاف قایم ہوتا اور غیر قومیں بآزادی اپنی زندگی گزارنا اپنی خوبی قسمت سمجھتیں ملک کی طبع اسکی حالت اور شاہی مدبرانہ پالیسی حد سے زیادہ ایسے شخص کو چاہتی تھی کہ جو **ابو حنیفہ** جیسا ہو ان پُر اثر قوانین نے دریائے فاسفورس سے دریائے گنگرس تک اور وہاں سے گنیجز تک اپنا علم نصب کر دیا۔ چنانچہ اب تک اس کے بہت سے

مسائل گورنمنٹ انگلشیہ میں بھی بطور استفادہ کے لیے جاتے ہیں۔ دنیا میں حنفی مذہب کے آنے کی اسلیئے ضرورت ہوئی۔ کہ اختلاف جاتا رہے چنانچہ یہی ہوا اور کروروں آدمیوں میں سے اختلاف جاکر باہم اتفاق پیدا ہوگیا اور جو ہمیشہ جب تک دنیا قایم ہے رہیگا۔

پہلا باب

امام اعظم کا نسب اور ولادت

یہ بحث بہت مشہور و معروف ہے کہ امام ابو حنیفہ صاحب فارس کے کونسے خاندان سے تعلق رکھتے تھے اور آپ کا نسب کیا ہے۔ جو نکتہ چینیاں کہ امام صاحب کے نسب پر ہوئی ہیں وہ ایسی بیہودہ اور من گھڑت ہیں کہ جنکی نسبت کوئی رائے بھی قایم نہیں ہوسکتی اسوقت ہندوستان میں دو گروہ ہیں جو خواہ نخواہ یہ چاہتے ہیں کہ امام صاحب کے نسب کے دامن پر غلامی کا بدنما دھبہ لگائیں۔ اور نامعقول باتیں کر کرکے کروڑہا حنفیوں کا مظلوم دل دکھایا جاوے۔ مجھے جو کچھ تحقیق ہوا ہے آپ کے نسب کی بابت تحریر کرتا ہوں آپ کا اسم گرامی **نعمان** اور **ابو حنیفہ** کنیت۔ **امام اعظم لقب** ہے آپ کے والد کا نام ثابت اور دادا کا نام **زوطی ابن ماہ** تھا۔ یہ مسلمہ مسئلہ ہے کہ آپکے باپ دادا بھی اصل میں عجمی نسل تھے اور مختلف تاریخوں سے یہ بھی ثابت ہوگیا ہے کہ آپ ایران کے شاہی خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ جو کچھ **عبید اللہ جرجانی** نے آپ کے نسب کی بابت لکھا ہے اسکو ہدیۂ ناظرین کیا جاتا ہے۔ "امام اعظم یعنے ابو حنیفہ صاحب کے دادا النعمان نامی **سلطانہ** کے۔ (جو اصفہان کے پاس ایک قریہ تھا) رہنے والے ہیں۔ انکا سلطنت فارس سے مدت مدید سے تعلق چلا آتا تھا لیکن سلطنت کی بے انتظامی اور شاہان فارس کے اندھے عیشوں نے نیک فطرت **نعمان** کو مجبور کیا کہ وہ **سلطانہ** میں جو انہی کے باپ دادا کا آباد کیا ہوا

تھا چلے آئیں اور امن و آسایش سے اپنی زندگی بسر کریں **نعمان** کے متعلقین کا گروہ کثیر جو سلطنت میں مختلف عہدوں پر مامور تھا نوکریاں چھوڑ چھوڑ کر **سلطانہ** میں آکر آباد ہوگیا "نعمان" کا اسلام قبول کرنا ایک تعجب انگیز امر ہے۔ بیان کیا گیا ہے کہ آپ اپنے مکان کے آگے ٹہل رہے تھے کہ ایک شخص نے ایک کتاب پیش کی نعمان نے اسکی قیمت دریافت کی تو اسنے یہ جواب دیا کہ اسکی قیمت یہی ہے کہ آپ اسے دیکھا کریں۔ یہ کہکر وہ شخص چلا گیا اور **نعمان** چندہی روز میں ایمان لے آئے۔ بعض مورخ یہ لکھتے ہیں کہ انکا اصلی نام **زوطی** تھا لیکن جب **مسلمان** ہوگئے تو **نعمان** رکھا گیا۔ اب صرف بحث یہ ہے کہ آیا زوطی غلام تھے یا نہیں۔ اور جو لوگ غلام کہتے ہیں انکے پاس اسکے کیا ثبوت ہیں۔ مخالفین جنکا ایمان یہی ہے اور وہ اسی سے خوش ہوتے ہیں کہ امام صاحب پر کوئی نہ کوئی ایسا الزام قایم کیا جائے کہ جس سے انکی اشرفیت میں بٹا لگے۔ ایک چالاک دل بیباک شخص **زوطی** لفظ کیوجہ تسمیہ بتاتا ہے "زوطی دراصل ہندی سنسکرت لفظ ہے جسکی اصل "جوتی" ہے بمعنی تابندہ "حرف (ج) اور (ز) قریب المخرج ہیں اور بجائے (ت) کے (ط) کتابت کرکے عرب نے اسکو اپنی زبان میں "زوطی" استعمال کیا جسکو معرب کہتے ہیں اور ہند میں اب تک جوتی پرشاد جوتی سروپ کے نام سے لوگ موسوم ہوتے ہیں" ایسی ایسی من گھڑت باتیں دیکھکر سخت افسوس آتا ہے کہ تعصب سے آنکھیں بند کرکے جو چاہے جو کچھ لکھ مارا اور دربارہ اسپر غور نہیں کیا کہ جو کچھ ہمنے لکھا ہے اس میں سچ کتنا ہے اور جھوٹ کا پیمانہ کتنا بڑا ہوا ہے زوطی" جسکو جوتی قرار دیا ہے دراصل ہندی سنسکرت نہیں ہے۔ معترض کی تحقیق اور قابلیت کا اندازہ "ہندی سنسکرت" لکھنے سے ہو سکتا ہے اسلئے یہ معنی ہیں کہ عربی سنسکرت بھی ہوتی ہوگی انگریزی سنسکرت بھی ضرور ہوگی۔ یہ نئی ترکیب سنی ہے کہ "ہندی سنسکرت زوطی کو آرمنئیں زبان میں، جو کسیقدر فارسی ترکی

عربی سے مخلوط زبان ہے۔ سلطان اور دیوتا کہتے ہیں۔ یہ ایک شاعرانہ پہلو ہے کہ ایک اچھے بھلے لفظ کو توڑ مروڑ کر ہندی لفظ میں چھپا کر دیا۔ مگر یہ چپیدگی ایسی ہی بدنما ہو گی کہ جیسے تن زیب کے کپڑے میں گزی کا پیوند سلطان عبد العزیز نے جو کتاب کہ سیرۃ النعمان خود تالیف کی ہے اور جسکا ترجمہ مختلف زبانوں میں کیا گیا ہے اس میں زوطی کی بابت یہ تحریر کیا ہے" مجھے مختلف تحقیقات سے یہ بخوبی ثابت ہو گیا کہ امام صاحب کے بزرگوں کا سلطنت فارس میں بہت بڑا حصہ تھا۔ ان کے خاندان کے بزرگوں نے کبھکا اوسیوں کو سرِ دربار تاج پہنایا ہے۔ زوطی جو امام صاحب کے دادا تھے کچھ دنوں تک دربار فارس کیطرف سے وزیر خزانہ مقرر ہو کر کنارہ کش ہو گئے تھے اور پھر انھوں نے سلطانیہ میں جو انکے بزرگوں کا قدیم شہر تھا آباد ہونا انسب جانا اور وہیں مسلمان ہو گئے یہ بہت آسان بات ہے کہ ہم چند انگریزی الفاظ کو گھسیٹ گھسا کر عربی بنا لیں اور عربی کو سنسکرت۔ عموماً ہندوؤں کا یہ خیال ہے کہ قرآن دراصل وید کی ایک جلد کی جسکا پتہ نہیں ملتا شرح ہے جسکو الٹ پلٹ کر لیا ہے اسی لئے اسکا نام پرآن کے نام پر قرآن پڑ گیا" یہ جتنی ایسی باتیں ہیں وہ کبھی وقعت کی نظر سے نہیں دیکھی جا سکتیں اور یہ تراش خراش اور یہ داستان کی بڑ سے زیادہ قیمت نہیں رکھتیں۔

پھر عبد العزیز سلطان سابق ٹرکی نے زوطی کی نسبت تحریر کیا ہے" جو مغالطہ کہ زوطی کی غلامی کی نسبت ہے اصل میں یہ امر ہے۔ کہ افغانستان سے امام صاحب کے دادا نے جو اسلام قبول کرنے کے بعد نعمان کے نام سے مشہور ہوئے تھے ایک غلام خریدا تھا جسکا نام تو کچھ اور تھا مگر آقا کی نسبت سے زوطی کہلانے لگا تھا۔ اور وہ اپنے آقا نعمان کے ہمراہ مدینہ منورہ آیا اور مرتے دم تک انکے ساتھ رہا"

یہ اصلی وجہ ہے جس پر یہ حکایتیں گھڑی گئیں اور زوطی کو جوتی بنایا گیا۔ اگر ہم یہ بھی بالفرض محال تسلیم کر لیں کہ امام صاحب کے دادا غلام تھے اور کابل میں فروخت ہو کر لائے گئے تھے

پھر میں حیران ہوں کہ اس میں کیا قباحت آتی ہے۔ غلامی جو درحقیقت ایک اتفاقی امر ہے اصلی شرافت میں کچھ فرق اس سے نہیں آسکتا۔ رچرڈ شیر دل فروخت ہونے پر بھی غلام نہیں کہلایا وہ ہی رچرڈ رہا۔ اگر بارہ اماموں کے نسب کو چھانا جائیگا تو ان میں کسی کنیز زادے ملیں گے۔ حضرت امام حسین کی بیوی لونڈی تھیں (چاہے ہم لونڈی نہ کہیں) جنگ میں جو لوگ گرفتار ہوکر آتے ہیں خواہ وہ شاہی خاندان سے ہوں یا سپاہی زادے ہوں سب لونڈی غلام ہی کہلاتے ہیں۔ ابھی ہم گورنمنٹ انگلشیہ کے عہد میں بامن اپنی زندگی بسر کر رہے ہیں اگر کوئی ظالم حاکم ایسا ہند پر حملہ آور ہو کہ جو غلبہ پاکر ہمیں گرفتار کرکے لیجائے اور وہاں جاکر فروخت کرڈالے تو کیا یہ گمان ہو سکتا ہے کہ ہماری شرافت اور نجابت میں کچھ فرق آجائیگا۔ ان خیالات کو تو بالکل مٹادو جنکے گرد جہالت کی تاریک تر گھٹا منڈلا رہی ہے بلکہ اس روشن زمانہ میں غلامی کی اصلی فطرت پر خیال کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ یہ اتفاقی حادثات ہیں کہ جنسے ہر فرد بشر کو پناہ مانگنی چاہیے زوطی امام صاحب کے دادا حضرت علی علیہ السلام کے دیدار سے مشرف ہوئے اور اس سچے جوش نے جو انہیں حضرت علی کی خدمت میں کشاں کشاں لایا تھا بالکل اسلام کا دل سے شیدا بنا دیا۔

حضرت علی زوطی کی بڑی خاطر داری کرتے تھے اور اپنے پاس جگہ دیتے تھے۔ عموماً یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ اکثر ملکی معاملات میں حضرت علی زوطی سے مشورہ لیا کرتے تھے۔

غلامی چاہے اور مذاہب میں بدنما ہو لیکن اسلام میں کچھ عیب نہیں خیال کیگئی ہے۔ ہمارے نبی صلعم کی کئی بیویاں مول خریدی تھیں۔ کیا کوئی شخص مسلمان ہوکر انکی نسبت غلامی کے لحاظ سے کوئی کلمہ کہہ سکتا ہے۔ ہرگز نہیں۔ غلامی درحقیقت کوئی آسمانی یا وہبی عیب نہیں ہے جو کسی پر عاید ہو کر مٹ نہیں سکتا۔ سینکڑوں امام ایسے موجود ہیں کہ وہ خود یا انکے باپ دادا غلام تھے بلال بھی ایک غلام تھا لیکن اسلام میں انکا درجہ یہاں تک پہنچا کہ حضرت بلال کہلاتے ہیں اور انکا ادب سے نام لینا ہر مسلمان پر فرض ہے۔ حضرت انس بن

بھی لفظ غلامی عائد ہوتا ہے لیکن ہزاروں حدیثیں ان کی صداقت کی محتاج ہیں۔ اور وہ درحقیقت ایک بڑے جلیل القدر صحابی مشہور ہیں اور اسلام انھیں جس وقعت کی نظر سے دیکھتا ہے سب جانتے ہیں۔ کیا اب بھی غلام ہونا کچھ عیب ہے اور اسپر کوئی حرف زبان سے نکال سکتا ہے۔ بعض مورخوں نے زوطی کو عرب لکھا ہے اور یہ بات بھی قرین قیاس معلوم ہوتی ہے جسکا ذکر سلطان عبدالعزیز نے بھی اپنی کتاب میں کیا ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں "ایک گروہ تو حضرت ابو حنیفہ کو عجمی بتاتا ہے مگر دوسرا گروہ عربی کہتا ہے۔ جو انھیں عربی کہتا ہے وہ سلسلۂ نسب یوں بتاتا ہے۔ نعمان بن ثابت بن زوطی بن یحییٰ بن زید بن اسد بن راشد الانصاری بن معصوم بن جعفر بن ہاشم۔ ہمیں اس سلسلہ نسب کی تردید کرنے کے لئے ایسے بیّن واقعات نہیں ملتے کہ جنسے ہم اسکو غلط سمجھیں اسلئے اگر ہم امام صاحب کا یہ سلسلہ نسب قبول کر لیں گے تو کوئی قباحت واقع نہو گی"

امام صاحب کے مخالف اس امر کی کوشش کرتے ہیں کہ انھیں عجمی النسل ثابت کریں اور عربی ہونے نہ دیں۔ اگر یہ بھی تسلیم کر لیا جائے کہ وہ عربی ہرگز نہ تھے تو کیا کوئی بتا سکتا ہے کہ عربی ہونا کچھ فخر میں داخل ہے۔ نبی اکرم کے زمانہ میں بھی اور موجودہ عہد میں صدہا منافق اور بیدین مکہ مدینہ ہی میں آباد تھے کیا اپنی بداعمالی اور بیدینی پر وہ عربی ہونیکا فخر کر سکتے تھے۔ نہ عربی ہونا کچھ فخر میں داخل ہے نہ مکی ہونا نہ مدنی ہونا کچھ شوکت پیدا کرتا ہے بلکہ نیک اعمال ہونا یہی ہر شخص کا باعث فخر ہے اور اسیکو ٹھیٹ اسلام کہتے ہیں۔

بہر حال ہمیں زوطی کی نسبت اپنی ایک رائے قائم کرنی چاہئے کہ جو بڑی تحقیق پر مبنی ہو اور پھر اس سے اصلی واقعہ کو جنبش نہو۔ ہماری رائے میں جہاں تک ہم نے غور کیا زوطی کیکاوسی نسل سے ہیں اور یہ بالکل غلط ہے کہ وہ غلام بنا کر کابل میں بیچے گئے۔ اسکی بابت عبدالعزیز سلطان ترکی نے جو کچھ لکھا ہے اسکو ہم واقعات کے لحاظ سے نہایت صحیح سمجھتے ہیں۔

زوطی کے کوفہ میں آنے اور وہاں بسنے کے بہت سے وجوہات ہیں۔ بظاہر یہ وجہ بہت بڑی معلوم ہوتی ہے کہ کوفہ اس زمانہ میں دارالخلافہ تھا اور یہاں بڑے بڑے فقہا اور علما کا مجمع رہتا تھا۔ غالباً زوطی نے اسلئے یہاں رہنا پسند کیا ہوگا۔ جو رابطہ اور موانست زوطی کو حضرت علی کرم اللہ وجہ سے تھی، وہ ایسی نہیں ہے کہ اسپر کچھ خیال نہ کیا جائے بلکہ وہ ممتاز نظروں سے دیکھنے کے قابل ہے۔ اکثر زوطی نے حضرت علی کے ساتھ بیٹھکر کھانا کھایا ہے اور اپنے گھر پر کئی بار حضرت علی کی دعوت کی ہے۔ حضرت علی کو فارس کے کھانو کا بہت شوق تھا زوطی پکوا پکوا کر بھجوا ئے تھے۔ زوطی کو خلافت میں حصہ بٹانے کی ضرورت نہ تھی نہ وہ یہ چاہتا تھا کہ مجھے کہیں کی گورنری ملجائے بلکہ یہ جوش محبت اس خلوص کا صدقہ تھا کہ جو خون جگر کیطرح اسکی رگوں میں دوڑ رہا تھا۔ اسکا دل جو پہلے ظلمت کفر سے تاریک تھا نور ایمان نے اسکو روشن بنا دیا تھا۔ جسکے پر جوش اور عجیب ولولے سے زوطی کوفہ میں آیا اور وہیں ڈنڈا ڈیرہ ڈالدیا وہ بھی نئے مسلموں کی فہرست میں ہمیشہ کے لیے یادگار رہیگا اسی اثنا میں زوطی کے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوا۔ جسکا نام ثابت رکھا جب وہ دو تین مہینے کا ہوا تو زوطی حضرت علی کیخدمت میں اسے لایا اور آگے پیش کیا۔ حضرت علی نے ثابت کو گود میں لیلیا اور اسکے سر پر شفقت سے ہاتھ پھیرا اور یہ دعا دی "خدا کرے اے بچہ تو سعادت دارین حاصل کرے اور تو اور تیری نسل سے آئندہ لوگ اسلام کے پر جوش مددگاروں میں سے بنیں" یہ دعا دیکر حضرت علی ثابت کے سر پر بڑی دیر تک ہاتھ پھیرتے رہے اور پھر زوطی کو دیدیا۔ یہ دعا فوراً قبول ہوئی اور آخرکار سنہ ہجری میں ثابت کے ہاں امام ابوحنیفہ صاحب پیدا ہوئے۔

اگر ہم زوطی کو عربی نہ بھی قبول کریں پھر بھی یہ شرف حضرت علی کی صحبت سے انہیں حاصل ہوا اس فخر سے زیادہ ہے کہ جو انہیں عربی ہونے پر حاصل ہوتا اور وہ دیدار فیض آثار حضرت علی سے مشرف نہوتے یہ ہم ہرگز نہ مانینگے کہ اس فخر سے زیادہ کہ زوطی

اپنا اکثر وقت حضرت علی کی خدمت میں گزارتے تھے۔ عربی ہونے کا فخر ہوتا۔ عقلائے شہری اور ملکی نسبتوں کے شرف کو بالائے طاق رکھدیا ہے اور اب اعمال اور افعال پر ساری اشرفیت اور فضیلت کا دارومدار ہے۔ واقعی یہ بہت صحیح ہے۔

	سخن کز بہر دین گوئی چہ عبرانی چہ سریانی مکاں کز بہر حق جوئی چہ جابلسا چہ جابلقا	

ثابت کے حالات سے لوگوں نے اپنی تاریخوں کے اکثر صفحے سیاہ کئے ہیں اور خوب شرح وبسط سے لکھا ہے۔ ہم ثابت کے حالات کو زیادہ طول دیکر بیان کرنا نہیں چاہتے صرف مختصر طور پر لکھدیتے ہیں جس سے یہ ثابت ہو جائیگا کہ امام اعظم کے والد کی کوفہ میں کیا اور کیسی معاشرت تھی اور وہ کیا کیا کرتے تھے۔

یہ تحقیق کرنا کسیقدر مشکل امر ہے کہ آیا زوطی ہی نے کوفہ میں آباد ہو کر تجارت شروع کردی تھی یا ثابت نے جوان ہو کر پیشہ تجارت اختیار کیا تھا۔ ہاں یہ بخوبی ثابت ہے کہ ثابت کوفہ میں تجارت کرتے تھے۔

ثابت کے پیدا ہونے پر زوطی نے آرزو کی کہ اگر یہ زندہ رہا تو میں اسے کوفہ کے مدرسہ میں تعلیم دلواؤں۔ سات برس کی عمر میں جیسا کہ سلطان عبدالعزیز کی کتاب سے ثابت ہوتا ہے زوطی نے عبداللہ نامی علامہ کے پاس بٹھایا یہ شخص ابھی نیا اسلام لایا تھا۔ مگر پہلے ہی سے اسے احادیث رسول اللہ بہت سی یاد تھیں اور قرآن شریف بھی معہ تفسیر جانتا تھا۔ عبداللہ نے چند روز میں ثابت کو قرآن شریف حفظ کرا دیا اور اسکے چند روز ہی بعد انتقال کر گیا۔

اسی نوعمری کے زمانے میں زوطی نے کچھ اسباب تجارت دیکر ثابت کو شام بھی بھیج دیا تھا تین برس کی تجارت میں ثابت نے ہزاروں روپیہ پیدا کر لیا اور پھر وہ کوفہ میں واپس آیا یہاں زوطی کا انتقال ہو گیا تھا۔ ثابت نے ایسی خوبی اور عمدگی سے تجارت کو رفتہ رفتہ رونق دی کہ

لاکھوں روپیہ کا آدمی بنگیا۔ ثابت کی دوکان پر اکثر بڑے بڑے فقہا اور علما کا مجمع رہتا تھا اور کہ اولوالعزمی اور سرگرمی سے علما کو لبیں بھر بھر کر روپیہ دیا کرتا تھا کوفہ میں وہ زمانہ بھی قابل یاد ہے ثابت نے ۵۰ برس کی عمر میں ایک قریشی عرب کی لڑکی سے جو کوفہ ہی میں رہتا تھا نکاح کیا اور پورے چار یا پانچ برس کی عمر میں فرزند پیدا ہوا جسکا نام نعمان رکھا گیا اور ایک دور کے گزرنے کے بعد یہی بچہ امام اعظم کے نام سے پکارا گیا اور اسکی تقلید کرنی شاہوں نے اپنا سبب شرف خیال کیا۔

امام صاحب کا بچپن

ثابت کو قدرتی طور پر زیادہ مناسبت تھی اور اس کا اکثر وقت حدیث و قرآن میں صرف ہوتا تھا۔ نہایت خوش اسلوبی سے امام صاحب کی پرورش ہوئی۔ ساتھ ہی اسکے جوں جوں امام صاحب بڑے ہوتے گئے انھیں تجارت کیطرف خودبخود رجوع ہونا پڑا کیونکہ ثابت کی تجارت ہی پر ایک بڑے کنبہ کی معاش کا دارمدار تھا۔ ابوحنیفہ جو اسوقت نعمان کے نام سے مشہور تھے ایک ذہین اور خوش فہم لڑکا تھا چھوٹی سی عمر ہی میں کل اصول تجارت اعلیٰ درجہ پر سیکھ لئے تھے اور دس گیارہ ہی برس کی عمر میں اپنے باپ ثابت کو تجارت کے لین دین اور اس کے پیچیدہ کاروبار کے بوجھ سے سبکدوش کر دیا تھا۔

ابوعبیداللہ نے جیسا لکھا ہے ابوحنیفہ کا بچپن بہت ہی پیارا تھا۔ جن لوگوں کو کہ حسن ظاہر کا حصہ نہیں ملا شاید وہ حسن کو انسان کے لئے ایک قیمتی چیز نہیں سمجھتے لیکن جو لوگ اسے خدا کی نعمت اور عظیم الشان بخشش خیال کرتے ہیں وہ جانتے ہیں کہ جمیل آدمی ایک ایسا انسان ہے کہ جس میں خدا کے نور کا جلوہ پایا جاتا ہے۔ اس چھوٹی سی عمر میں ان گاہکوں کو جو باپ نے برسوں کی کوشش کے بعد اپنا دوست بنایا تھا اس نونہال بچہ نے اتنی سی عمر میں اپنی خوش تدبیری حسن خلق اور ایمانداری سے اپنا بنا لیا۔ سوائے قرآن شریف پڑھنے کے

ابو حنیفہ صاحب نے کسی قسم کی تعلیم حاصل نہ کی تھی۔ وجہ یہ تھی کہ عظیم الشان تجارت کا کاروبار انھیں پڑھنے لکھنے کی اجازت نہ دیتا تھا۔ جن لوگوں کو کہ امام صاحب سے قدرتی عداوت ہے وہ آپ پر یہ الزام قایم کرتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ کو چونکہ تعلیم وتعلم کا بچپن سے شوق نہ تھا انھیں کسی صحابی کے پاس جانے اور حدیث نبوی سننے کا اتفاق نہوا تھا اسلئے انھوں نے کسی صحابی سے کوئی حدیث روایت نہیں کی ہے۔ اور لوگ یہ بھی اعتراض کرتے ہیں کہ چونکہ ان کی زندگی ایک معمولی تاجرانہ حالت میں بسر ہوتی تھی اسلئے تعلیم حاصل کرنیکا شوق نہ تھا۔ اگر ہم یہ بھی تسلیم کرلیں پھر بھی امام صاحب کی شان میں کچھ فرق اگر نہیں واقع ہوتا لیکن جو اسباب کہ حدیث روایت نہ کرنے کے ہیں وہ اور ہیں۔ جنمیں سے چند سبب بیان کئے جاتے ہیں۔ یہ خیال کرنا کہ امام صاحب صحابہ کی صحبت سے محروم رہے غلط ہے ثابت کی دکان اور مکان پر بڑے اعیان اور کوفہ کے اشراف آدمیوں کا مجمع لگا رہتا تھا جیسا کہ ہم ابھی بیان کرچکے ہیں اور ہر ایک صحابی نبی اکرم کی حدیث روایت کرنے میں بڑی احتیاط کرتا تھا اگر اسکو یاد بھی ہوتی جب بھی وہ اس خیال سے مبادا کوئی لفظ کم بڑھتی منہ سے نکل جائے زبان پر نہ لاتے تھے اور یہ احتیاط اور ادب نبی عربی کا تھا اس احتیاط میں ابو حنیفہ صاحب کی پرورش ہوتی تھی تو انکو کبھی یہ شایاں نہوتا اگر وہ حدیثوں کو جنکو صحابہ نے خود ڈر ڈر کر بیان کیا تھا دلیری سے روایت کرتے۔ غالباً یہ ان کی عمر کا نہایت ابتدائی زمانہ تھا یعنے مشکل سے گیارہ بارہ برس کی عمر ہوگی۔ جو مقدس اور خوش قسمت لوگ برسوں سے نبی اکرم کیخدمت میں رہچکے تھے وہ تو یکایک کسی مسئلہ کے سوال پر حدیث کی روایت کردینی خلاف ادب خیال کرتے پھر یہ دس گیارہ برس کا بچہ کیونکر اتنی غیر خوش آیندہ دلیری کرسکتا تھا کہ انکے ایک ایک لفظ کو بعینہ یاد رکھتا اور بڑی عمر میں ان ہی احادیث پر بھروسہ کرکے جو نہایت صغر سنی میں سنی تھی روایت کرتا۔

اگر ذرا بھی ایک غور بین نظر امام صاحب کی اس احتیاط اور ادب پر ڈالی جائیگی تو اسے

معلوم ہوگا کہ امام صاحب کیسے محتاط تھے اور انکا ایسا محتاط ہونا صرف اس مبارک صحبت کا طفیل تھا جو انھیں صحابہ کی حاصل ہوئی تھی۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ اتنی سی عمر میں یہ کیونکر ممکن ہوسکتا تھا کہ وہ تمام مختلف احادیث کو یاد کرتے اور ایسا یاد کرتے کہ آخر عمر تک انسے کام لے سکتے۔ تیسرا سبب بہت بڑا یہ ہے کہ امام صاحب نے اپنی شان سے یہ امر بعید دیکھا کہ بچپن کی سنی سنائی حدیثیں اس بھروسہ کے قابل سمجھتے کہ انسے استنباط کرتے اور اپنے اجتہاد سے اس میں فتوی دیتے۔ چوتھے بڑی یہ بات تھی کہ اس زمانہ میں جب کہ انکی عمر کا آغاز تھا اتنی بیباکی نہ تھی کہ احادیث مختلفہ سنتے اور ہر حدیث کو میزان عقل میں تولکر ایک کی تصدیق اور ایک کی تردید کرتے اور جو حدیث درست اپنے خیال میں آتی اسکو یاد کرلیتے۔ یہ کہنا کہ امام ابو حنیفہ نے کسی صحابی سے کوئی حدیث نہیں سنی غلط ہے اسلئے جب انکی عمر آٹھ برس کی تھی کئی صحابہ کوفہ میں حیات تھے اور انکو سوائے درس تدریس کے اور کچھ کام ہی نہ تھا۔ وہاں کوئی خصوصیت نہ تھی کہ درس گاہ میں وہی شخص جانے پاتا تھا کہ جسکی عمر بیس برس سے کم ہوتی تہی اور نوجوان بچے نہ جانے پاتے تھے یہ بات خیال کرلینی نہایت رکیک ہے۔ اگر ہم یہ تسلیم کریں کہ امام صاحب کو اسلئے حدیث کی درسگاہ میں شامل نہ کیا تہا کہ انکی عمر بہت کم تھی تو کیا یہ بھی کوئی قانون جاری کردیا گیا تھا کہ صحابہ کے وعظ کیوقت سب بیس برس تک کے نوجوان آویں۔ اگر ابو حنیفہ صاحب کو حدیث کی درس گاہ میں کم عمری کیوجہ سے شریک نہ کیا تھا تو کیا اپنے باپ ثابت کے ساتھ مختلف وعظوں مین بھی جانے سے روک دیا تھا۔ تیز ذہین بچہ کو اپنی چار برس کی بات بخوبی یاد رہتی ہے کیا امام صاحب کو کسی صحابی کی زبانی سنی ہوئی حدیث یاد نہ تھی نہیں ضرور انھوں نے سنی تھی اور انہیں یاد تھا۔ لیکن اس مقدس نفس کو صرف ادب نبی عربی مانع تھا کیونکہ بچپن کی سنی ہوئی بات اتنی پختہ نہ سمجھی گئی تھی کہ وہ دلیرانہ مجتہدی لباس پہنکر حدیث رسول اللہ کے نام سے بیان کیجاتی۔

آپ کی پُر نور عقیدت مندانہ بصارت سے بھری ہوئی آنکھیں انکے تاباں جمال سے ایک مدت تک روشن ہوتی رہیں کہ جو جمال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زمانہ مدید تک فیضیاب ہوچکے تھے۔ اس لحاظ سے آپ بیشک تابعی تھے اور اسمیں ذرا بھی چون وچرا کرنے کی جگہ نہیں ہے۔

تاریخ موجود ہے واقعات حاضر ہیں جن سے امام صاحب کا درجہ تابعیت بہت وضاحت سے قائم ہوتا ہے اور جسے تاریخ آتی ہے وہ اس سے کبھی انکار نہیں کر سکتا۔ ایک شیعہ صاحب امام صاحب کے صحابہ کا دیدار حاصل کرنیکے شرف پر یہ قلم فرسائی کرتے ہیں "ہم نہیں جانتے کہ مجرد دیکھنے سے کوئی درجہ افتخار کا حاصل ہو سکے جب تک کہ وہ بنیاد ہی ایسی نہو جسکے سبب سے ایسے فخر حاصل ہوتے ہیں امام صاحب نے باوصف اسکے کہ چند صحابی انکے ہمعصر موجود تھے اور انس کے جمال مبارک کا دیکھنا بھی ثابت کیا گیا لیکن کسی صحابی سے یا انس سے کسی حدیث کا نقل نہ کرنا بھی قبول کیا جاتا ہے اور اسکے وجوہ بھی رنگ برنگ کے تیار کئے گئے ہیں مگر صاف وجہ یہ تھی کہ کسی زندہ صحابی یا انس کی وقعت امام صاحب کی نگاہ میں ایسی نہ تھی کہ انسے کسی حدیث پر اعتبار کرتے اور انس بن مالک تو ایک مشہور شخص تھے جنکے حالات کتب شیعہ اور سنی دونوں کے ہاں افسوس کے قابل تحریر ہیں" حضرت شیعہ ہنوز اپنے تبرے کہنے کی صفت سے موجودہ زمانہ میں بھی کہ تحقیق اور تفتیش کا سمندر اُبل پڑا ہے موصوف چلے جاتے ہیں۔ یہ کس نے لکھا ہے اور کون کہتا ہے کہ امام صاحب کی نگاہوں میں زندہ صحابہ کی وقعت نہ تھی۔ ہم زیادہ اسکی بابت کیا لکھیں ابھی یہ جو کچھ ہمنے لکھا ہے وہ ہی اس اعتراض کے جواب میں کافی ہے زیادہ بحث کرکے ہم اپنی کتاب کے صفحے نہ سیاہ کرینگے۔ اس نسبت کو کہ جو مسلمانوں کو نبی عربی سے ہے۔ اس دلی تعلق کو کہ جو وہ اپنے پیارے پیغمبر سے رکھتے ہیں انکے خیال میں بہت بڑی اشرفیت ہے کہ اس شخص کے پُر نور دیدار سے مستفیض ہوں کہ جس کی آنکھوں کی پتلیوں میں

برسوں تک نبی عربی کی مبارک صورت پھر چکی ہو۔ یہ فخر ابو حنیفہ صاحب کو بہت بڑا ہے کہ انھوں نے کئی سال تک ان صحابہ کی زیارت کا شرف حاصل کیا کہ جو ایک جماعت میں نبی عربی کے پہلو بہ پہلو نماز پڑھتے تھے جنکے کانوں میں آنحضرت صلعم کے مبارک وعظ کی خوش آوازیں گونج چکی تھیں۔ جنکے مبارک ہاتھوں نے ایک برتن میں نبی کے ساتھ کھایا ہوا تھا۔ یہ ہر مومن کے لئے بڑے فخر کا مقام ہے جو اس نسبت کو جانتا ہے جو نیچرل طور پر مسلمانوں کو اسلام اور بانئے اسلامؐ سے ہے وہ ہماری بات کا اندازہ بخوبی کر سکیگا

گرچہ خوردیم نسبتیست بزرگ	ذرہ آفتاب تابانیم

جو لوگ کہ امام صاحب کی تابعیت سے انکار کرتے ہیں انھیں تاریخ سے شاید بہرہ نہیں ہے امام صاحب سنہ ۸۰ھ میں پیدا ہوئے سنہ ۱۱۰ہجری تک صحابہ کوفہ میں موجود تھے گو وہ حد سے زیادہ ضعیف ہو گئے ہوں پھر بھی انکی مبارک زندگی کیوجہ سے امام صاحب کا درجہ تابعیت بخوبی قایم ہوتا ہے جیسا حافظ ابن حجر عسقلانی سے جو فن حدیث کا بہت بڑا ماہر تھا امام صاحب کی تابعیت کے باب میں جب فتویٰ لیا گیا تو انھوں نے جواب دیا۔ کہ ابو حنیفہ کے زمانہ میں جب وہ سنہ ۸۰ہجری میں کوفہ میں پیدا ہوئے ہیں کئی صحابہ حیات تھے ان میں سے عبداللہ بن ابی موجود تھے جنکا سنہ ۸۲ہجری میں انتقال ہوا" لیکن اگر ہم مورخوں کی کتابیں ٹٹولیں گے تو ہمیں یہ بات بخوبی ثابت ہو جائیگی کہ سنہ ۱۱۰ہجری تک زندہ رہے۔ ابن سعد کی روایت کے بموجب ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ نے حضرت انس کو دیکھا تھا۔ اسکے علاوہ جو کچھ سلطان عبدالعزیز نے امام صاحب کی تابعیت کی نسبت لکھا ہے وہ بھی ہم درج ذیل کرتے ہیں" اندلس میں زمانہ سلطنت حکم میں یہ بحث پیدا ہوئی کہ آیا امام صاحب تابعی تھے یا نہیں۔

اسکی بابت اندلس میں بہت بڑا مجمع ہوا اس جلسہ کا میر مجلس حکم کا نوجوان بیٹا عبدالرحمن تھا کہ جو علمی جلسوں سے بہت دلچسپی لیا کرتا تھا۔ پہلا لیکچر اس جلسہ میں جو سنہ۲۰ ۶ بماہ جنوری منعقد ہوا تھا علامہ عباس نے دیا تھا۔ اس لیکچر میں فاضل لیکچرار نے نہایت فصیح تقریر سے یہ بات

ثابت کر دی تھی کہ امام ابو حنیفہ صاحب کو درجہ تابعیت حاصل تھا۔ اسکے بعد چند لیکچراروں نے ان صحابہ کا نام لیا جو خاص کوفہ میں موجود تھے اور انکو امام صاحب نے دیکھا تھا۔ اس جلسہ میں آخر کار یہ بات طے پا گئی اور پھر اندلس سے اس امر میں اختلاف جاتا رہا قاضی ارقب نے بہت سی سندوں سے ابو حنیفہ کی تابعیت کو ثابت کیا ہے جس سے صاف ظاہر ہے کہ ان لوگوں کا قول جو امام صاحب کو تابعی نہیں مانتے کیسا بے سروپا اور بے بنیاد ہے۔

آگے جا کر سلطان نے یہ بھی ثابت کیا ہے کہ اکثر حدیثیں ایسی موجود ہیں کہ جو امام صاحب نے صحابہ سے روایت کی ہیں" مگر مجھے اس میں کلام ہے اسلئے کہ جو کچھ احادیث روایت مکرنے کی بابت میں اوپر لکھ آیا ہوں وہی اسباب آپ کو مانع ہے۔ اگر ہم سلطان کی تحقیق پر بھروسہ بھی کریں تب بھی یہ بات ایسی نہیں ہے کہ جو ایک حیرت انگیز ہو اور اسکا ذکر کسی نے بھی نہ کیا ہو۔ حافظ ابو المحاسن نے عقود الجمان میں ان تمام حدیثوں کو مع سند نقل کیا ہے جنکی نسبت یہ خیال ہے کہ امام صاحب سے روایت کیگئی ہیں۔ پھر بھی ہمیں کوئی وجہ یقین نہیں ہے کہ ان تمام سببوں کو اڑا دیں جو اوپر بیان ہو چکے ہیں۔ حدیثوں کے روایت کرنے سے جہاں تک ہمارا خیال ہے۔ کوئی کمی امام صاحب کے اجتہاد میں واقع نہیں ہوتی۔

قاضی عباس کا لیکچر سلطان نے اپنی کتاب سیرۃ النعمان میں پورا نقل کیا ہے لیکن ہم اسکو طویل جانکر اپنی کتاب کے صفحے بھرنے نہیں چاہتے صرف اس تمام طول طویل لیکچر کا خلاصہ ان چند سطروں میں کر دیتے ہیں جس سے بخوبی ثابت ہو جائیگا کہ اس زمانہ میں جب کہ اندلس سے علم کا سمندر اُبل رہا تھا امام صاحب کی تابعیت کی نسبت علمائے اندلس کی کیا رائے تھی۔ اس لیکچر کا خلاصہ یہ ہے۔

اُس والاشان جلسہ میں جسکا میر مجلس ہمارا آیندہ شہنشاہ ہے ہمیں سلطان وقت کیطرف سے اس امر کی اجازت ہوئی کہ ہم سب ملکر امام ابو حنیفہ کی تابعیت کی نسبت ایک خاص فیصلہ کریں اور اسکو شایع کر دیں تاکہ چند ماہ سے یہ اختلاف جو طلبہ کے گروہ میں پیدا ہو گیا ہے جاتا رہے

ہمیں اس خاص امر کے دریافت کرنے کے لیے اِن علما کے اقوال دیکھنے ہوں گے کہ جنھوں نے امام صاحب کی تابعیت پر بہت زور دیا ہے اور پھر ان کی روایتوں کے جانچ کرنیکا بھی ہمیں یہ اچھا موقع ہے۔ جو علما اس بات کے قایل ہیں کہ امام صاحب کو درجہ تابعیت حاصل تھا انکے نام یہ ہیں۔ منصور بن حمید۔ سعد اللہ کوفی۔ اطل بن حسیب۔ عبداللہ بن محمد۔ ہاشم۔ عکرم بن حمزہ۔ علی بن عباس۔ اور اسیطرح سے کئی علما ہیں جنھوں نے اسکا فیصلہ کردیا ہے کہ امام ابوحنیفہ صحابہ کے دیدار سے مشرف ہوئے تھے۔ اِن علمائے اقوال سے اختلاف بھی کیا گیا ہے لیکن یہ اختلاف کسی زبردست اصول پر مبنی نہیں ہے اسلئے ہمیں مجبوراً یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ امام صاحب کو درجہ تابعیت حاصل تھا۔"

اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ہمارے پاس کوئی وجہ اس یقین میں شک ڈالنے کی نہیں ہے۔ جو امام صاحب کی تابعیت کی نسبت رکھتے ہیں۔ اِن فضلا کے علاوہ اور بھی ایسے علما موجود ہیں کہ جنھوں نے دھوم دھام سے یہ امر طے کردیا ہے کہ امام صاحب کو درجہ تابعیت حاصل تھا مثلاً خطیب بغدادی۔ حافظ ابن حجر عسقلانی علامہ سمعانی۔ علامہ ذہبی۔ علامہ نودی۔ ابوالمحاسن دمشقی۔ زین الدین عراقی سخاوی۔ یہ وہ علما ہیں کہ جنپر موجودہ زمانہ میں حدیث کا دارومدار ہے اور اِن سب کا قطعاً فیصلہ امام صاحب کی تابعیت کے نسبت موجود ہے۔ خطیب بغدادی کے اس قول کی تائید کرنے میں مجھے بہت کچھ پس وپیش ہے کہ " امام ابوحنیفہ کو کسی صحابی سے ملاقات کرنے اور حدیث روایت کرنے کا اتفاق نہیں ہوا۔ تعجب ہے کہ جب انس بن مالک نے ۹۴ھ ہجری کے آغاز میں وفات پائی تو اسوقت امام صاحب کی عمر پوری چودہ برس کی تھی۔ چودہ برس کا ذہین اور عاقل بچہ اپنے بزرگ سے شایستہ تقریر کرسکتا ہے۔ اور اسکو نشست وبرخاست کے طریقے ایک جاہل تجربہ کار بوڑھے سے اعلےٰ درجہ پر آسکتے ہیں۔ پھر خطیب بغدادی کا یہ قول کبھی سند کے قابل نہیں

ہو سکتا۔ کہ امام صاحب نے کسی صحابی سے ملاقات نہیں کی اور غالباً امام صاحب کے مخالفوں میں خطیب بغدادی کے اس قول نے زیادہ جان ڈالدی ہے۔ جہاں تک اس قول کی فطرت پر غور کیجاتی ہے یہ صاف ثابت ہوتا ہے کہ خطیب بغدادی کے محض خیال کا نتیجہ ہے کہ وہ ان بے بنیاد باتوں پر اپنا ایمان رکھتا ہے۔

ہمارے پاس جبکہ وجوہ ثبوت موجود ہیں کہ امام صاحب اگر برسوں نہیں تو مہینوں مختلف صحابہ کیخدمت میں حاضر رہچکے ہیں اور عنقریب بھی گوش گزار کر چکے ہیں۔ پھر ہم انکے قول کی کیونکر سند کر سکتے ہیں سہل بن سعد نے سنہ ۹۱ ہجری میں وفات پائی اسوقت بھی امام صاحب کی عمر گیارہ برس کی تھی۔ کیا گیارہ برس کا بچہ کہیں آنے جانے اور کسی سے بات کرنے کے قابل نہیں ہوتا۔ اسکے علاوہ ایک بڑی دلیل اسکی کہ امام صاحب نے صحابہ سے ملاقات کی یہ ہے کہ آپ کے والد ثابت کی تجارت نہ صرف کوفہ میں بلکہ دور و دراز ممالک اسلامیہ میں پھیلی ہوئی تھی اور یہ ایک تجارت ہی کا سلسلہ ایسا ہے کہ جس سے غیر قوموں میں جو باہم سخت مغائرت رکھتی ہیں اتحاد قایم ہو جاتا ہے اسلئے ہمیں مجبوراً یہ تسلیم ہی کرنا پڑیگا کہ امام صاحب کی ضرور صحابہ سے ملاقات ہوئی ابن خلکان بھی خطیب بغدادی کی تائید کرتا ہے گو اسکی تائید دبی زبان سے ہے پھر بھی وہ اسبات کا قائل معلوم ہوتا ہے کہ ابو حنیفہ صاحب نے کسی صحابی سے ملاقات نہیں کی۔ جیسے ثبوت ہم نے دئے ہیں انکے مقابلہ میں صرف ان دو آدمیوں کی تحقیق کچھ اصل نہیں رکھتی۔ ہر مبصر ہماری اس تحقیق کو جو ہمنے امام صاحب کی تابعیت کے بارہ میں لکھی ہے اگر انصاف سے دیکھیگا تو اسے معلوم ہوگا کہ وہ تقریریں اور تحریریں جو امام صاحب کی تابعیت کے خلاف ہیں ان ثبوتوں کے آگے جو ہمنے دئے ہیں کسقدر بے سر و پا اور غیر نتیجہ ہیں۔ جنہیں خواہ مخواہ امام صاحب کی مخالفت میں لطف آتا ہے اور انکا مذہب یہی ہے کہ بزرگوں کو گالیاں دیا کریں انسے تو کچھ کہنا ہی نہیں۔ مگر جو لوگ کہ حق کے طالب ہیں اور جنہیں تعصب سے

گر رہے ہے - انسے یہ التجا ہے کہ وہ اس مسئلہ پر جہاں تک ممکن ہو غور کریں اور پھر دیکھیں کہ ہمارے یہ ثبوت کہاں تک صحیح ہیں اور اِن میں تحقیق کا مادہ کہاں تک ہے -

وہ کتابیں بھی اسوقت ہمارے آگے رکھی ہوئی ہے جنمیں امام صاحب کو ناشایستہ الفاظ اور نامھذب جملوں سے یاد کیا گیا ہے اور صاف صاف یہ فقرہ اس والا شان مجتہد کی نسبت استعمال کیا ہے "وہ ایک لونڈی بچہ تھا اور کوفہ میں روئی دھنکا کرتا تھا -

حنفیوں کو ایسے ایسے نامھذب جملوں سے اپنا دل دکھانا نہیں چاہیے کیونکہ آفتاب کی روشن کرنیں میلے ہاتھ لگائے سے میلی نہیں ہوتیں اور چاند پر خاک پھینکے سے خنک اور شفاف چاندنی میں کچھہ فرق نہیں آتا اسیطرح سے اس والا شان ذات پر جسکی تقلید کرنا بڑے بڑے شہنشاہوں نے اپنا فخر سمجھا ہے اور اب بھی روشن دماغ قہار سلطان آپ کے مقلدوں کے زمرہ میں ہیں صدہا علما فضلا حنفی ہونا اپنا افتخار جانتے ہیں ان دو تین نامھذب شریر بے ادب عوام الناس کے بُرا کہنے سے کچھ فرق نہیں آتا - خدا اور نبی کو جب نہیں بخشا تو امام صاحب تو پھر بھی امت محمدؐ میں سے ایک فرد ہیں -

قِيْلَ اِنَّ الرَّسُوْلَ قَدْ كَهُنَا مِنْ لِسَانِ الْوَرٰى فَكَيْفَ اَنَا	قِيْلَ اِنَّ الْاِلٰهَ ذُوْ وَلَدٍ مَا نَجَا اللّٰهُ وَالرَّسُوْلُ مَعًا

اب ہم اس معاملہ کو ختم کرتے ہیں اور اپنے اس مضمون کو متبصران دوربین کے لئے چھوڑتے ہیں پہلے اسکے کہ ہم اس باب کو ختم کریں بہتر مختصر بحث سے یہ بھی ثابت کردیں کہ امام صاحب کی یہ کنیت کوئی حقیقی کنیت نہ تھی یعنے انکی کوئی اولاد حنفیہ نامی نہ تھی جس سے وہ ابوحنیفہ بنے اور اس کنیت نے یہاں تک شہرت حاصل کی کہ لوگ آپ کے اصلی نام کو بھول گئے امام صاحب کے مخالفوں کو اسپر بھی اعتراض ہے کہ وہ ابوحنیفہ کیوں بنے - یہ بھی عجیب تماشہ کی بات ہے کہ اپنی کنیت بھی معترضوں کے صلاح ومشورہ سے رکھتے اس سے یہ تو نہیں پایا جاتا کہ اُنھوں نے خلاف شریعت کچھ کیا ہو - زہریلے مخالفوں نے امام صاحب کی شان میں

اسی بہانہ سے بہت کچھ ہرزہ گوئی کی ہے اور انکو اپنی اصل ظاہر کرنیکا اچھا موقع ملگیا ہے چنانچہ ہم ایک معترض کی تحریر نقل کرتے ہیں کہ جو اپنے کو بہت بڑا مہذب سمجھتا ہے۔

وہ لکھتا ہے "خوشی کی بات یہ ہے کہ باعتبار کنیت کے کہ حنفیہ ان کی کسی اولاد کا نام نہ تھا بلکہ باعتبار "ملتہ حنیفہ" کے امام صاحب نے یہ کنیت اختیار فرمائی اور وہ ہمسر حضرت ابرہیم خلیل اللہ کے ہو گئے ایک وہ زمانہ تھا کہ جب دادا امام صاحب کے کسی نا تحقیق شہر سے کوفہ میں تشریف لائے جو عرب سے تھے ایک وہ زمانہ ہوا کہ ابو مطیع نے ان کو نسل عرب سے شمار کیا اب سے شیخو خیت کا درجہ قایم ہوتا ہے۔ امید ہے کہ کوئی زمانہ ایسا آوے کہ جسمیں خاطرین ہر طرف سے آسودہ ہوں تو انکو از روئے تحقیقات کے داخل فرقہ بنی ہاشم اور ان میں بھی سادات کا درجہ قرار دیا جائے تاکہ امام صاحب کی پیشین گوئی تو نہیں تو دور بینی جو وقت اختیار کنیت کے پوشیدہ تھی علانیہ ظہور میں آجائے"

افسوس یہ ہے کہ معترض امام صاحب کی فضیلت کا اسلئے قائل نہیں ہے کہ انکے دادا کسی نا تحقیق شہر سے کوفہ میں آئے تھے اگر وہ تحقیق شدہ شہر سے آتے تو اس کنیت کے حاصل کرنے کے مستحق تھے۔ اگر یہی بات ہے تو بنی عربی کی نسبت ابو جہل کا یہ قول کیا زہریلا معترض صحیح مانیگا "محمد کل کی بات ہے میرے سامنے مکہ کے شاہراہوں میں پڑا پھرتا تھا میرے بھائی ابو طالب نے اسکی پرورش کی ہے آج وہ دن ہے کہ مجھ ہی سے یہ کہتا ہے کہ میرا دین قبول کرو" کیا ہم ابو جہل اور اس جیسے بہت سے کوتاہ اندیش لوگوں کی اقوال کی سند کر سکتے ہیں۔ ایک زمانہ وہ ہوتا ہے کہ بچہ ہواں ہواں کرتا ہوا پیدا ہوتا ہے اور ایک زمانہ میں وہی بچہ پیغمبر حکیم۔ ریفارمر بنجاتا ہے کیا جس شخص نے پیغمبر کو یا کسی مجتہد اور عالم کو پیدا ہونیکی حالت میں دیکھا ہے اسپر اسکی قدر کرنی زیبا نہیں ہے اور کیا وہ ہمیشہ صرف اس جرم میں کہ وہ اسکے سامنے پیدا ہوا ہے محض ناکارہ ہے ایسے ایسے متعصب لوگوں کی تحریریں ہمارے ان گہرے زخموں کو جو گورنمنٹ انگلشیہ کے زمانہ میں کسی قدر بھر گئے ہیں خوفناکی سے کریدتی

ہیں اور ہم سوائے آہ کرنے کے اور کوئی چارہ نہیں دیکھتے۔
ان جلی بھنی تحریروں سے۔ جو بے سوچے سمجھے لکھی جاتی ہیں اور جنسے سراسر نوآموزی ٹپکتی ہیں۔ عام آدمیوں کے بھڑکانے کے لئے ایک خاص وصف رکھتی ہیں۔
اگر امام صاحب نے اپنی کنیت ابو حنیفہ رکھ لی تو خلاف اسلام تو کوئی امر نہیں کیا۔ پھر جلے پھپولے کیوں پھوڑے جاتے ہیں اور کیوں اس والاشان ذات کی نسبت ناشائستہ الفاظ استعمال کرکے اپنی ذات کا افشا کیا جاتا ہے۔ ان پیچیدہ فقہی معاملات میں جو امت محمدیہ میں چلے آئے تھے اور جنکا اب تک کوئی فیصلہ کرنیوالا نہ تھا امام صاحب نے انکے فیصلہ کرنیکا بیڑا اٹھایا۔ اس سچے جوش محبت اسلامی سے۔ جو آپ کے دل میں اٹھا اور اس حقیقی ریفارم کے ولولے سے جو آپ کرنا چاہتے تھے آخر فطری طور پر اس مبارک آمادگی نے انکو مجبور کیا کہ آپ اپنی کنیت ابو حنیفہ رکھیں۔ اس کنیت کا مقبول ہونا اور نام سے زیادہ مشہور ہونا اس امر کی کافی دلیل ہے کہ خدا کی بھی یہی مرضی ہے۔
اگر رحیم الطبع امام کو کنیت رکھتے وقت یہ معلوم ہو جاتا کہ ایسے خوش فہم دشمن بھی آیندہ پیدا ہوں گے جو میری اس کنیت سے دہکتے انگاروں پر لوٹیں گے تو شاید وہ اپنی یہ کنیت بدل دیتے لیکن پھر بھی ایک یہ قت واقع ہوتی ہے کہ حاسدان خوش فہم سرے سے اسی غم میں ہیں کہ امام صاحب کا ظہور ہی کیوں ہوا تو اس فیصلہ کے لئے ہم خدا پر انحصار رکھتے ہیں وہ انہیں بخوبی سمجھا دیگا کہ میں نے حضرت امام اعظم کو اسلئے دنیا میں پیدا کیا تھا اور اسکی ضرورت اسلامی دنیا کو یہاں تک تھی۔

دوسرا باب

تعلیم

امام صاحب کی بچپن میں کوئی باقاعدہ تعلیم نہ ہوئی تھی اسلئے کہ تجارت نے انکا قدم باقاعدہ درس وتدریس کی طرف نہ بڑھنے دیا۔ پھر اس سے انکار نہیں ہوسکتا کہ انھوں نے بچپن میں قرآن نہ پڑھا ہو اور اسے حفظ نہ کرلیا ہو۔ علامہ شہاب الدین عراقی نے اپنی کتاب مناقب ابو حنیفہ میں لکھا ہے۔ "امام صاحب کے بچپن میں ایک عجیب کیفیت تھی۔ گو انہیں ابھی علم کی چاشنی کے چکھنے کا موقع نہ ملا تھا۔ اور ان کی معاشرت بھی اجازت نہ دیتی تھی کہ کاروبار تجارت سے سبکدوش ہوکر تعلیم کیطرف متوجہ ہوں پھر بھی وہ ہمیشہ متفکر رہتے تھے اور یہ سوچا کرتے تھے کہ میں کس لئے دنیا میں بھیجا گیا ہوں اور مجھے کیا کرنا چاہئے کیا میں اسلئے دنیا میں پیدا ہوا ہوں کہ صرف اس تجارت کو ترقی دوں اور دکان لئے بیٹھا رہوں۔ آخر کار ان خیالات نے آگے کو قدم بڑھائے اور پھر وہ چند بزرگوں کی ہدایت کے بموجب تحصیل علوم کیطرف متوجہ ہوئے۔ بچپن میں طالبعلم کا یہ ایک اعلےٰ رتبہ ہے کہ وہ اپنی پیدائش اور فطرت انسانی کا خیال کرے اور ایسی نوعمری میں کہ ابھی علم کی خوشبودار ہواؤں نے اس کے دماغ کو نہیں بسایا ہے وہ ان انسانی فرائض کا دل میں خیال کرے جنکی انجام دہی کے لئے ہر شریف نفس پیدا کیا گیا ہے۔ یہ گویا فطرت باری تعالےٰ کی کتاب کا مطالعہ کرنا ہے جسکو وہ ہی نظریں دیکھتی ہیں جنکی آنکھوں میں امتیاز یہ بصارت کا نور دمک رہا ہے۔ یہ مسلمہ امر ہے اور زمانہ حال کی تحقیق سے بھی یہ امر ثابت ہوگیا ہے کہ ایک رحیم کریم کی کھوپری کبھی ظالم اور جابر کی کھوپری سے مشابہ نہیں ہوسکتی لہٰذا ہر شخص ایک خاص کام کے لئے پیدا کیا گیا ہے امام صاحب کا بچپن اور اسکی حالت

اگر کوئی مبصر دیکھتا تو فوراً ان فطرتی جوہروں کو آپ کی نمایاں فراخ پیشانی میں دیکھ لیتا کہ جو روز ازل ہی سے آپ کی بابرکت ذات میں مضمر رکھے گئے تھے۔ جیسا کہ عقود الجمان میں لکھا ہے کہ امام شعبی نے صورت دیکھتے ہی یہ کہدیا تھا کہ "اے بچہ تیری پیشانی میں نور قابلیت درخشاں ہے تو اگر باقاعدہ محنت کریگا تو بہت کچھ ترقی کریگا۔

پھر علامہ شہاب الدین عراقی لکھتا ہے کہ وہ جوہر جو دنیا کے ممتاز جوہر والوں میں ہیں اور جن سے ایک نفس شریف بنتا ہے اور قدرت ریفارم کی کنجی اسی کے ہاتھ میں دیتی ہے اسکے نمایاں آثار پیدا ہوتے ہی بچہ کی صورت میں پیدا ہو جاتے ہیں اور جس پر یہ فقرہ عموماً عاید ہوتا ہے "ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات" بچپن میں جو کچھ مزاج کی کیفیت تھی اسکا حال شہاب الدین عراقی ان لفظوں میں لکھتا ہے۔ امام صاحب اپنے باپ ثابت سے بہت ڈرتے تھے باوجودیکہ ثابت حد سے زیادہ ہونہار بچہ سے محبت رکھتا تھا اور اسکا آرام و چین اپنی راحت و آسائش پر مقدم جانتا تھا لیکن یہ خوف صرف ادب کا خوف تھا کہ جو انہیں ایسا خائف رکھتا تھا۔ امام صاحب اپنے باپ کے عموماً ساتھ بیٹھکر کھانا کھایا کرتے تھے اور جب تک کہ باپ کھانے سے ہاتھ روک لے کبھی اپنا ہاتھ نہ ہٹاتے تھے۔ اس حد کی سے چھوٹا نوالہ لیتے کہ کیا ممکن ہے۔ جو انگلیوں کی پوریں بھی بھرتیں نہ کوئی ایسی بات کرتے کہ جس سے گھن آوے۔ ایک گھر میں رہتے تھے لیکن کبھی اپنے باپ کے سامنے پلنگ پر نہیں لیٹے اور نہ کبھی پیر پھیلا کر بیٹھے اگر وہ بہ تقاضائے فطرت انسانی کبھی امام پر خفا ہوتا تھا تو امام کی نیچی نگاہوں سے کبھی اونچی نہ اٹھتی تھیں باپ سے جب بات کرتے تو آنکھیں نیچی کرکے" یہ ادب آداب ایسی حالت میں ایک بچہ کی فطرت میں ہونے کہ جو ابھی زیور علم سے مزین نہوا ہو اور جس نے علمی اشرفیت کی پوشاک نہیں پہنی ہے ٹھیک ٹھیک اس آیندہ قابلیت ولیاقت کی پیشین گوئی کرتے ہیں کہ جو بعد ازاں آپ کو حاصل ہوئی اور آپ نے جو کچھ علمی اسلامی دنیا میں ناموری حاصل کی۔ وہ اظہر من الشمس ہے۔

امام صاحب کی بچپن کا زمانہ خوش اسلوبی کے ساتھ دیکھنے کے قابل تھا۔ ہنوز تجارت کی لین ڈوری آپ کے ہاتھ میں تھی۔ مگر اس عظیم الشان خیال نے کہ مجھے کیا کرنا چاہئے تجارت کے کاروبار میں کچھ خلل اندازی کی یہ زمانہ سلطنت حجاج اور ولید کا تھا جسکی نسبت علامہ شہر الدین عراقی یہ لکھتا ہے،، جب عبدالملک نے ۸۶ھ ہجری میں قضا کی تو اسکا بیٹا ولید تخت نشیں ہوا ولید کی خونخوار فطرت نے اس امن کو پبلک میں قایم نہونے دیا جو اسلام کا خاص منشا ہے۔ ولید کی اولوالعزمانہ فطرت نے رعیت کی اس آسایش کو اڑا دیا تھا کہ جسکی وہ مستحق تھی۔ مگر بایںہمہ وہ اسلامی فتوحات کو وسعت دینے کا زیادہ شایق تھا۔ وہ عیاش نہ تھا۔ مگر اپنی بے آرام فطرت کی بدولت دوسروں کو چین سے نہ رہنے دیتا تھا۔ اسنے اندلس کو فتح کرکے بجائے صلیب کے ہلالی جھنڈا نصب کیا۔ ہاں تعلیم وتعلم کی نسبت اسکا بہت کم رحجان تھا اسوجہ سے مسلمان مورخ اسکو اچھے لفظوں میں یاد نہیں کرتے۔ عموماً اس زمانے کے بڑے بڑے علما اس سے خوش نہ تھے لیکن انکے خوش نہونے کی کوئی وجہ سوا اسکے نہیں معلوم ہوتی کہ اسکی طبیعت فتوحات کیطرف بہت رجوع تھی۔

جو کچھ اسنے اپنی زندگی میں کیا وہ اس قابل نہیں ہے کہ اسکو نفرت کی نگاہ سے دیکھا جائے اسنے حدیث کی درس گاہوں کو بند نہ کیا تہا لیکن اسکی توجہ اور میلان طبع اسطرف مائل نہ تھا کہ وہ شاہی مدد درسگاہوں کو کچھ پونچاتا اسنے نہ صرف اندلس کو اپنے قبضہ میں کرلیا بلکہ سندھ میں بھی اسلامی علم فراٹے بھرنے لگا تھا۔

ایک بےچینی سی مسلمان پبلک میں چھائی ہوئی تھی اور کوئی شخص بارام اپنی زندگی بسر نہ کرسکتا تھا۔ اس زمانہ رستخیز میں امام صاحب کا بچپن تھا گو سلطنت اسلامی کی وسعت کا خاص انکی ذات پر پھر بھی کوئی اثر نہ پڑسکتا تھا تاہم کچھ نہ کچھ انہیں بھی اس بے اطمینانی کا ضرور حصہ ملا تھا کہ جو مسلمان پبلک کو حاصل تھی۔

جب ولید کی وفات ہوئی تو امام صاحب کی پوری سولہ برس کی عمر تھی۔ اس عمر میں نہ انھیں پولٹیکل معاملات میں درک تھا نہ کچھ دلچسپی تھی کہ انپر اسکا کچھہ اثر ہوتا اسکے خلاف یہ بات بھی لکھنے کے قابل ہے کہ اس زمانہ میں ثابت کی تجارت نے خاصہ رنگ بدل لیا تھا اور پہلی حالت سے بخوبی ترقی کر لی تھی۔ بعض مورخین نے ولید پر سخت سخت اعتراض کئے ہیں انھوں نے لکھا ہے کہ اسلامی عالم کو الٹ پلٹ کر دیا تھا اور علمی دنیا میں سخت رخنہ اندازی کی تھی۔ مگر یہ اعتراض ولید کی نسبت بہت رکیک ہے اس نے اسپین سے ان مظالم کی بیخ و بنیاد اکھیڑ کر پھینک دی تھی کہ جو عیسائی گورنمنٹ کی صلیبی نشان کے سایہ میں بہت دھوم دھام سے ہو رہے تھے اسنے ان گمراہوں کو حق کی چاشنی چکھائی کہ جنھوں نے صدیوں سے گمراہی اختیار کی تھی اور خدا کی ودیعت میں دست خیانت دراز کر رکھا تھا" سلطان عبدالعزیز نے بھی ولید کی نسبت یہ قلم فرسائی کی ہے :"

جوں ہی اسلام کی صبح کی پو پھٹی اور اسکی روشنی تاریکی کو مٹاتی ہوئی دنیا پر پڑنے لگی تو جنکی طبیعت میں صلاحیت تھی اور وہ نور اسلام میں آنا چاہتے تھے انھوں نے خوشی سے اس روشنی کا خیر مقدم کیا اور خوشی خوشی نور اسلام سے مستفیض ہوئے لیکن جو لوگ صدیوں سے تاریکی میں پڑے ہوئے تھے اور تاریکی ہی میں رہنے کے عادی ہوگئے تھے انکی آنکھوں میں اس درخشانی سے چکا چوند ہوگئی اور وہ تاریکی کی پستی میں جا چھپے اور وہاں سے نہ نکلنے کی کوشش کی اب ایک شخص کی ضرورت تھی کہ جو انہیں اس تاریکی کے گڑھوں سے نکالتا اور نور کے میدان میں لاتا۔ چنانچہ اس فخر کا حاصل کرنیوالا مسلمانوں کے بے شمار گروہوں میں ایک ولید ہی تھا جسنے اندلس اور سندھ کو فتح کرکے صلیبی اثر کو مٹایا اور ہلالی رحم کا انہیں ٹھنڈا پانی پلایا" امام کی پوری سولہ برس کی عمر میں ولید کی وفات ہوگئی اور اسکی جگہ سلیمان بن عبدالملک تخت نشین ہوا۔ اسکی نسبت مورخوں کی بہت اچھی رائے ہے۔ یکزبان ہو کر مورخوں نے لکھا ہے کہ بنو امیہ میں سلیمان سے

بہتر کوئی حکمراں نہیں ہوا۔ ولید جیسا فتوحات دوست تھا ایسا ہی سلیمان علم دوست تھا۔ تخت پر بیٹھتے ہی اسنے یہ بڑی نمایاں فتح مسلمان پبلک کے دلوں پر حاصل کی کہ عمر بن عبدالعزیز کو اپنا وزیر مقرر کیا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز ایک خدا پرست اور نیک فطرت مسلمان تھے ولید کے فتوحات سے سخت نفرت تھی وہ فرمایا کرتے تھے جیسا کہ علامہ شہر الدین عراقی نے لکھا ہے کہ فتح ممالک کے لئے اسلام پیدا نہیں ہوا بلکہ فتح قلوب کے لئے اسکا ظہور دنیا میں ہوا ہے یہ بھی بہت بڑی ربانی پولیسی تھی کہ ایسا شخص پیدا ہوا جسنے سوائے فتوحات کے اپنا کچھ کام نہ رکھا۔ جب اسکا زمانہ فتح ختم ہوگیا اب علمی فتوحات کی نوبت آئی اور جسکی جب بہت ضرورت تھی" جوں ہی سلیمان کے سر پر تاج سلطانی نے زینت پائی اور خلعت وزیری حضرت عمر بن عبدالعزیز کو پہنائی گئی گویا ایک ہوا کا رخ ادھر سے ادھر پھر گیا۔ اور اب علم کا چاند اسلامی ممالک میں نظر آنے لگا۔ ساتھ ہی اسکے اطمینان نے بھی لوگوں کے دلوں میں ترقی کی اور رفتہ رفتہ شاہی سرپرستی سے درسگاہیں کھلنے لگیں۔ عمر بن عبدالعزیز نے وزیر ہوتے وقت سلیمان سے یہ عہد کرلیا تھا کہ اگر آپ مجھسے پہلے انتقال فرما گئے تو آپ کے بعد میں تخت نشیں ہوں گا وہ خود یہ چاہتا تھا کہ میرے بعد ہی کوئی ایسا سرپرست علوم حکمراں پیدا ہو کہ اسلامی دنیا طرح طرح کے علوم سے بہرہ ور ہو جائے بہت خوشی سے حضرت عمر بن عبدالعزیز کی درخواست کو منظور کر لیا۔

امام صاحب کی عمر ۱۹ برس کی تھی کہ سلیمان نے بھی وفات پائی۔ وفات سے پہلے سلیمان نے وصیت نامہ لکھدیا تھا کہ میرے بعد حضرت عمر بن عبدالعزیز تخت نشیں ہوں اس وصیت نامہ کے مطابق عمر بن عبدالعزیز تخت نشیں ہوئے اور ایسے ہی نیک نفس کی بہت بڑی ضرورت تھی۔ علامہ شہر الدین عراقی نے عمر بن عبدالعزیز کی نسبت یہ الفاظ لکھے ہیں:" اگر ہم عمر بن عبدالعزیز کی خلافت کی فطرت پر غور کرنے میں

توہمیں یہ صاف کھلتا ہے کہ جس شوق سے انھوں نے سلطنت مروانی کو رونق دی تھی وہ اپنا شوق پورا کیا۔

عمر بن عبدالعزیز سلطنت حاصل کرنے پر بھی نہایت خلیق رحیم اور سادگی کا شایق رہا نہ کبھی خود فروشانہ نمائش نہیں کہلائی نہ اپنی نمود کے لیے سلطنت کا روپیہ اڑایا۔ تخت پر بیٹھتے ہی اسنے صد ہا درسگاہیں کہولدیں اور انکے اخراجات کا کفیل سلطنت کو بنادیا۔ فتوحات کا دروازہ بند تھا اسلئے جو ملک ولید کیوقت میں فتح ہوئے تھے وہاں امن وامان قایم کرنا اور وہاں کا انتظام کرنا واجب تھا۔ ایک عام تحریک علم حاصل کرنے کی سب مسلمانوں میں پھیل گئی۔ اسلئے کہ کشورکشائی سے انہیں فرصت ملی تھی۔ الماریوں کی مختلف کتابوں سے آراستگی اور بڑے دارالعلوموں میں ہزار ہا طلبہ کا سرجوڑکر پڑھنا۔ امن کے صدقہ میں ہوتا ہے۔ اور جب شاہ وقت کی طبیعت کشورکشائی کیطرف رجوع ہوتی ہے تو یہ تمام باتیں زوال پذیر ہو جاتی ہیں۔ سپاہیوں کی تلواریں میانوں میں گئیں اور ہر طرف سے اطمینان اور آسایش نے اپنا منہ دکہایا طرح طرح کی درسگاہیں کہل گئیں اور ایک عام شوق لوگوں کی طبائع میں پیدا ہوگیا۔

علم کی عام تحریک سے وہ طبائع بھی جنھیں علم سے کچھ مس نہیں ہوتا۔ دیکھا دیکھی گدگدائی جانے لگتی ہیں اور چاہتی ہیں کہ ہم بھی علم کے بہتے دریا میں ہاتھ ڈبولیں اور سیراب ہوکر پانی پی لیں۔

امام صاحب کی طبیعت جوایک بند نہد تھی اور اس پہلو پر ٹکنا چاہتی تھی کہ جو اسے چین دیتا دیکہا یک چند بزرگوں کے کہنے سے باقاعدہ تعلیم حاصل کرنیکی طرف رجوع ہوئی۔ امام صاحب کی فطری لیاقتیں ضرور کسی ایسے جوہر سے اپنے کو آراستہ کرنا چاہتی تھیں کہ جو شریف تر تھا اور جسے میراث انبیا علیہم السلام کہنا چاہیے۔

یہ زمانہ عمر بن عبدالعزیز کا گویا آپ کے لئے نہایت مناسب تھا۔ ہم ابھی لکھہ چکے ہیں کہ

امام صاحب نے ولید اور حجاج کے زمانہ حکومت میں اپنی تجارت میں بہت ترقی کی تھی جو انکے دادا کو وطن کی میراث تھی۔ مگر فطرت بھی انسے اور بھی ایک عظیم الشان کام لینا چاہتی تھی اور کام صرف یہ تھا کہ وہ اسلامی دنیا کو قانون کی ایک سنی میں جکڑ دیں یہ محض غلط ہے جیسا لکھا جاتا ہے کہ امام صاحب کے باپ دادا خزف بافی کرتے تھے یا انکے ہاں کوئی کارخانہ خزف بافی کا تھا۔ علامہ شہاب الدین عراقی اس سے انکار کرتا ہی اور لکھتا ہے "امام صاحب کے بزرگ برابر صدیوں سے سلطنت کر رہے تھے مگر اتفاق زمانہ سے جب مسلمانوں نے وہاں کے مظالم مٹانے کے لئے اس سلطنت کے ڈھانچہ کو توڑ مروڑ ڈالا تو انہیں اپنی روزی پیدا کرنے کی فکر ہوئی اور ایسی حالت میں جب وہ سلطنت سے کوفہ غیر ملک میں آگئے تھے اور یہاں انکا کوئی جان پہچان نہ تھا اسلئے انھوں نے مجبوراً تجارت شروع کی اور اپنے ہاتھ بہت بہت دور تک پھیلائے۔ وہ مختلف چیزوں کی تجارت کرتے تھے مگر جس چیز کی زیادہ تجارت ہوتی تھی وہ قسطنطنیہ اور اندلس کا ریشمی کپڑا ہوتا تھا۔ انکے گماشتے دور و دراز ممالک میں چلے جاتے۔ اور ہزاروں روپیہ کا کپڑا خرید کر لاتے اور اسلامی بلاد میں فروخت کرڈالتے" اس تحریر سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ انکے ہاں خود کوئی خزف بافی کا کارخانہ ہو جیسا کہ اکثر لوگوں کا خیال ہے سلطان عبدالعزیز نے سیرۃ النعمان میں بھی اسکا تذکرہ کہیں نہیں کیا ہے گو بعض غیر مشہور مورخوں نے زور و شور سے بیان کیا ہے کہ وہ خود بھی خزف بافی کرتے تھے۔ اس زمانہ میں علم کی نہایت ہی سادہ زندگی تھی۔ قرآنی صاف اور سہل مسائل میں فلسفہ کا پرتو نہ پڑا تھا۔ اور آئینوں کے صاف مطلب میں کوئی مین میکھ نکالنے والا پیدا نہوا تھا۔ علم ادب کا چرچہ کچھ کچھ ہوتا چلا تھا اور فقہ میں بھی کسیقدر ترقی نے اپنا منھ دکھایا تھا۔ مگر ہنوز مدون نہوئی تھی کیونکہ فقہ کا مدون ہونا امام صاحب کے ہاتھ سے مقرر ہوچکا تھا جو پہلے ہی سے لوح پر لکھ دیا گیا تھا۔ انساب اور ایام العرب بھی حدیث اور کلام کے پہلو بہ پہلو ترقی کرتا چلا گیا۔ تاہم ابھی کسی علم کی تکمیل نہوئی تھی۔ اور نہ اسلامی سادے سیدھے مسائل کی چھان بین منطقی اور

فلسفی پہلوؤں سے لگنے لگی تھی۔ جو باتیں نہیں وہ نہایت سیدی اور سادی ہیں اور یہ جب ہی تک رہا کہ فلسفہ نے اپنا پرتو اس پر نہیں ڈالا۔

ابھی نبی عربی کی وفات کو ایک صدی پوری نہوئی تھی ہزاروں صحابہ کی اولاد موجود تھی کہ جنھوں نے اپنے باپ داداؤں سے نبی اکرم کی صفات حمیدہ کا بیان سنا ہوا تھا اسلئے کہ وہ ان مسائل کو دقت آفرینی اور رنگامیزی کی پوشاک پہنانا چاہتے تھے کہ جو بعدازاں پہنائی گئی۔ نہایت سادگی سے اپنی زندگی بسر کرنا چاہتے تھے اور وہ آنکھیں بند کرکے قرآنی مسائل پر عمل کر رہے تھے۔ لیکن جب اسلام دور دراز ممالک میں پھیلا اور اسمیں ہزارہا قومیں جوق جوق آنے لگیں تو اب دقت نظر۔ بلند خیالی۔ زور طبع کا رخ اس سیدھے سادے مسائل میں کام لایا جانے لگا۔ اور آخر ہوتے ہوتے یہاں تک نوبت پہنچی کہ مسلمانوں کو ایک علم کلام علیحدہ مدون کرنا پڑا تاکہ وہ اس اثر کو قرآنی مسائل سے اڑا دیں جو فلسفہ نے اپنا ڈالا ہے۔

قرآن شریف میں دنیا اور آخرت کا جن آیتوں میں ذکر آیا ہے اور خدا کی وحدانیت کا جس صاف طرز پر تذکرہ کیا گیا ہے وہ ایسا صاف اور سہل ہے کہ اسپر نہ زیادہ علمی بحث کی ضرورت ہے اور نہ وسعت دینے کی حاجت ہے۔ یہ کتنی صاف بات ہے کہ خدا کو واحد سمجھو اور کسیکو اسکے ساتھ شریک نہ کرو وہ باتیں نہ کرو کہ جس سے دوسرے کو نقصان پہنچے اگر نیک اعمال کروگے اسکی جزا خیر آخرت میں ملیگی اور جو برے اعمال کروگے تو سزائے سخت کے مستحق سمجھے جاؤگے۔

یہ حقیقی باتیں ہیں سب نہایت سہل ہیں انسے جیسے عالم منفعت اٹھا سکتا ہے جاہل بھی اسی درجہ مستفید ہوسکتا ہے۔ مگر جب ایران وشام میں اسلام نے اپنے ہاتھ پاؤں پھیلائے۔ تو ہر مسئلہ میں سے نئی نئی باتیں پیدا ہونے لگیں حدوث وقدم پر بڑی نکتہ سنجیاں اور دقت آفرینیاں پیدا ہوگئیں اور وہ نئی نئی باتیں نکلنے لگیں کہ جو دیدہ نہیں نہ شنید۔ قرآن کی آیتوں کے

ایک ایک لفظ پر صدہا ضخیم ضخیم کتابیں تصنیف کیگئیں اور نئے نئے مطالب تراشے گئے۔ کسی نے دوزخ وبہشت اور سزا جزا کو اڑا دیا کسی نے انکی راحت وتکلیف کو وسعت دیدی۔ کسی نے نبی کو بڑہایا تو اتنا بڑہایا کہ خدا سے جاملایا اور کسی گروہ نے پیغمبری اڑا کر صرف مصلح عام بنا دیا یہ ان نکتہ سنجیوں۔ دقیقہ رس نظروں اور باریک بینوں کا طفیل تھا کہ جنھوں نے نئے نئے گروہ پیدا کر دئے اور پھر انکی انتہا درجہ کی ترقی ہوئی اور اسلام میں سے یہ نئی نئی شاخیں پھوٹنی شروع ہوئیں۔

رافضی۔ خارجی۔ جبری۔ قدری۔ جہمی۔ مرجی۔ ابدی۔ شیعی۔ اسحاقی۔ زیدی۔ امامی۔ ناری۔ بتناسخی۔ راجعی۔ مرتضی۔ وغیرہ گروہ ہو گئے اور انکے خیالات کی لو بلند بلند اٹھنے لگیں۔ یہ تقاضائے فطرت تھا کہ جوں جوں تمدن اور تہذیب بڑہی ایسے ایسے خیالات میں تراش خراش ہوتی ہیں تصورات کے میدان کی حدیں بڑہا دی جائیں اور دماغی قوتوں کو کامیابی کے ساتھ علمی دنیا میں نمایاں فتح حاصل ہو جائے۔

اسی ضرورت سے علم کلام کامل طور پر مدون کیا گیا۔ اور ان علماء اسلام کو بھی اسطرف متوجہ ہونا پڑا کہ جواب تک مصلحت سے اپنا پہلو بچائے ہوئے تھے اور اسی سادگی میں اپنی زندگی گزارنا پسند کرتے تھے جیسا نبی عربی اور آپ کے صحابہ کا روسیہ تہا مگر کہاں تک ناچار اس شور وشغب نے انھیں جبراً اسطرف متوجہ کیا اور پھر وہ کامل طور سے اسطرف متوجہ ہوئے۔ اور سچے اسلام کا آفتاب چمکا دیا۔ وہ غبار جو اسلام کے صاف مطلع پر چھا رہا تھا صاف کر دیا گیا۔ پھر بھی جیسے بھیگا ہوا موسم برسات میں بعض بعض وقت نظر کے روبرو والے مطلع کو غلیظ بادلوں سے صاف کر دیتی ہے اور اسکے دھیمے ہونے پر پھر غلیظ بادلوں کے جھرمٹ مطلع پر آجاتی ہیں یہی علم کلام اور خیالات فلسفہ کیصورت تھی ابھی یعنے امام صاحب کے زمانہ جوانی میں علم کلام مدون ہوکر داخل درس تدریس ہوا تھا۔ پھر بھی ہر مسلمان کو قدرتی وہ ذہانت اور قوت تفہیم حاصل تھی کہ ہر شخص فرداً فرداً بہت کچھہ معترضوں کا اطمینان کرنیکو موجود تھا

مگر اس علم کو ایک خاص طور پر کام میں لانے کی قوت امام صاحب میں موجود تھی وہ اسی نو عمری میں کہ ابھی باقاعدہ تعلیم حاصل نہ کی تھی۔ مذہبی مسائل کا عقل سے ایسا ثبوت دیتے تھے کہ بعض اوقات بڑے عالم ششدر رہ جاتے تھے۔ انکے دادا گو اصفہان کی پیدائش تھی لیکن انکے باپ ثابت کوفہ ہی میں پیدا ہو کر حضرت علی کی گود میں ڈالے گئے تھے ہنوز انکی رگوں میں اس برکت کا اثر خون کے ساتھ آمیز ہو کر دوڑ رہا تھا۔ وہ ماں کیطرف سے قریشی تھے اور باپ کیطرف سے ایرانی تھے وہ جوہر قابلیت کہ جسکا خاص حصہ امام صاحب ہی کو ملا تھا یکایک دل و دماغ میں نمو پکڑنا شروع ہوا۔ اور ہوتے ہوتے یہاں تک نوبت پہنچی کہ آپ پوری علمی قابلیت کی صفت کے ساتھ موصوف ہونے کے قابل ہو گئے۔ کچھ ایسی جودت طبع امام صاحب کو حاصل تھی کہ معترض کو جھکی بجاتے ہیں شافی جواب دے کے بند کر دیتے تھے اور تحفظ اصول اسلامی کے لئے وہ دہ پیچیدہ پیچیدہ مسلے جواب دیتے کہ مخالف انگشت بدنداں رہجاتے۔

ہم پہلے لکھ آئے ہیں کہ تجارت کے باعث بچپن ہی میں امام صاحب کو سیاحت کا اتفاق ہوا تھا ادھر ادھر اسلامیہ بلاد میں برس دو برس میں ایک آدھ پھیرا ضرور ہوا کرتا تھا سفر میں نہ صرف تجارت ہی کا فائدہ ہوتا تھا بلکہ نئے نئے علما سے ملاقاتیں ہوتی تھیں نئے نئے خیالات لوگوں کے معلوم ہوتے تھے اور دن بدن معلومات کو وسعت ہوتی تھی

	ہرگز اے خام آدمی نشوی		تا بدکان و خانہ در گروی	

امام صاحب کو جیسا کہ ہم لکھتے چلے آئے ہیں ابھی کوئی باقاعدہ تعلیم نہ لی تھی پھر بھی انکو صدہا مسئلے مسائل یاد ہو گئے تھے۔ اسلئے جیسا کہ علامہ شہاب الدین عراقی۔ ابو موسیٰ کوفی۔ مالک بن سعید بغدادی نے لکھاہے کہ عمر بن عبد العزیز کے پُرامن زمانہ میں خواص و عوام سب علوم دینی پڑھنے کے لئے متوجہ ہو گئے تھے اور ہر ایک بچہ کو بھی صدہا مسائل یاد ہو گئے تھے۔ ابو حنیفہ بچپن سے ذہین۔ تیز طبع بہت بڑے تھے انھیں بھی ہزارہا

اسلامی مسئلے معلوم ہوگئے اور انھوں نے اپنی میزان عقل میں تولکر بخوبی انھیں ذہن نشین کرلیا۔ قوت حافظ وہ بڑھی ہوئی تھی کہ وعظ کا اکثر حصہ دو چار بار پڑھنے سے یاد ہو جاتا تھا آپ بصرہ میں بھی اکثر آیا جایا کرتے تھے کچھ تجارت کی غرض سے اور کچھ علمی مباحث کے شوق سے کیونکہ مختلف خیالات اور عقائد کا آجکل بصرہ بازی گاہ بنا ہوا تھا۔ اور یہاں خارجیوں کا بہت زور تھا۔

مالک بن سعید بغدادی نے ابو حنیفہ صاحب کے کئی مناظروں کی کیفیت جو خارجیوں وغیرہ گروہوں سے ہوئی ہیں بڑی شرح و بسط سے بیان کی ہے جسکی تقریر کا یہ نتیجہ ہے کہ ہر بحث میں امام صاحب ہی غالب آتے تھے اور مخالفوں کو ایسے ایسے دنداں شکن جواب دیتے تھے کہ وہ منہ تکتے رہجاتے تھے۔ ہم یہاں ان مناظروں کو لکھنا مناسب نہیں جانتے کیونکہ جنھیں علم سے دلچسپی ہے اور وہ اسکو عزیز سمجھتے ہیں امام صاحب کے مناظروں کو بخوبی دیکھہ سکتے ہیں۔ گو امام صاحب کو ان مناظروں سے بڑی ناموری حاصل ہوگئی تھی اور آپ علم کلام میں منجھ بھی گئے تھے لیکن ابھی وہ کرید طبیعت میں باقی تھی کہ جو ابتدائے عمر سے پیدا ہوگئی تھی کہ مجھے خاص کام کیا کرنا چاہئے ایک دن امام صاحب نے اس بڑھتے ہوئے تمدن اور ترقی کناں تھذیب پر نظر ڈالی اور فتوحات اسلام کی کشادہ دنیا کو ملاحظہ فرمایا اور خوب غور کیا کہ اسوقت عام مسلمانوں کو کس چیز کی ضرورت ہے۔ غور کرتے کرتے معلوم ہوا کہ علم فقہ کے مدون کرنے کی ضرورت ہے اور بغیر اسکی تدوین کے فتوحات کشور کشی ہیں کیونکہ جب تک کہ کوئی قانون منضبط نہو گا کیونکہ یکساں انصاف بلاد اسلامیہ میں ہو سکتا ہے۔

مسلمین کو اسکی اشد ضرورت تھی اسلئے امام صاحب نے علم کلام کیطرف سے توجہ پھیر کر فقہ کیطرف رجوع کی اور اب علم فقہ کی تدوین کا بیڑا اٹھایا۔

امام صاحب کی تیز ذہنی۔ زور طبیعت نے آپ میں علم کلام کا مذاق کوٹ کوٹ کر

بھر دیا تھا۔ لیکن جب آپنے فقہ کو علم کلام سے زیادہ ضروری دیکھا تو اسکی چھان بین کرنی شروع کی اسکی نسبت مالک بن سعید بغدادی نے خود امام صاحب کا قول نقل کیا ہے جسکو ہم بھی اسکی کتاب تاریخ فقہ سے نقل کرتے ہیں۔

ابتدائے عمر میں مجھے علم کلام کا بہت شوق ہوا کیونکہ میں یہ سمجھا تھا کہ تمام دینی امور کا دارومدار اسی پر ہے کہ عام جلسوں میں بحثیں کیجائیں اور مخالفین کو زکیں دی جائیں۔ اور لوگوں کو حق کی بانگی دکہائی جائے لیکن جوں جوں زمانہ گزرتا گیا میری طبیعت علم کلام سے ہٹتی گئی کیونکہ مینے اسمیں کوئی روحانی بھبودی نہیں دیکھی اور نہ صفات حمیدہ کا اسے مخزن پایا۔ پھر میری توجہ نبی اکرم کے صحابہ کیطرف مبذول ہوئی اور مینے دیکھا کہ انمیں سے ایک پاک نفس بھی علم کلام کیطرف کبھی مائل نہوا اور اسکو غیر ضروری جانکر ترک کر دیا تھا ہاں فقہ کیطرف انکی بہت توجہ تھی اور یہی علم جیسا جب ضروری تھا اب اس سے بھی کہیں زیادہ ضروری ہے۔ ساتھ ہی خیال آیا کہ جو لوگ علم کلام میں مشغول ہیں ان میں وہ انکساری اور خلق بہت کم ہے جو صحابۂ کبار کا خاصہ تھا۔ کسیقدر نمود بھی اِن میں پائی جاتی ہے اور وہ تحکم کرنا بھی خلاف شان نہیں جانتے۔ اور جب مینے فقیہوں اور علم کلام والوں کی عادات و سیرتوں کو ملایا تو مجھے بیّن فرق معلوم ہوا۔ ہر فقیہہ کو نہایت خلیق۔ صادق۔ نیک خصلت پایا۔ برخلاف اسکے اِن اعلٰے اور برتر صفتوں کا ظہور متکلمین میں بہت کم دیکھا۔ ان سب باتوں کے علاوہ اس ملکی ضرورت نے بھی مجھے اسطرف متوجہ کیا کہ جو پکار پکار کر فقہ کو بلا رہی تھی ان تمام بیّن وجوہات سے میں فقہ کیطرف رجوع ہوا اور جہاں تک مجھسے ممکن ہوا اسکی تدوین میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا۔"

حماد کی شاگردی

تجارت کی اب بھی وہ ہی گرم بازاری تھی اور اس میں اسی طرح مشغول تھے کیونکہ کئی ورجن متعلقین کی روزی اس تجارت سے نکلتی تھی اسلئے اسکا چھوڑنا کسی حالت میں ممکن نہ تھا

تیسرے پیارے نبی آخر الزماں کی سچی تقلید تھی کہ جس مقدس اور سب سے برتر ذات کو بہت ہی پسند تھی اور آپ نے زمانہ نبوت سے پہلے اسی تجارت سے تمام قوم قریش میں اپنی ایمانداری اور فاشعاری کی دھوم مچادی تھی ایسی چیز کو امام صاحب کیونکر چھوڑ سکتے تھے جو نبی عربی کے باعث شہرت ہوئی تھی۔

ایک دن امام صاحب اپنی دکان پر بیٹھے تھے۔ دو طالبعلم جو حماد کی درسگاہ میں تعلیم پاتے تھے سودا خریدنے آئے آپ اسوقت کسی دوسرے کام کیطرف متوجہ تھے۔ طلبہ نے اپنی مطلوبہ چیز مانگی ملازم کو اشارہ کردیا کہ گاہکوں کی تعمیل حکم کردے وہ اٹھکر اس مکان میں مطلوبہ چیز لینے گیا کہ جو دکان کے پیچھے تھا اور تجارتی اشیا سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ آپ بھی اسی کام میں مشغول رہے اور ملازم کو وہ چیز نہ ملی جب معمول سے زیادہ وقت قضا ہوگیا تو طلبہ نے جلدی کی اور کسیقدر رکر خفگی کیساتھ شتابانہ لہجہ میں مانگا امام صاحب نے سنجیدگی سے فرمایا اگر آپ ذرا اور صبر کریں تو ابھی وہ لے آتا ہے شاید اسے آپ کی مطلوبہ چیز ملی نہوگی آپ کو بہت ہی جلدی ہے؟

یہ سنکر ایک طالبعلم نے جواب دیا آپکو وقت کی قدر کیا معلوم؟ پڑھتے تو آپ کو کیفیت کھلتی کہ طالبعلم کا ایک لمحہ کتنا قیمتی ہے ہمیں اپنے استاد حماد کا خیال ہے کہیں وہ ہمارے ساتھیوں کو سبق شروع نہ کرادیں طالبعلم کے اس قول نے آپ کے دل پر بہت اثر کیا اور آپ کو علم کی قیمت معلوم ہوئی اب یہ گوارا نہوا کہ آیندہ عمر کا اور حصہ بھی یوں ہی برباد کیا جائے اور باقاعدہ کسی سے تعلیم حاصل نہ کیجائے اب وہ وقت آگیا کہ ان طلبہ کیطرح اپنا وقت بھی قیمتی بنائیں۔ چنانچہ دوسرے دن حماد کے طلبہ کے زمرہ میں آپ نے اپنے کو بھی شریک کیا۔ ابو القاسم کوفی نے ایک اور روایت بھی امام صاحب کی شروع تعلیم کی نسبت لکھی ہے چونکہ وہ بھی قرین قیاس اور دلچسپ ہے اسلئے بلفظہ درج کیجاتی ہے جب تک ثابت امام کے والد زندہ رہے عموماً شہر کے اعیان واشراف کا مجمع رہتا تھا

اور سوائے اسکے کوئی ذکر ہی نہ تھا کہ فلاں مسئلہ میں رسول اللہ ؐ نے یہ فرمایا ہے اور فلاں حدیث یوں روایت کیگئی ہے۔ علمی گفتگو پے درپے امام کے کانوں میں بچپن ہی سے پڑتی گئی۔ مگر پھر بھی تجارت کی رسیع لین ڈوری آگے بڑھتی چلی جاتی تھی بچپنہ طور پر طبیعت تعلیم کیطرف امام کو رجوع ہونیکی اجازت نہ دیتی تھی اسپر بھی یہ شوق دامنگیر ہتا چلا آتا تھا کہ مجھے تحصیل علوم کرنے چاہئیں۔ لیکن پھر یہ خیال تھا کہ اگر تحصیل کروں تو کس علم کی۔ علم کلام وہ ایسا کچھ بہت بانیتجہ نہیں ہے۔ فن شاعری جو اس زمانہ میں ترقی پر گیا تھا اسپر بھی توجہ کرنے ڈرتے تھے کیونکہ شاعری میں سوائے خیالی باتوں کے جلادینے اور کسیکی ناحق تعریف کرنے کے اور کچھ نہ تھا سوچتے سوچتے علم فقہ ہی کیطرف توجہ مائل ہوئی اور اسکی آخر کار آپ ہی سے تدوین ہوئی۔ بعض ناسمجھ تاریخ سے ناواقف امام صاحب پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ آپ کو سوائے فقہ کے اور علوم نہ آتے تھے۔ یہ محض غلط ہے آپ مروجہ علوم کے جامع تھے اور علم کلام میں تو آپ کے لگے کا کوئی ہوا ہی نہیں۔

اس آسانی اور آمد کے ساتھ آپ ہر علم میں تقریر کرلیتے تھے کہ کہیں بناوٹ اور آورد نہیں پائی جاتی تھی۔ مگر ہاں ہمیں یہ ماننا پڑیگا کہ آپ فقہ ہی میں زیادہ مشغول رہے اور یہی آپ کو پسند آیا تھا۔

علاوہ پسند کے تمام مسلمانوں کی ملکی و مالی جنگی ضرورتیں فقہ سے وابستہ تھیں اسلئے امام کا فرض تھا کہ وہ اسطرف رجوع ہوتے اور اصل میں وہ پیدا ہی اسی لئے ہوئے تھے کہ قانون کی رسی میں مسلمانوں کو جکڑ دیں۔ چنانچہ خدا کا نوشتہ پورا ہوا اور امام صاحب اپنے زمانہ حیات ہی میں تدوین فقہ کر گئے۔

حماد ایک وسیع مکان میں طلبہ کو بیٹھکر درس دیتے تھے علم حدیث میں آپ کا بہت بڑا پایا تھا حضرت انس کی زبانی صدہا حدیثیں سنی تھیں اور تابعین کی بابرکت صحبت سے بھی آپ مشرف ہو چکے تھے نہایت متقی اور خلیق عالم تھے تمام کوفہ میں آپ ہی کی درسگاہ

بڑی نامی تھی۔ ایک وجہ تو یہ ہے جیسا ابوالخیر اندلسی نے لکھا ہے کہ آپ طلبہ کو نہایت شفقت سے درس دیتے تھے دوسرے آپ کا حافظہ بہت اچھا تھا جو حدیثیں کہ حضرت انس اور تابعین نے روایت کی تھیں وہ آپ کو بلفظہ یاد تھیں تیسرے مفلس طلبہ کے کل خرچ کا بوجھ اپنے ذمہ لیلیا تھا آٹھویں دن پر تکلف کھانوں سے اپنے کل شاگردوں کی دعوت کرتے اور فن حدیث اور فقہ پر ایک بہت بڑا لیکچر دیتے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود صحابی رسول مقبول کی وفات کے بعد سلسلۂ فقہ کو ختم نہونے دیا بلکہ اسکا چلانا بھی اپنے ذمہ لیلیا اور اسکا تمام وکمال انحصار حماد ہی پر تھا۔

انکے شاگردوں میں بیسیوں امام فن ہوئے ہیں جن میں سے اسلامی عالم میں یہ بہت نامی ہیں مثلاً طلحہ بن زیاد۔ عجد بن مال مسعر۔ ابوالمکارم۔ شعبہ ائمہ فن ہوئے ہیں آپ ہی کی درسگاہ سے تعلیم پاکر نکلے تھے۔ امام صاحب نے حماد سے بہتر فقہ تحصیل کرنے میں کوئی اور فقیہہ نہ دیکھا اسلئے آپ بھی حماد کے پاس گئے۔ اور تعلیم حاصل کرنے لگے۔ طریقہ تعلیم انکل وہی تھا جو آجکل یورپ کے دارالعلوموں کے بڑے بڑے کلاسوں کا ہے یعنے پروفیسر لیکچر دیتے ہیں اور طلبہ سنتے ہیں اگر کوئی بات زیادہ وہاں کھنے اور توجہ کرنے کے قابل ہوئی اسکو نوٹ کرلیا ورنہ سوائے سننے کے اور کچھ سروکار نہیں ہوتا۔ یہی طریقہ بلاشبہہ ہمارے ہاں پہلے ہی سے رائج ہے جسکی نقل یوروپین نے فوٹوکیطرح سے ہوبہو اتار لی ہے۔ حماد لیکچر کے طور پر ہر مسئلہ کی تشریح کرکے بیان کردیتے تھے اور طلبہ چپکے بیٹھے ہوئے سنا کرتے جو بات زیادہ توجہ کے قابل ہوتی اسکو وہ لکھہ بھی لیا کرتے تھے۔ تین چار دن امام کیطرف حماد کی زیادہ توجہ مبذول نہیں ہوئی اسلئے کہ یہ نئے نئے گئے تھے اور دوسرے استاد بھی انکی فطری قابلیتوں سے ابھی ناواقف تھے۔ جب امام کو درسگاہ میں جاتے ہوئے دو ڈیڑھ مہینے ہوگئے اور شفیق استاد کو اپنے متعلم کے چھپے ہوئے جوہر پرکھنے کا موقع ملا تو پھر انھوں نے اپنی درسگاہ کا امام کو فخر سمجھا اور امتیاز یہ نظریں اپنر ڈالیں نہایت مہربانی سے اپنے پاس بٹھایا اور آپ کی

فطری قابلیت اور ذہانت دیکھکر حماد پھولا نہ سمایا[۱]-
دس برس کامل امام نے درسگاہ میں صرف کئے جب اتنی مدت ہو گئی تو امام کے دل میں یہ شوق پیدا ہوا کہ میں بھی طلبہ کو پڑھایا کروں مگر ادب استاد مانع تھا اور آپ کی خلیق اور شریف فطرت ہرگز گوارا نہ کرتی تھی کہ کوفہ ہی میں جہاں میرا استاد طلبہ کو فقہ پڑھاتا ہے میں بھی استاد کے نام سے مشہور ہوں - حالانکہ یہ بات کوئی خلاف ادب یا خلاف قانون ملکی مذہبی نہ تھی کہ امام اپنی درسگاہ علیحدہ قایم کرتے - لیکن اپنی اس ممتاز شریف خلیق مودب مھذب فطرت سے آپ نے یہ گوارا نہیں کیا - اتفاق سے بصرہ میں حماد کے کسی رشتہ دار کا انتقال ہو گیا اور حماد کو وہاں جانا پڑا - امام سے بہتر اپنا خلیفہ کرنے کے لئے اور کوئی شاگرد نہ تھا آخر حماد نے اپنی مدرسی کی مسند پر امام کو بٹھایا اور آپ بصرہ میں چلا گیا - امام کی دلی آرزو کہ میں بھی اپنی درسگاہ علیحدہ کھولوں - اور میرے پاس بھی جوق جوق طلبہ آئیں پوری ہوئی اور آپ نے نہایت آمادگی سے پڑھانا شروع کیا آپ نہ صرف پڑھاتے ہی تھے بلکہ مسائل کا جواب بھی دیتے تھے - جو مسئلے کہ امام صاحب نے اپنے استاد سے سنے تھے انکا جواب تو وہ ہی دیا کرتے اور جو ایسے مسئلے آتے کہ جنکی بابت کچھ بھی نہ سنا تھا ان میں اپنے اجتہاد سے کام لیتے جسکے وہ مجاز تھے -
اس موقع پر چند باتیں اجتہاد کی نسبت لکھنے کے قابل ہیں اور وہ یہ ہیں کہ امام صاحب کے بعض نادیدہ مخالف یہاں اعتراض کرتے ہیں کہ امام صاحب کو کسنے مجتہد بنایا تھا اور استاد کے زندہ ہوتے انہیں کوئی مجاز نہ تھا کہ وہ اجتہاد کرتے اور پھر لطف یہ کہ جن مسائل میں انھوں نے اجتہاد کیا تھا ان میں سے بہت سے زیادہ غلط نکلے جنکی غلطی حماد نے بصرہ سے آکر نکالی" مختلف کتابوں میں ہمنے یہ اعتراض امام صاحب پر لکھا ہوا دیکھا ہے مگر ہمیں افسوس یہ ہے کہ یہ اعتراض امام صاحب پر ازراہ ضد کیا جاتا ہے - اول تو حماد کا اپنا خلیفہ مقرر کرجانا اس امر کا شاہد ہے کہ امام میں اسنے اجتہاد کی

[۱] بحر المحیط - جلد ۳ - صفحہ ۱۰۸ -

قابلیت و سمجھ لی تھی دوسرے قابل آدمی کہیں بنائے سے بنتے ہیں۔ لیاقت خود لایق کی رضامندی
کرتی ہے اور وہ اس کام کو پھر اپنا فرض سمجھکر کرنے لگتا ہے۔
دس برس کا قریب قریب عرصہ فقہی مسائل کو حل کرتے ہو گیا تھا ہزارہا مسائل آنکھوں کے
آگے سے نکلگئے۔ کیا اسپر بھی اجتہاد کرنیکی قدرت نہوتی ہاں معترض کا سا دماغ ہوتا تو شاید
کچھ مضایقہ بھی نہ تھا۔ کئی مسائل میں اجتہاد کا درست ہونا امام کی تنقیص پر دلالت نہیں
کرتا حماد کا ان مسائل میں ہمزبان نہونا یہ ثابت نہیں کرتا کہ اجتہاد میں خرابی تھی۔ لیکن
اس حسن عقیدت نے جو امام کو اپنے استاد کے ساتھ تھی اسی پر برقرار رکھا کہ وہ اپنی غلطی
کا اعتراف کرتے ساتھ ہی اسکے امام نے یہ بھی مصمم ارادہ کرلیا کہ جب تک حماد زندہ ہے اس
سے علیحدہ نہوں گا۔
ایسی ایسی باتیں امام صاحب پر وہی لوگ عائد کرتے ہیں کہ جنھوں نے پولیٹیکل ایکانمی
یعنے علم سیاست مدن نہیں پڑہا ہے مگر جو لوگ کہ کچھ بھی اس علم میں درک رکھتے ہیں
وہ بول اٹھیں گے کہ اسوقت اسلام کی کیا حالت تھی اور اس قسم کے اجتہاد کی کتنی ضرورت
تھی۔ جب حماد بصرہ روانہ ہوئے ہیں اور امام صاحب کو اپنا جانشین مقرر کیا ہے تو کیا وہ ان
مسائل کا جواب نہ دیتے جو انسے دریافت کئے گئے تھے اگر وہ انکار کرتے تو انسے یہ سوال
ہو سکتا تھا کہ جب تم اس قابل نہ تھے پھر کیا وجہ ہے جو تم نے اپنے استاد کی جانشینی قبول
کی جانشین کے معنے یہی ہیں کہ ہو بہو ویسا ہی ہو اگر ذرا بھی فرق ہو تو جانشینی خام ہے۔
کسی فقہ کے مسئلہ میں غلطی ہونی کوئی دینی غلطی نہیں ہے۔ جہاں تک مذہب کو اس سے
تعلق ہے اسکو ہم پہلے بخوبی ظاہر کر آئے ہیں نہ کوئی اسمال کاز کورٹ یعنے عدالت
خفیفہ تھی اور نہ مجسٹریٹی تھی نہ سشن کی عدالتیں۔ نہ ہائی کورٹ اور نہ چیف کورٹ تھی مگر
مادہ لوگوں میں موجود تھا جس سے یہ عدالتیں قایم ہوئی ہیں۔ پھر انکا فیصلہ کیونکر کیا جاتا اگر ہم
یہ بھی مان لیں کہ امام صاحب نے اجتہاد میں غلطی کی تو تسلیم کرنے پر بھی انکی اجتہادی فضیلت

اور علمی برتری میں کچھ فرق نہیں آسکتا۔ گورنمنٹ کے ہاں سلطنت کے وزرا اور بڑے بڑے جج ہیں۔ کبھی کبھی ان معاملات میں جنکا فیصلہ انکے سپرد ہوتاہے انسے خطا ہو جاتی ہے لیکن یہ خطا انھیں نہ اس عہدہ سے سبکدوش کرتی ہے نہ انکی قابلیت میں کچھ فرق آتاہے اسلئے کہ وہ ہمیشہ غلطی نہیں کرتے اور انکی جزوی خطائیں ان اعلےٰ تر قابلیتوں کو نہیں مٹا سکتیں جو وہ پہلے اپنے فرائض کی انجام دہی میں دکھا چکے ہیں۔

بیان کیا جاتاہے کہ جب امام اپنے اُستاد حماد کیجگہ بیٹھے ہیں تو دو مہینے کے عرصہ میں اور مسائل کے علاوہ ساٹھ مسئلے آئے کہ جنکی نسبت امام نے اپنے استاد سے کچھ نہ سُنا تھا آخر اپنی رائے سے ان سب میں اجتہاد کیا۔ اور انکی ایک فہرست تحریر کرلی اور تمام مسائل اور شہادتوں کو لکھ لیا اور اپنی رائے آخر میں لکھکر رکھلی جب حماد آئے تو امام نے دکھایا انھوں نے جواب دیا کہ چالیس مسئلوں میں تمہارا اجتہاد صحیح ہے لیکن بیس میں غلط ہے" اب دیکھنا چاہئے کہ امام صاحب کے اجتہاد کا یہ ابتدائی زمانہ تھا۔ اور آخر میں اس فاضل کے اجتہاد کی نسبت ذرا بھی گمان کرنا ایک بڑی خطا کا مرتکب ہوناہے جسکی ابتدا یہ ہے اسکی انتہا کا خود ہی انصافاً اندازہ کرلو۔

امام اعظم نے کیونکر حدیث کی تعلیم پائی

جس زمانہ میں کہ امام حماد سے فقہ میں تعلیم پاتے تھے یہ بھی خیال آپ کی طبیعت میں برابر جڑ پکڑ رہا تھا کہ حدیث کی باقاعدہ تعلیم حاصل کیجائے۔ کیونکہ وہ یہ بخوبی جانتے تھے کہ جب تک حدیث میں کمال حاصل نہو گا علمیت کی تکمیل نہیں ہوسکتی۔ کوفہ علوم کے لحاظ سے آجکل خوب چمک رہا تھا کئی بڑے بڑے کالج کھلے ہوے تھے اور کثرت سے حدیث وفقہ کی تعلیم طلبہ کو ہوتی تھی۔ حدیث کا بہت بڑا چرچہ ہو رہا تھا اور اس علم میں بڑی چھان بین کیجاتی تھی۔ یہ لکھنا مشکل ہے کہ امام نے فلاں فلاں محدث سے حدیث پڑھی بلکہ صاف ظاہر ہوتاہے کہ کوفہ میں کوئی متنفس ایسا باقی نہ تھا کہ جس سے احادیث نبویہ کی

تحصیل نہ کی ہو آجکل کوفہ اور بصرہ میں جو حضرت عمر فاروق کے بسائے ہوئے تھے حدیثوں کی جستجو میں لوگوں نے اپنے وطن چھوڑ دئے تھے کتابیں تیار ہونے لگی تھیں اور خوب رد و قدح کے بعد حدیث کی صحت و غیر صحت پر اعتماد کیا جاتا تھا وہ لوگ جو اس زمانہ میں تھی حدیثوں کی جستجو میں جیسے سرگرم تھے اسیقدر انہیں احتیاط بھی زیادہ ہوتی تھی یہ نہیں تھا کہ جس کسی نے انسے کوئی مسئلہ دریافت کیا اور انھوں نے اناپ شناپ کہدیا بلکہ وہ مہینوں غور کرتے تھے اور سوچتے تھے کہ کوئی حدیث اسکے بارہ میں نہیں سنی یا شاید اتنے عرصہ میں کوئی حدیث گوش گزار ہو جاوے اور جب مدت زیادہ ہوتی جاتی تھی اور سائل تنگ کرتا تھا تو مجبوراً وہاں اجتہاد کیا جاتا تھا۔ مشکل یہ تھی کہ ہر شہر میں نئی نئی حدیثیں رائج تھیں۔ جنکا عملدرآمد کوفہ میں ہوتا تھا بصرہ میں وہ حدیثیں بہت کم رائج تھیں اور جو شام میں مشہور و معروف تھیں اپر بغداد میں کم توجہ تھی۔ اور یہ اختلاف قانون قدرت کے مطابق ہونا چاہئے تھا۔ تاریخ اندلس کے دیباچہ میں یہ لکھا ہے کہ نبی عربی کی وفات کے بعد پندرہ سولہ ہزار صحابہ مختلف شہروں میں جا جا کر آباد ہو گئے اور جو جو حدیثیں انہیں معلوم تھیں وہ انھوں نے بیان کرنی شروع کر دیں کسیکو کچھ حدیثیں یاد تھیں اور کسیکو کسی باب میں حدیثیں ازبر تھیں۔ بس اختلاف کی بڑی وجہ یہی تھی تاہم معاملات میں غیر مشتبہ نہ ہوئی تھی وجہ یہ تھی کہ سوائے کار آمد مسائل کے کوئی انسے کچھ دریافت نہ کر سکتا تھا اور جو کوئی ایسی بات بھی دریافت کرتا تھا کہ جسکا موجودہ زمانہ سے کوئی تعلق نہوتا ہو تو وہ جھڑک دیا جاتا تھا۔ جیسے معاذ بن جبل نے کہا ہے اے لوگو بلا کے نازل ہونے سے پہلے عجلت نہ کرو کیونکہ مسلمانوں میں ہمیشہ ایسے لوگ پیدا ہوتے رہیں گے کہ جب انسے کوئی مسئلہ دریافت کیا جائیگا وہ اسے بتا دینگے۔" حضرت عمر فاروق۔ علی۔ عبداللہ بن عباس۔ اور ابن مسعود سے بھی یہی روایت کیا گیا ہے۔ اسکا مطلب یہ ہے کہ وہ مسائل جنکا تعلق علم فقہ سے ہے وہ ہر زمانہ کے لئے موزوں ہیں اور تقاضائے وقت سے ہر ایک سوال کا جواب دیا جا سکتا ہے خبر نہیں آئندہ کیا کیفیت ہو طبائع کا رنگ بدلے ابھی سے ایک صدی آئندہ کے لئے

قوانین مرتب کرنے سخت جہالت اور بیہودہ پن ہے۔
امام کے زمانہ میں جیسا کہ اوپر لکھا گیا ہے۔ حدیث کا فن تکمیل کے ساتھ مدون نہیں ہوا تھا مگر اس زمانہ میں کہ جب امام کا آغاز جوانی تھا اسلامی شہروں میں صدہا لوگ اسطرف توجہ کرنے لگے تھے کہ علم حدیث کی پوری تدوین کیجائے۔ حدیثیں۔ آثار صحابہ جمع ہونے لگے اور نسخوں کے لکھنے کا قاعدہ بلاد اسلام میں رواج پکڑ گیا۔ حدیثوں کے اختلاف نے امام کو مجبور کیا کہ وہ سفر حرمین کریں۔ امام کی غرض اس سفر سے صرف اس اختلاف کو دریافت کرنیکی تھی کہ جو ابھی سے حدیثوں کی روایتوں میں پڑ گیا تھا۔
مورخ ابن خلکان نے اپنی تاریخ میں ایک روایت وکیع کی نقل کی ہے۔ جو اسنے امام ابو حنیفہ کی زبانی سنی تھی اور وہ روایت یہ ہے "حج میں ایک نائی سے جس سے میں نے بال منڈوائے تھے کئی باتوں میں مجھپر گرفت کی۔ مینے اجرت دریافت کی تو وہ بولا کہ مناسک چکائے نہیں جاتے۔ میں چپ ہو کر اصلاح بنوانے لگا اسنے پھر ٹوکا کہ حج میں چپ نہیں رہنا چاہیئے تکبیر کہے جاؤ۔ حجامت سے فارغ ہو کر میں گھر چلا اسنے کہا پہلے دو رکعت نماز پڑھ لو پھر کہیں جانا" یہ روایت محض بے سروپا معلوم ہوتی ہے کہ ایسے موٹے موٹے مسئلے بھی انہیں نہ معلوم ہوے۔ وہ مھینے تک حماد کی جانشینی کی اور اپنے اجتہاد سے مسائل میں رائے دی اور پھر لطف یہ ہو کہ اسکی نسبت یہ بے معنے اور مہمل روائتیں مشہور ہوں یہاں مکہ معظمہ میں امام نے عطار بن ابی رباح سے جنکی درسگاہ اس مقدس شہر میں بہت مشہور تھی حدیث کی تعلیم حاصل کی۔ یہ ایک مشہور و معروف تابعی تھے اور انھوں نے اکثر صحابہ کی صحبت فیضد رجت سے استفادہ حاصل کیا تھا۔ امام نے چاہا کہ میں پہلے تحصیل حدیث کروں۔ چنانچہ وہ عطا کے پاس گئے اور جو کچھ اپنی حالت اور شوق تھا۔ بیان کیا۔ انھوں نے بخوشی اجازت دیدی کہ تم زمرہ طلبہ میں شریک ہو جاؤ۔ چند ماہ میں اپنی طباعی اور ذہانت سے جو کچھ حاصل کرنا تھا کر لیا۔ پھر آپ کو کوفہ آنے کی ضرورت

ضرورت ہوئی آپ نے اپنے استاد عطا سے رخصت طلب کی انھوں نے یہ فقرہ کہا" تم ہماری درسگاہ کے ایک بڑے رکن تھے اور تمہاری شاگردی سے ہمیں فخر حاصل ہے اچھا جاؤ لیکن جب تک ہم زندہ ہیں ضرور کبھی کبھی ہمارے پاس ملنے کو آتے رہنا" اس سے صاف ظاہر ہے کہ امام کی اسکے استاد کتنی عزت کرتے تھے اور وہ اسکی طباعی ذہانت کی کہاں تک قدر کرتے تھے۔ عطا کے سوا امام نے محدثین مکہ سے بھی حدیث کی تکمیل کی اور تمام چھوٹی سی چھوٹی درسگاہ میں حدیثیں معلوم کرنے کے لئے مہینوں پھرے ہیں۔ پھر آپ کوفہ سے مدینہ تشریف لیگئے اور وہاں کے محدثین سے تعلیم حدیث حاصل کی۔ یہ غلط ہے کہ امام نے اوزاعی سے تحصیل حدیث کی جیسا کہ الکامی مصنف تاریخ مدینہ نے لکھا ہے"

موجودہ زمانہ ہی کی شامت اعمال نہ سمجھنی چاہیے بلکہ اسوقت بھی جبکہ علم کا آفتاب طلوع ہو رہا تھا اور اسلامی بلاد میں اسکی کرنیں تیزی سے پڑنے لگی تھیں حسد اور بغض کی آگ بعض طبائع میں بھڑک اٹھتی تھی اور وہ نئی نئی باتیں بنا کر اپنے محسود کی نسبت مشہور کرتے تھے۔ یہ ایک مسلمہ امر ہے کہ دروغ کو فروغ نہیں ہوتا۔ وہ ساری ایجادی باتیں دن بدن مٹتی گئیں اور آخر ہوتے ہوتے یہاں تک نوبت پہنچی کہ امام صاحب کی نیک نامی تمام دنیا پر محیط ہوگئی۔ مخالفین امام نے یہ اڑا رکھا تھا کہ ابو حنیفہ ہر مسئلہ میں اپنی رائے سے اجتہاد کرتا ہے اور حدیث کے مقابل حکم نہیں دیتا۔

چنانچہ جب امام اعظم حضرت امام باقر علیہ السلام کیخدمت میں گئے اور ہمنشینوں نے عرض کیا کہ یہ ابو حنیفہ ہیں تو امام باقر صاحب نے دریافت کیا کہ کیا تم ہمارے دادا کی حدیث پر قیاس کو مقدم گنتے ہو۔ امام باقر کے اس قول پر امام صاحب نے تاسف کیا اور کہا کہ نبی اکرم کے قول سے جس شخص نے روگردانی کی وہ اپنے کو مسلمان نہیں کہہ سکتا۔ پھر چند مسائل میں گفتگو ہوئی جب امام کا مبلغ علم دیکھا تو حضرت باقر علیہ السلام نے امام کو گلے سے لگالیا اور کہا" کہ جو تجھپر یہ الزام لگاتا ہے اسکا ٹھکانا جہنم میں ہوگا۔

پھر چند روز تک حضرت باقر کے صاحبزادہ جعفر علیہ السلام سے امام کی صحبت رہی۔ جعفر صادق کہا کرتے تھے جیسا کہ زید بن حارث نے اپنی تاریخ ایمہ میں لکھا ہے کہ "مجھے فخر ہے کہ امام ابو حنیفہ جیسا فاضل اجل اور حامی دین نبی میری صحبت میں رہے" اگر اب بھی شیعہ گروہ کے عالم امام ابو حنیفہ پر تبرا بھیجیں تو گویا وہ اپنے قبلہ و کعبہ حضرت امام جعفر صادق کی تکذیب کرتے ہیں جسکا جواب قیامت کے دن انہیں دینا پڑیگا۔ امام صاحب کا افتخار نہیں نہ صرف اپنے دوستوں اور شاگردوں پر تھا بلکہ آپ کے اساتذہ آپ کی بہت عزت کرتے تھے اور انہیں فخر تھا کہ امام ابو حنیفہ جیسا ہمارا شاگرد ہے خصیب اکثر اپنے طلبہ سے یہ فرمایا کرتے تھے۔ کہ "تعلیم دینے سے یہ اچھا معلوم ہوتا ہے کہ ابو حنیفہ سے میں اجتہادیہ مسائل میں بحث ہوتی گو شکر گزار کیا کروں"

امام صاحب کو تحصیل علوم میں ہرگز عار نہ تھی خواہ کوئی انسے کم عمر کا ہو یا زیادہ عمر رکھتا ہو ضرور اسکی درسگاہ میں زانوے شاگردی طے کرتے جیسا کہ بیان کیا گیا ہے کہ انھوں نے امام مالک سے جو انسے عمر میں دس گیارہ برس چھوٹے تھے حدیث پڑھی تھی۔ ان تمام باتوں سے ظاہر ہے کہ امام میں احادیث نبویہ کا علم حاصل کرنے کا کسقدر شوق تھا اور وہ کس سرگرمی سے تحصیل کرتے تھے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ امام نے پانسو محدثین سے فن حدیث کی تکمیل کی اور آٹھ لاکھ حدیثیں امام کو از بر یاد تھیں۔

ہم امام کے اساتذہ کا نام گنوا کر اپنی کتاب کو طول دینا نہیں چاہتے مگر جو لوگ فن حدیث سے واقف ہیں وہ یہ بخوبی جانتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ کیسے زبردست محدث تھے۔ گو انکے مقلدین علما نے انسے حدیثیں روایت نہ کی ہوں۔ اور صرف ایک خیالی فقہ انکی طرف سے مدون کر لیا ہے کون کہہ سکتا ہے کہ ہدایہ قدوری وغیرہ کتابوں کے مسائل وہی ہوں جو امام اعظم نے بیان کئے ہیں۔

تیسرا باب

وفات

رفتہ رفتہ امام صاحب کے علم و فضل نے یہاں تک عروج پکڑا کہ سلطنت کے پہلو بہ پہلو پر اسنے ترقی کی اور آناً فاناً میں ایک زمانہ کے دلوں پر قبضہ کر لیا۔ اسلامی ممالک میں اندلس کے بعض حصص تو حنفی مذہب کے اثر سے بچے ہوے تھے اور نہیں کوئی ملک ایسا نہ تھا کہ جسکا اکثر حصہ حنفی مذہب کا مقلد نہو۔ امام صاحب کی ایک یہ بہت بڑی عظمت کا باعث ہے کہ آپ کی زندگی ہی میں لوگ اسقدر معتقد ہو گئے تھے کہ جنکا شمار لاکھوں پر تھا اور انکے اشارہ پر ہزاروں آدمی اپنا خون پانی کیطرح بہا دینا کچھ بات خیال نہ کرتے تھے۔ اسپر بھی آپ کی زندگی فقیرانہ بسر ہوتی تھی اور سوائے تحصیل علوم کے یا طلبہ کو پڑہانے کے اور کوئی خیال نہ تھا۔ ملک گیری سے ازحد نفرت تھی اور جیسا کہ مسٹر ہیجی سن نے لکھا ہے کہ "اگر ابو حنیفہ کو ملک گیری کی خواہش ہوتی تو وہ بہت آسانی سے عراق کا سلطان بن سکتا تھا۔ کیونکہ بادشاہ وقت سے زیادہ لوگ اسکی اطاعت کرتے تھے۔ صرف فرق یہ تھا کہ شاہ وقت کی اطاعت کرنا دنیا کی بہبودی مقصور ہوتی تھی اور ابو حنیفہ کی تقلید پر نجات آخرت موقوف سمجھی جاتی تھی"

سنہ ۱۲۱ ہجری میں جب زید بن علی نے بغاوت کی ہے تو تخت خلافت پر ہشام بن عبد الملک جلوہ فرما تھا۔ یہ غلط فہمی عموماً بڑے بڑے علما میں پڑ گئی ہے کہ اس بغاوت میں ابو حنیفہ بھی شریک تھے۔ لیکن جنہوں نے تاریخ کے صفحے الٹے ہیں اور انھیں ابو حنیفہ کی سوانح عمری کے کچھ حالات معلوم ہیں وہ فوراً اس معاملہ سے انکار کرینگے۔ ابو حنیفہ صاحب کو طلبہ کی پرورش کرنے میں دم لینے کی بھی فرصت نہیں تھی انھیں کیا غرض تھی کہ ہشام بن عبد الملک کے خلاف بغاوت کا جھنڈا بلند کرتے۔ ہشام کی سلطنت نہایت پر امن تھی جان و مال

کی بخوبی حفاظت کیجاتی تھی ٹیکس بالکل موقوف ہوگیا تھا۔ درسگاہیں تمام ملک میں کھلگئی تھیں۔ پھر کیا وجہ ہو سکتی ہے کہ ہم امام صاحب کو شریک بغاوت کہیں۔ یہ تو ہمارا قیاس ہے لیکن کسی تاریخی شہادت سے بھی ہنوز ہمارے کان آشنا نہیں ہوئے کہ ہم امام صاحب کو بغاوت کا شریک بنا سکیں۔ سلطان عبدالعزیز والی ٹرکی نے اسپر دلچسپ بحث کی ہے جسکا خلاصہ درج ذیل ہے " شا نواز بغدادی۔ زبیر اندلسی۔ شہید بن قاسم قرطبی نے صاف انکار کیا ہے کہ زید بن علی کی بغاوت میں امام ابوحنیفہ شریک نہ تھے۔ بلکہ اسکے خلاف جب انہیں یہ خبر لگی کہ زید بن علی آدمی جمع کر رہے ہیں اور انکا ارادہ بغاوت کا ہے تو انھوں نے پوشیدہ انھیں کہلا بھیجا کہ ہشام سے برسر آنا بظاہر ناممکن معلوم ہوتا ہے وہ کام نہ کیا جائے کہ جس سے مسلمانوں کی خونریزی ہو اور کوئی نتیجہ نہ نکلے (اس خط کے مضمون سے ہم یہ حکم لگا سکتے ہیں کہ ابوحنیفہ کی جب یہ رائے تھی پھر یہ کیونکر ممکن ہو سکتا ہے کہ انھوں نے زید بن علی کا بغاوت میں ساتھ دیا ہو"

زید بن علی اپنے کو قوم سادات میں ہوکر مستحق خلافت جانتے تھے حالانکہ پولیٹیکل پہلو سے اگر ہم خیال کریں تو انکا کوئی حق نہ تھا۔ حق اسیکا ہے کہ جو حکمرانی کی قابلیت رکھتا ہو اور لاکھوں آدمیوں کو اپنا مطیع کر سکتا ہو اور اصل تو یہ ہے کہ سلطنت خدا کی بہت بڑی امانتوں میں سے ہے جسکو وہ چاہتا ہے بخشتا ہے اس میں کسیکا کیا دینا آتا ہے۔ قرآن میں صاف یہ حکم آگیا ہے کہ لاتفسدو فی الارض یعنے زمین میں فساد نہ کرو مگر زید بن علی نے صرف اس خیال میں کہ ہمارا حق خلافت ہے بغاوت کی اور ہزاروں بیگناہ مسلمانوں کو کٹوا دیا۔

آخر ہشام نے سنہ ۱۲۵ ہجری میں وفات پائی اور اسکی جگہ ولید بن یزید۔ یزید الناقص۔ ابراہیم بن الولید۔ مروان الحمار تخت خلافت پر متمکن ہوئے لیکن اندرونی سازشوں سے مروانی حکومت کی بنیاد متزلزل ہوتی چلی تھی۔ اور عباسیہ اثر پیدا ہوتا جاتا تھا۔ ان سازشوں کا دارالخلافہ کوفہ تھا جہاں سے ہر وقت بغاوت کی آگ بھڑک اٹھنے کا خوف تھا

مروان شب و روز فکر میں رہتا تھا کہ کیا بندوبست کرنا چاہیئے اسکے اوسان باختہ تھے اور اکثر شب سلطنت کے معاملات پر بحث کرتے کرتے صرف ہو جاتی تھی۔ آخر امرا کے مشورہ سے اسنے یزید بن عمر بن ہبیرہ کو کوفہ کا گورنر بنا کر روانہ کیا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ یہ ذہین طباع شخص ضرور بغاوت کی بھڑکتی آگ کو روکیگا اور اپنی تدبیر سے امن قایم کریگا کیونکہ یزید کئی ملکی معاملات میں ناموری حاصل کر چکا تھا اور اصل میں یہ ایک بڑا پولٹیشن تھا۔ جوں ہی یزید کوفہ پہنچا اور اسنے اس شہر کی مجموعی حالت پر غور کی اور اسکے پریشاں عنصروں کے مادہ پر نظر کی تو اسے معلوم ہوا کہ جب تک انتظام کی باگ مذہبی رہنما کے ہاتھ میں نہ ہوگی یہ محض ناممکن ہے کہ بغاوت کی اٹھتی ہوئی آگ ٹھنڈی پڑجائے۔ اسنے ہر پہلو سے اپنے اس خیال کو قوی پایا چنانچہ امام ابو حنیفہ سے بہتر اور کوئی شخص تمام عراق میں اسے نہ مل سکتا تھا۔ اسنے امام صاحب کو اپنا میر منشی اور وزیر خزانہ مقرر کرنا چاہا۔

امام صاحب نے صاف انکار کیا کہ میں یہ عہدے لینے منظور نہیں کرتا۔ یزید نے پھر درخواست کی پھر انھوں نے انکار کیا آخر اسنے اپنے دربار میں بلایا اور کہا کہ آپ یہ عہدۂ قضا کیوں نہیں قبول فرماتے آپ نے فرمایا میں لوگوں "پر تیرے ماتحتی میں ہو کر حکومت کرنے سے احادیث نبویہ کا علم سکھانا بہتر جانتا ہوں" اس جواب سے اسے غصہ آگیا اسنے فوراً جیلخانہ بھجوا دیا۔ اور حکم دیا کہ دس درّے روز مارے جائیں۔ اس صریح اور قابل رحم ظلم پر بھی امام صاحب نے عہدۂ قضا قبول نہیں کیا آخر اسنے دس دن کے بعد مجبور ہو کر قیدخانہ سے چھوڑ دیا۔ ابن خلکان اپنی تاریخ کوفہ میں لکھتا ہے کہ "ابو حنیفہ کے قید ہو جانے کی خبر مشتعل آگ کی طرح اسلامی بلاد میں پھیلنے لگی تھی اور لوگ جوق جوق کوفہ روانہ ہونے لگے تھے۔ اگر یزید بہت جلد رہا نہ کر دیتا تو لاکھوں آدمیوں کا کھیت پڑتا اور مروانی سلطنت قبل از وقت غارت ہو جاتی" در سنہ ۱۳۲ ہجری میں سلطنت بنو امیہ تو چل بسی اور

عباسی سلطنت کا دور دورہ آیا۔ پہلا فرمانروا سلطنت عباسیہ کا ابو العباس سفاح تھا اسنے چار برس اور تین مہینے حکومت کی۔ اس قلیل عرصہ میں بھی اسے چین نہ ملا اور وہ بغاوتوں کے فرو کرنے میں اپنی جان کھپاتا رہا۔ پھر ۱۳۶ھ ہجری میں اسکے قضا کرنے کے بعد اسکا بھائی منصور تخت خلافت پر بیٹھا منصور کے عہد میں اور بھی بغاوتوں کا زور ہوا اور بنو امیہ کے گروہ نے ملک کے بہت سے حصوں میں سازشیں کر کرکے بغاوتوں کی آگ بھڑکا دی آخر منصور نے اپنی دو دھاری تلوار کے پورے قبضہ پر ہاتھ ڈالا اور اب باغیوں کو مٹانا شروع کیا۔ جوں جوں بغاوتیں ہوتی گئیں اسکا غصہ طول پکڑتا گیا اور آخر وہ حد سے بھی تجاوز کر گیا یعنے منصور نے بنی امیہ کی تہ ریت تک اکھڑوا کر پھکوا دیں اور مضبوطی سے یہ دل میں ٹھان لی کہ ایک بچہ بھی بنو امیہ کے خاندان کا صفحہ ہستی پر نہ چھوڑا جائے۔ اس خیال نے قابل رحم مظالم کو ملک میں رستہ دیا اور ایک شدید تعدی کی ہولناک آگ سارے ملک میں تیزی اور تندی سے بھڑک اٹھی۔

مروانی خاندان تو بغاوت پر آمادہ ہی تھا کہ یکایک دوسری جانب سے خلافت کے دعویدار کھڑے ہوگئے یعنے سادات جو ایک مدت سے خلافت کا خیال دل میں پکا رہے تھے یہ بے انتظامی دیکھکر انھوں نے بھی منصور کے خلاف جھنڈا بلند کیا اور اپنا حق خلافت سمجھکر آمادہ خونریزی ہوگئے۔ سادات کی سلطنتی سازشوں سے منصور چونکا اور آخر اسنے محمد بن ابراہیم کو زندہ دیوار میں چنوا دیا تاکہ بغاوت کی آگ بجھے لیکن یہ آگ دلوں میں پوری بھڑک اٹھی تھی اسکی تیزی اپنا دور دورہ اثر پھیلا رہی تھی آخر ۱۴۵ھ ہجری میں محمد نفس ذکیہ دعویدار خلافت مدینہ میں کھڑے ہوئے۔ انھوں نے یہ عقلمندی کی کہ ائمہ وقت کے پاس پوشیدہ لوگوں کو بھیج بھیج کر منصور پر کفر کے فتوے منگا لئے۔ اور ان کو اسلامی بلاد میں شایع کرادیا بیان کیا جاتا ہے کہ امام مالک نے بھی یہ لکھ دیا تھا کہ منصور کو خلافت نہیں پہنچتی۔ یہ نفس ذکیہ کا حق ہے" پھر بھی یہ فتوے یا اسکے ساتھ کے اور بہت سے علماء کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ستاویزیں

خلافت کے بارے میں کچھ کام نہ آئیں۔ مذہبی اثر اور مذہبی پہلو خلافت کا اور ہوتا ہے اور اب ملکی پہلو بدل لیا گیا تھا وہاں بیچارے نفس ذکیہ کیا کرتے منصور کے مقابلہ میں وہ شہید ہوئے اور انکی تمام جمعیت پریشان ہو گئی۔

نفس ذکیہ کے شہید ہونے پر بھی سادات نے تلوار ہاتھ سے نہیں چھوڑی اور اسی خونریزی سے دعوے سلطنت پر ڈٹا رہا۔ آخر نفس ذکیہ کے بیٹے ابراہیم نے منصور سے مقابلہ کیا اور اپنے باپ کی نسبت زیادہ لوگ جمع کر لئے۔ خاص کوفہ میں سوا لاکھ آدمی اپنی جان نثار کرنے کو مستعد ہو گئے ابراہیم نری مذہبی وارع کے سید نہ تھے بلکہ ملکی معاملات میں بھی انھیں کسیقدر درک حاصل تھا۔ بڑے بڑے سرداروں کو عہدوں کی بشارتیں دیکر اپنا کر لیا تھا۔ چاروں طرف سے لوگ آپ کی مدد کرنے کے لئے بھاگے چلے آتے تھے امام صاحب بھی شاہان عباسیہ کے مظالم دیکھ دیکھکر تھک گئے تھے وہ چاہتے تھے کہ انکی سلطنت کا خاتمہ ہو اور ابراھیم تخت خلافت پر متمکن ہو جائیں۔ جب ۱۴۵ھ میں ابراھیم نے منصور پر حملہ کرنا چاہا ہے تو امام ابو حنیفہ نے بھی انکی مدد کی تھی لیکن چند در چند وجوہات سے بذات خود شریک نہو سکے۔

امام صاحب نے علاوہ روپیہ کے اور بھی رسد اور سامان حرب وغیرہ کی مدد ابراہیم کو دی مگر قسمت کو وہ کیونکر پلٹ سکتے تھے پولٹیکل میدان میں بازی لیجانا دوسری چیز ہوتا ہے اور گھروں میں بٹھیکر اپنی بزرگی اپنے ہمنشینوں میں قایم کرنا دوسری بات ہے۔ اپنی بے تدبیری اور کوتاہ اندیشی سے فاش شکست کھائی اور نہایت تہورانہ حالت میں میدان جنگ میں شہید ہوے۔ وہ تو اپنی جان سے شہید ہو گئے لیکن جنھوں نے انکا ساتھ دیا تھا انپر نئی نئی مصیبتیں نازل ہونے لگیں۔ وہ لوگ گرفتار کئے جانے لگے اور انکی گردنیں بیٹھے بیٹھے اڑنے لگیں منصور نے اسی اثنا میں بغداد کی بنیا ڈالی اور کوفہ کے سایہ سے بچنا چاہا جہاں یہ سازشیں شب و روز ہوتی رہتی تھیں کہ جس طرح ہو سادات کی خلافت ہو وے

اس فتح کے بعد منصور کی توجہ سب سے پہلے ابوحنیفہ کیطرف مبذول ہوئی کیونکہ اسے دم دم کی خبریں لگ رہی تھیں کہ آج ابوحنیفہ نے ابراہیم کو اتنا سامان بھجوایا اور کل اتنا نقد روپیہ بھجوایا۔ وہ دانت پیس رہا تھا کہ کوئی موقع لگے تو انکی گردن ماروں اسکی مراد برآئی اور اسنے ایک فرمان کوفہ روانہ کیا کہ فوراً بغداد حاضر ہو۔

امام صاحب ابھی مکہ سے کوفہ تشریف لائے تھے کہ فرمان پہنچا فوراً آپ بغداد پہنچے اور منصور کے پرشوکت دربار میں پیش کئے گئے۔ ربیع نے ابوحنیفہ کو یہ کہکر منصور کے آگے پیش کیا کہ یہی ابوحنیفہ ہے کہ علم و فضل میں جسکا ثانی کوئی نہیں" بظاہر منصور نے عزت کی مگر قتل کا بہانہ ڈھونڈ رہا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد اسنے کہا کہ آپ عہدہ قضا قبول کیجئے۔ آپنے فرمایا کہ میں اسکے قابل نہیں ہوں منصور نے کہا نہیں آپ ہر طرح سے لائق ہیں فرمایا اگر میں قابل ہوں اور مینے انکار کیا تو میں جھوٹا ہوا جھوٹا آدمی کبھی عہدہ قضا کے لائق نہیں ہوسکتا۔ اور جو مینے سچ کہا کہ میں قابل نہیں ہوں تو ناقابل کو یہ عہدہ تفویض کرنا کسی طرح جائز نہیں ہے۔

منصور نے دریافت کیا وجہ کیا ہے جو تم اس معزز عہدہ سے بھاگتے ہو۔ آپنے فرمایا۔ میں اس دنیوی شان و شوکت سے حکومت کرنا نہیں چاہتا۔ درباریوں کی تعظیم و تکریم مجھسے ہرگز نہ ہوسکے گی میرے جتنے فیصلے ہوں گے ان میں سے اکثر گورنمنٹ کے خلاف پڑینگے اسکے علاوہ میں ان پیچیدگیوں میں اپنے کو پھنسانا نہیں چاہتا کہ جنسے بعد ازاں صاف نکلنا مشکل ہوگا" یہ دلیرانہ باتیں سنکر منصور برہم ہوا اور اسنے ترشی سے قسم کھا کر کہا کہ تمہیں یہ عہدہ قبول کرنا ہوگا۔ امام نے بھی قسم کھا کر کہا میں نہیں قبول کرنیکا اس بیباکانہ جواب سے دربار ششدر ہوگیا۔ ربیع نے غصہ میں آکر کہا ابوحنیفہ امیرالمومنین کے مقابلہ میں قسم کھاتے ہو آپنے جواب دیا ہاں کیونکہ امیرالمومنین کو میری نسبت قسم کا کفارہ ادا کرنا زیادہ آسان اور سہل ہے" جب یہاں تک نوبت پہنچی تو منصور نے مجبور ہوکر

قید خانہ بھیجدیا۔ جب کبھی علمی بحثیں ہوتیں تو اکثر انہیں بلالیتا اور مسائل مختلفہ میں رائے دریافت کرتا۔

ساتھ ہی اسکے یہ بات بھی قابل لکھنے کے ہے کہ وہ وسیع محل کے بڑے حصہ میں نظر بند تھے انکے آسایش کے کل سامان بہم پہنچائے جاتے تھے حتے کہ طلبہ کو بھی حکم تھا کہ وہ وہیں جاکر امام صاحب سے تحصیل علم کریں۔ دار الخلافہ ہونے کے سبب سے بغداد علوم مختلفہ کا بھی دار الصدر بنگیا تھا۔ چاروں طرف سے ہزارہا طلبہ یہاں آآکر علوم حاصل کرنے لگے اور جوق جوق بغداد کی شاہراہوں میں منصور کی نظر سے گزرنے لگے۔ ابوحنیفہ صاحب گو قید میں تھے لیکن انکے علم و فضیلت کی آوازیں تمام بلاد اسلامی میں گونج رہی تھیں اور دن بدن انکے شاگردوں کی تعداد بڑھتی جاتی تھی۔ مکہ۔ مدینہ۔ دمشق۔ بصرہ۔ واسط موصل۔ رملہ۔ مصر۔ نصیبین۔ سلطانہ۔ حبشہ۔ جام۔ جزیرہ۔ غزوہ۔ رقہ۔ کرمیہ۔ یمن۔ یمام۔ بحرین۔ اہواز۔ کرمان۔ اصفہان۔ تربت جام۔ عظیمہ۔ سراجہ۔ طوان۔ استراباد۔ ہمدان۔ شاہراہ۔ نہاوند۔ رے۔ طبرستان بیرون۔ اندرا۔ قومس۔ وامقان۔ جرجان۔ نیشاپور۔ سرخس۔ گنجہ۔ فیض ن۔ بخارا۔ سمرقند۔ شاہ آباد۔ کس۔ صنعانیان۔ ترمذ۔ ھرات۔ نہستار الزم۔ قمقم۔ خوارزم۔ سیستان۔ مداین۔ نصیبیہ۔ میصنۃ۔ حمص۔ دلنواز۔ وغیرہ مقامات میں بخوبی امام صاحب کا مذہب پھیلگیا۔ اور گروہ کے گروہ ان مذکورہ بالا شہروں سے امام صاحب کی زیارت کے لئے برابر چلے آرہے تھے۔ جب منصور نے یہ دیکھا اور لوگوں کی تیوری سلطنت کیطرف سے بدلی ہوئی پائی تو اُسے اندیشہ ہوا کہ کہیں ابوحنیفہ کی قید رنگ نہ لائے اور بے تعداد طلبہ میں اپنے استاد کی اس حالت سے کہیں جوش نہ پھیل جائے۔ اب اسکو بڑا فکر رہنے لگا۔ آخر اپنے فکر کی دوا یہ کی کہ بیخبری کیحالت میں امام صاحب کو زہر دلوا دیا جب زہر نے خون میں اثر کیا اور ضعف بڑھنے لگی تو آپ سمجھ گئے کہ مجھے زہر دیا گیا ہے

چنانچہ فوراً نماز پڑھنی شروع کر دی آپ سجدہ میں تھے کہ تعالیٰ جسم سے آپ کی مقدس اور پاک روح نے ہمیشہ کے لیے مفارقت کی۔

آپ کی وفات کی خبر ہوا نے تمام بغداد میں دور دور منتشر کر دی کسیکو یہ خبر نہ تھی کہ آپ کو زہر دیا گیا ہے نہیں آپ کے معتقد منصور سے خون بہا لیتے ٹڈیوں کے دل کیطرح لاکھوں آدمی جمع ہونے لگے حسن بن عمارہ قاضی شہر نے آپ کو غسل دیا تھا۔ سات بار آپکے جنازہ کی کئی کئی ہزار آدمیوں نے نماز پڑھی پھر بھی سلسلہ بند نہ ہوتا تھا۔ آخر عصر کے بعد آپکو دفن کیا امام کی وصیت کے مطابق خیزران میں آپ کو دفن کیا گیا۔ کامل تین مہینے تک جیسا حمید بن جوزی نے لکھا ہے لوگ آپ کے جنازہ پر نماز پڑھتے رہے۔ اس سے زیادہ مقبولیت کی اور کیا دلیل ہو سکتی ہے؟ امام صاحب کی فضیلت کی یہ کافی دلیل ہے کہ اس زمانہ میں آپ کے اکثر زندہ تھے جو ملک کے ہر حصہ میں امام تھے اور انکی وہاں زیادہ قدر ہوتی تھی تاہم امام صاحب کے آگے انکی شہرت مطلق نہ ہوئی۔ عموماً ہر قوم کی تاریخ میں دیکھا گیا ہے کہ ہر فاضل یا بہادر شخص کے مرنے کے بعد شہرت حاصل ہوتی ہے لیکن یہ کلیہ امام ابو حنیفہ پر غلط ہو گیا جب بنو امیہ اپنی سلطنت کو تلوار کے زور سے وسعت دے رہے تھے امام ابو حنیفہ اپنے علم و فضل سے مسلمانوں کے قلوب فتح کر رہے تھے جتنے امام ادھر ادھر بلاد اسلامیہ میں تھے۔ سب نے امام صاحب کے گزر جانے پر افسوس کیا اور طلبہ نے یکزبان ہو کر کہا کہ نبوی علوم کا سرپرست جاتا رہا۔" شہر بشہر ماتمی جلسے ہوئے اور بڑے بڑے اماموں نے ہمدردی کی۔

امام کا مقبرہ

ایک عرصہ تک تو امام کی قبر سادگی میں بنی رہی لیکن ۴۵۹ھ ہجری کے آغاز میں سلطان الپ ارسلان سلجوقی نے ایک بہت بڑا مقبرہ انکی قبر پر تعمیر کرایا اور اسکے قریب ایک کالج کی بنیاد ڈالی جسکا نام مشہد ابو حنیفہ رکھا۔ اسی زمانہ میں بغداد میں نظامیہ کالج کی بھی بنیاد پڑی تھی مشہد ابو حنیفہ میں ایک ایک وقت میں دس دس ہزار طلبہ پڑھتے رہے یہ مقبرہ بھی نہایت خوبصورت

بنا ہوا ہے گو مشہد ابو حنیفہ غیر آباد مدرسہ ہے۔ پھر بھی کئی صدی تک لاکھوں طلبہ فیضیاب ہوتے رہے ہیں فضیلت اسے کہتے ہیں کہ جب تک زندہ رہے۔ ہزاروں کو عالم بنا دیا۔ وفات کے بعد آپ کے طفیل سے علوم مختلفہ سے لاکھوں طلبہ صدیوں تک مستفید ہوتے رہے۔

امام صاحب کے مقبرہ کی شوکت زائرین کی آنکھوں میں اب تک چکاچوند کرتی ہے۔ آپ علم کا ایسا آفتاب چمکا گئے کہ جو نہ کبھی غروب ہوتا ہے نہ اسپر کوئی ابر غلیظ محیط ہوتا ہے لطف یہ ہے کہ دن بدن اسکی روشنی زیادہ ہوتی جاتی ہے۔ دنیا کی مردم شماری سے یہ بات بخوبی معلوم ہوگئی کہ بارہ کرور مسلمان حنفی المذہب ہیں اس سے زیادہ قبول عام کی اور کیا دلیل ہوگی؟۔

شیخ سعدی نے بھی اپنے سفرنامہ میں مشہد ابو حنیفہ کا حال لکھا ہے یہ وہ زمانہ ہے کہ عباسیہ حکومت کا خاتمہ ہو رہا تھا اور ہلاکو خاں کے دست ظلم تمام بغداد پر دراز ہو رہے تھے وہ لکھتے ہیں کہ شاہی محل اور حرم سرائیں منہدم ہو رہی تھیں اور بڑے بڑے امرائکے مکانات کی اینٹ سے اینٹ بج رہی تھی اس رستخیز اور قیامت انگیز حالت میں بھی مشہد ابی حنیفہ مقام امن تھا لاکھوں مسلمن غلہ تقسیم ہوتا تھا اور ہر شخص نہایت ادب سے وہاں قدم رکھتا تھا۔ حال کے شاہ ایران ناصرالدین قاچار نے اپنے سفرنامہ میں ذکر کیا ہے کہ میں ابو حنیفہ کے مقبرہ پر گیا اور میں نے مودب ہو کر سر جھکایا نذر گزرانی "یہ کشش مقناطیسی کہلاتی ہے کہ غیر مذہب بھی شہنشاہ ہو کر اتنی مدت کے بعد امام صاحب کے مقبرہ پر سر جھکانا اپنا شرف و افتخار جانتے ہیں۔

امام کی اولاد

حمید بن جوزی کے مطابق امام کی چھ اولاد تھیں مگر بچپن ہی میں سب ضایع ہوگئیں صرف ابراھیم بچے جنکو بعدازاں حماد کے نام سے شہرت ہوگئی۔ یہ بات لکھنے کے قابل ہے کہ امام کی تمام عمر صرف ایک ہی بیوی رہیں اور حسن اتفاق اور محبت سے آپ نے اپنی

بیوی کیساتھ گزاری وہ بھی مشرقی اور مغربی بلاد میں بہت مشہور ہے۔ ایک دن آپ کے دوست میمون ابراہیم کے بیٹے نے آپ سے دریافت کیا کہ آپ نے دوسرا نکاح کیوں نہیں کیا آپ نے فرمایا مجھے خوف ہے کہیں۔ مجھسے عدل میں کوتاہی نہ ہو، گو یقینی طور پر وہ عدل کر سکتے تھے لیکن خدا کا یہ قول انھیں ڈراتا تھا کہ "تم ہرگز عدل نہ کر سکو گے" ابراہیم اپنے بچوں کو جو کئی بچوں میں بچے تھے۔ امام صاحب زیادہ عزیز رکھتے تھے۔ یہ امام صاحب کی بڑی خوش قسمتی تھی کہ آپکا لڑکا ابراہیم جو بعد ازاں حماد کہلایا بچپن ہی سے سعادتمند اور کہا مان تھا اسکی میٹھی میٹھی باتیں جو بچوں کی بجو اس کیطرح بے سرویا نہ ہوتی تھیں پیارے والدین کی روح کو تازہ کرنیوالی تھیں۔ بسم اللہ پڑھانے والے کو آپ نے سات ہزار درہم دیئے امام صاحب اور آپ کی پیاری بیوی نے کچھ سال تک پہلے ادب آداب کی تعلیم دی اور علم مجلسی میں طاق کر دیا پھر سلسلہ وار علمی تعلیم دینی شروع کی۔ یہ ایک مسلمہ امر ہے کہ مہذب ماں کا شایستہ بچہ ہوتا ہے ابراہیم کی ماں کو ایک ہزار حدیثوں سے کچھ زیادہ یاد تھیں اور فقہی مسائل بھی ہزاروں ازبر تھے ابراہیم بچپن ہی سے زہد و تقوے کیطرف رجوع تھے۔ گو انھوں نے انیس برس کی عمر میں تکمیل علوم دینی کر لی تھی پھر بھی انھیں کچھ ایسا تحصیل علوم کا شوق تھا کہ انکا کوئی لمحہ علمی جستجو سے خالی نہ ہوتا تھا۔ انکے بھی ہزاروں شاگرد تھے۔ تجارت نے ایسا مالا مال بنا دیا تھا کہ انھیں درباداری کی تکلیف برداشت کرنیکی ضرورت نہ تھی گو سلاطین وقت نے عہدۂ قضا قبول کرنے کے لئے آپ سے تحریک کی لیکن آپکے کثرت مشاغل اجازت نہ دیتے تھے کہ قاضی بنیں۔

ٹھیک ٹھیک اندازہ نہیں ہو سکتا کہ آپ کی تجارت نے کہاں تک ترقی کی تھی ہاں اگر ہم حمید بن جوزی کا یقین کریں تو انکی تجارت دس اور گیارہ لاکھ درہم کے بیچ میں ہوتی تھی۔ جب امام ابو حنیفہ کی وفات ہوئی ہے تو آپکے لوگوں پر کاغذات حساب دیکھنے سے معلوم ہوا کہ ساڑھے تین لاکھ درہم آتے ہیں۔ ابراہیم نے فوراً اعلان دیدیا کہ میرے اپنے باپ کا روپیہ سب پر معاف کر دیا مجھے ایک کوڑی بھی نہیں چاہیئے اس سے زیادہ سخاوت

اور جوانمردی اور کریم النفسی اور کیا ہو سکتی ہے۔ پھر آپ نے لوگوں کی امانتوں کو جو امام صاحب کے پاس جمع تھیں سب کو فہرست کے مطابق ملایا اور قاضی شہر کے حوالہ کر دیا۔ اس نے کہا کہ ابھی اپنے ہی پاس رکھئے آپ نے فرمایا امانت کا بار اب نہیں اٹھایا جاتا۔ قاضی نے پھر اصرار کیا کہ نہیں ابھی آپنے رکھا ہوتا۔ اس پر بھی آپ نے قبول نہیں کیا اور آخر وہاں سے روپوش ہو گئے اور جب تک قاضی نے ہر شخص کو اسکی چیز نہ دیدی آپ ظاہر نہ ہوئے۔

آپ نے طلبہ کے ان وظیفوں کو برقرار رکھا کہ جو امام ابو حنیفہ کے سامنے تھے اور کسی میں ذرا بھی کمی نہ کی بڑے دار العلوم میں لیکچر دیا کرتے تھے۔ آپ کی معلومات بڑی ہوئی تھی آپ کی آواز میں تیزی اور اثر تھا۔ خوش بیانی بھی آپ پر ختم تھی۔ ہزاروں آدمی حتی کہ سلاطین وقت بھی آپ کے لیکچر میں شریک ہوتے تھے اور ہر ہر بات پر سر دھنتے تھے۔

آپ مختلف سبجکٹ پر لیکچر دیا کرتے تھے جسکے کئی لیکچروں کو حمید بن جوزی نے اپنی کتاب سیرۃ ایمہ میں نقل کیا ہے۔ اپر ایک دوربین نظر ڈالنے سے لیکچرار کی اعلےٰ درجہ کی قابلیت اور وسیع معلومات کا ایک ذخیرہ معلوم ہوتا ہے۔ یہاں ہم بسبب طول کے نہ انھیں نقل کر سکتے ہیں نہ اپر ریمارک کرنیکی جرات کر سکتے ہیں۔ صرف اسیقدر لکھنا کافی ہے کہ وہ ایک بہت بڑا متقی۔ محدث۔ فقیہہ۔ عالم۔ عامل۔ فاضل۔ سخی۔ ایماندار۔ سچا حامی دین مقدس نفس تھا۔ اس فاضل اجل علامہ دھر نے بماہ ربیع الاول سنہ ۱۷۶ھ میں وفات پائی۔

آپ کے کئی بچے پیدا ہوئے ان میں سے یہ بچے زندہ بچے۔ ابو حیان۔ اسمعیل۔ عمر۔ عثمان۔ اور تین لڑکیاں تھیں۔ لیکن انکا کہیں پتہ نہیں ملتا۔ یہ چاروں بچے باقاعدہ تعلیم حاصل کر کے علامہ دھر بنے۔ ان میں سے اسمعیل نے وہ عظمت اور علم و فضل حاصل کیا کہ خلیفہ ہارون الرشید نے جسکی قدردانی علوم کے یورپ میں بھی شاہد ہیں انھیں عہدۂ قضا پر مامور کیا۔ انکے فیصلے اور مقدمات پر رائے اور تفتیش و تحقیق نے تمام

سلطنت اسلامیہ کو انکا معتقد بنادیا۔ ہمہ خاندان آفتاب اسیکو کہتے ہیں۔ علاوہ اور صفتوں کے جو فضلا میں ہوتی ہیں ایک یہ صفت بھی بہت بڑی تھی کہ وہ مرد میدان تھے جب خلیفہ ہارون الرشید نے قسطنطنیہ کا محاصرہ کیا ہے تو میدان جنگ میں خلیفہ کے پہلو بہ پہلو انکا گھوڑا بھی جھومتا ہوا صلیب کے نشان کیطرف جاتا تھا۔ پولیٹیکل معاملات کی پیچیدگیاں چٹکیوں میں سلجھا دینا یہ انکے بائیں ہاتھ کا داؤں تھا زمانہ جو کچھ عزت ایک فاضل کو بخش سکتا ہے وہ اس علامہ کو حاصل تھی۔ میدان جنگ کا شہسوار اور بازی گاہ معاملات ملکی میں بازی لیجانیوالا یہی امام ہوا ہے۔ خلیفہ دو نسبتوں سے آپکی عزت کرتا تھا پہلی نسبت تو یہ تھی کہ آپ امام ابو حنیفہ کے پوتے تھے دوسری نسبت یہ تھی کہ آپ کے علم و فضل کا آفتاب نصف النہار پر چمک رہا تھا۔ یہ عزت دربار میں ان ہی کو حاصل تھی جیسا حمید بن جوزی نے لکھا ہے کہ خلیفہ اپنے پاس تخت پر بٹھاکر فخر کیا کرتا تھا۔ یہ ایک لطف کی بات تھی کہ ہر فرقہ اور ہر گروہ کا شخص آپ کو آنکھوں پر بٹھاتا تھا اور اپنا قبلہ وکعبہ جانتا تھا یونانی کتب کا ترجمہ بھی آپ ہی کی رائے سے ہونا شروع ہو گیا تھا۔ آپ نے ایک کتاب **فرائض سلاطین** نامی لکھی تھی جسکا ترجمہ شاہ چارلی نے (جو اسے خلیفہ کیطرف سے ہدیتہً دیگئی تھی) فوراً کراکے اپنی سلطنت میں شایع کیا۔ افسوس سے دیکھا جاتا ہے کہ انکی اعلےٰ درجہ کی تصانیف کا جسکا تذکرہ علامہ حمید بن جوزی نے کیا ہے یہاں پتہ نہیں لگتا جیسے امام ابو حنیفہ صاحب کی تصنیفات زمانہ کے دستبرد میں آگئیں اسیطرح آپ کے پوتے کی تصنیف کی ہوئی کتابیں بھی معرض زوال میں آگئیں اور پھر عنقا کیطرح مسلمانوں کی آنکھوں سے غائب ہو گئیں۔ وہ کتب خانہ کہ جو اندلس میں پادری ویہیز کے نامبارک اور جاہل جابر ظالم ہاتھوں سے جلا تھا۔ اسمیں مسلمانوں کی تصنیف کی ہوئی آٹھ لاکھ کتابیں موجود تھیں یقیناً اکثر ائمہ کی اور سائنس داں علما کی تصانیف جنپر اسلام ہمیشہ فخر کرتا چلا آئے پھنکر خاکستر ہو گئیں۔ وہ فتویٰ ہے جو ابراہیم (بعد ازاں حماد کے نام سے مشہور ہوئے)

مسائل مختلفہ میں دیئے تھے نظیراً اندلس میں عبدالرحمن کے عہد دولت مہد میں پیش کئے جاتے تھے یہ صحیح ہے کہ دارالخلافہ میں امام صاحب کے مذہب کی اشاعت نہ تھی لیکن پھر بھی انکے فیصلوں پر اکثر مقدمات میں عملدرآمد ہوا کرتا تھا۔ اور سلاطین اسلام ابراہیم کی زیارت کے لئے ترستے تھے۔

ہم آپ کی اولاد کا سلسلہ نہیں لکھتے ہاں اسقدر ضرور لکھتے ہیں کہ آپ کی نسل ہنوز موجود ہے اور ہزاروں ایسے خالص لوگ نکل آئیں گے کہ جنہیں آپ کی اولاد ہونیکا افتخار حاصل ہے دنیا میں یہ خاندان بھی اسقدر نام آور ہوا ہے کہ کہیں اسکی نظیر نہیں ملتی۔ کوئی ایسی مثال نہیں دکھائی دیتی کہ جو آپ کے خاندان سے دیجائے۔ ایسا مشہور و معروف خاندان مسیحی اور اسلامی دنیا میں کوئی نہیں ہوا۔ جسکے متعلد تیرہ چودہ کروڑ مسلمان ہوں جنمیں شہنشاہ۔ وزیر۔ شیخ الاسلام۔ فاضل عالم۔ اور جہان کے علما کا ایک وسیع اور قیمتی ذخیرہ پایا جائے۔ اسپر بھی مخالفین اپنے نامبارک جوشوں اور ذاتی عناد کے باعث آپ کے خاندان پر اپنے جلے پھپھولے پھوڑنے کی غرض سے زہر اگلے جائیں تو وہ جائیں اور ان کی قسمت۔

چوتھا باب

امام صاحب اور آپ کے فقہ کی نسبت بعض یوروپین کی رائے[1]

(مسٹر ہملٹن)

امام ابو حنیفہ نعمان بن ثابت کوفہ میں جو عراق کا قدیمی دارالخلافہ تھا سنہ ۸۰ ہجری مطابق سنہ[2] ۶۹۹ء کے پیدا ہوئے اسوقت چار صحابہ جنکی آنکھیں نبی عربی کے جمال پُر تنویر سے منوّر ہو رہی تھیں اور جنھوں نے نبی اکرم کی صحبت فیض درجت سے مدت تک استفادہ حاصل کیا زندہ تھے یعنے ایک انس ابن مالک بصرہ میں۔ دوم عبداللہ بن ابی اوفی جو کوفہ میں مقیم تھے، سوم سہل ابن سعد جو مدینہ منوّرہ میں موجود تھے۔ چہارم ابو طفیل ابن واثلہ جو مکہ معظمہ میں رہتے تھے یہ چاروں صحابہ امام کے زمانہ میں حیات تھے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ ان صحابہ سے امام نے کوئی حدیث روایت نہیں کی۔

مسلمانوں کے نزدیک امام ابو حنیفہ ایک زبردست اصول فقہ کا موجد گزرا ہے وہ پہلا شخص یہی ہے جسنے مدلّل طریقے سے قانون کے پائنٹ پر بحث کی ہے اور تمام دنیوی معاملات کو اس تحقیق اور تفحص سے قانون کی رسّی میں جکڑ دیا ہے کہ ایک تعجب معلوم ہوتا ہے مسلمان امام کی تعریف میں زیادہ ضابط نہیں ہیں کیونکہ وہ یہ کہتے ہیں کہ امام کو خاص خدا ہی کیطرف سے ایسی بخشش عطا ہوئی تھی۔ اور ان رحمانی برکتوں اور رحمتوں کا اثر تھا کہ جسنے امام کو ایسا فاضل فقیہہ بنا دیا۔ فاضل بن حمید لکھتا ہے کہ امام کا باپ ثابت شیر خوارگی کیحالت میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خدمت میں حاضر ہوا تھا۔ تاکہ آپ سے کچھ برکتیں

[1] ہدایہ چارلس ہملٹن صفحہ ۲۲ مطبوعہ لندن ۱۸۷۰ء۔

حاصل کرے۔ حضرت علی نے ثابت کو دیکھتے ہی فرمایا "اس بچہ کے جسم سے ایک ایسا نور چمکیگا کہ جس کی شعاعیں دور دور از ممالک کو منور کرینگی" امام کا اصل تو یہ ہے کہ بچپن ہی سے پڑھنے لکھنے کیطرف ایک زبردست میلان خاطر تھا اور آپمیں غیرمعمولی ذہانت بے وقعہ مگر دلپسند رحم کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا امام نے علم فقہ کی پہلی تعلیم بغداد میں امام ابو جعفر سے حاصل کی اور احادیث بوبہ عبدالله ابن المبارک سے گوش گذار کیں۔ جب امام پوری تعلیم پاچکا اور اسکی شہرت اور ناموری کی دھوم تمام بغداد میں مچ گئی تو وہ کوفہ میں واپس آیا اور یہاں سیول لائی خود تعلیم دینی شروع کی۔ علمائے شیعہ امام اور جعفر کی مخالفت کی نسبت یہ روایت بیان کرتے ہیں[۱]۔ ابو جعفر کے رحم۔ علم۔ متانت۔ سنجیدگی۔ شریفانہ برتاؤ محتاط معاشرت نے صدہا آدمیوں کو انکا گرویدہ بنادیا تھا۔ ابو جعفر کے پاس جب لوگ کثرت سے جمع ہونے لگے تو حکمران خلیفہ ڈرا اور وہ سمجھا کہ ایسا نہو کوئی نیا گل سلطنت میں کھلجائے اسنے چالا کہ ابو جعفر کی ناموری کو مات دیجائے اسنے امام ابو حنیفہ کو اکسایا کہ تم جعفر کے اصول کے خلاف ایک نئے مذہب کی بنیاد ڈالو میں تمہیں اسکا یہ صلہ عطا کروں گا چنانچہ ابو حنیفہ نے یہی کیا اور اپنے استاد کی مخالفت میں نئے مذہب کی بنیاد ڈالی۔ یہ روایت خواہ صحیح ہو یا غلط لیکن ایک تحقیق شدہ اور صحیح امر یہ ہے کہ شیعہ اور سنی اصول فقہ میں بہت بڑا فرق ہے اور یہ فرق ایک دوسرے کی مخالفت سے قایم نہیں ہوا ہے بلکہ دماغوں کی مختلف قابلیتوں کے سبب سے انکا باہمی اختلاف پایا جاتا ہے

[۱] یہ روایت جو شیعہ کی کتابوں سے ہملٹن نے نقل کی ہے محض بے سروپا اور لغو ہے۔ اول تو یہی غلط ہے کہ امام جعفر سے ابو حنیفہ نے فقہ یا اصول فقہ کی تعلیم پائی ہو کیونکہ امام جعفر ایک خدا پرست تارک الدنیا آدمی تھے انہیں فقہ اور اس کے اصول کے حاصل کرنے سے غرض کیا تھی اور ان کی رائے اس معاملہ میں قابل تسلیم ہوسکتی ہے یہ ایک ایسی بے بنیاد گھڑت ہے کہ جسکا سر نہ پیر چونکہ عیسائیوں کو مسلمانوں کی تنقیص میں مزا آتا ہے اسلئے انہیں ایسی ہی بے سروپا روایات کی تلاش رہتی ہے کہ جنکا نہ تاریخ میں پتہ ہے نہ عقل سلیم تسلیم کرنے کی جرات کرتی ہے بھلا بیچارے امام جعفر کو جنہیں رہبانیت نے اپنا گھر کرلیا تھا فقہ میں امام ابو حنیفہ سے نسبت ہی کیا ہوسکتی ہے۔ رہا خلیفہ کا ان سے بدظن ہونا یہ ایک پولیٹکل امر تھا جس کی نسبت ہم کوئی رائے دینے کے مجاز نہیں ہیں۔ بہر حال یہ ہمیں تسلیم کرنا پڑے گا کہ امام ابو حنیفہ نے جعفر سے تعلیم حاصل نہیں کی اور نہ خلیفہ وقت کے اشارہ سے ان کے خلاف کوئی اسکول قایم کیا (مولف)

امام متوسط قد اور جمیل تشکیل صورت کا شخص تھا۔ اسکی گفتگو پسندیدہ تھی۔ اسکی آواز میں لوچپن اور اثر پایا جاتا تھا۔ اس کا مزاج شریف اور متین تھا۔ وہ اپنے قول میں سچا اور وعدہ میں وفادار تھا۔ وہ اپنے رشتہ داروں اور دوستوں پر مہربانی کر کے خوش ہوتا تھا۔ اسکی سوسائٹی میں سوائے نیک چال چلن لوگوں کے اور کسیکا دخل نہ تھا۔ وہ سچے مسلمان کا دل سے فریفتہ تھا۔ اس شریفانہ مزاج اور اعلےٰ درجہ کی عادات اور حمیدہ صفات نے اسے تمام عالم کا عزیز بنا دیا اور سب کی نگاہوں میں اسکی بہت بڑی وقعت پیدا کر دی۔ امام کی پراز بحث قابلیتوں نے اسکی توقیر اور عزت اسکے شاگردوں کی نگاہ میں بڑھائی کہ جب امام مالک سے سوال کیا گیا کہ تم ابو حنیفہ کو کیسا جانتے ہو تو انھوں نے یہ فقرہ کہا "وہ ایک زبردست فقیہ تھا اس میں یہ قدرت تھی کہ اگر وہ لکڑی کے ستون کو چاہتا تو اپنی مسلمہ دلائل سے سونے کا کر کے دکھا سکتا تھا" امام شافعی نے بھی ابو حنیفہ کی نسبت باوجود اس مخالفت کے جو انھیں اصول فقہ میں امام سے تھی یہ رائے دی ہے "ابو حنیفہ سے جس علم میں کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا وہ علم قانون ہے" یہ ہر طرح سے بخوبی ثابت ہوتا ہے اور اسمیں شک کرنیکی کوئی وجہ نہیں ہے کہ ابو حنیفہ وہ شخص تھا کہ جسکو بدرجہ اعلےٰ نظری اور عملی سائنس فطرت کیطرف سے عطا ہوا تھا۔ وہ ایک ملائم اور منکسر المزاج اور متحمل دیندار۔ صالح۔ پرہیز گار۔ فیاض خطاپوش شخص تھا۔ وہ اور مجتہدوں سے اپنی ممتاز قابلیتوں۔ اور فقہ میں اعلےٰ درجہ رکھتا تھا۔ گورنر کوفہ نے ابو حنیفہ سے درخواست کی کہ آپ عہدۂ قضا قبول فرمالیں ابو حنیفہ نے انکار کیا۔ اسنے اس انکار پر ابو حنیفہ کو قید کر دیا دس دن تک وہ قید میں رہے اور روزمرہ انکو دس درّے لگتے تھے کہ اس تکلیف سے شاید یہ ججی کے لئے راضی ہو جائیں لیکن یہاں یہ تھا نہایت صبر اور تحمل سے برداشت کیجاتی تھی آخر مجبور ہو کر اسنے چھوڑ دیا۔ چند برس بعد خلیفہ منصور نے امام کو بغداد بلایا اور کہا کہ آپ عہدۂ قضا قبول فرمائیں امام نے صاف انکار کیا اس نے غصہ میں جیلخانہ بھجوا دیا اور یہاں ۱۵۰ھ ہجری میں آپ کا انتقال ہو گیا۔ کئی کتابیں آپنے

سیول اور مذہبی لیکچر کی تصنیف کی ہیں۔ اور وہ یہ ہیں اول مسند۔ اس کتاب میں خلاص اور اصلی نکات مذہب اسلام کے مذکور ہوئے ہیں جو قرآن مجید اور احادیث نبویہ کے اصول پر مبنی ہیں۔ دوم فلک العلم ہے جسمیں تعلیمی علم الٰہیات پر بحث کیگئی ہے اور خارجیوں کی غلطیاں مسلمہ دلائل سے ثابت کی ہیں اور ظاہر کیا ہے کہ خارجیوں نے علم شریعت میں بہت غلطیاں کی ہیں۔ سوم معلم ہے اسمیں دین اسلام کی عمدگی سوال وجواب کے طور پر بیان ہوئی ہے۔ امام کے خاص الخاص شاگرد امام ابو یوسف اور امام محمد تھے۔ ابو حنیفہ کے مذہب نے عراق میں پہلے اپنے ہاتھ پیر پھیلائے۔ لیکن بعد ازاں آپ کا مذہب اسیریا۔ افریقہ اور ماوراءالنہر میں پھیلگیا۔ اور ابو حنیفہ کے اصول فقہ کو موجودہ زمانہ میں۔ ترکی۔ تاتاری اور ہندوستان میں زیادہ رواج ہے۔

(ہدایہ فی الفروع)

الہدایہ جسکے لفظی معنے رہنما کے ہیں۔ عربی میں بہت سی فلسفیانہ اور علم الٰہیات کی کتابیں ہیں کہ جنکے نام الہدایہ پر رکھے گئے ہیں۔ مگر یہ موجودہ ہدایہ جسکو ہدایہ فی الفروع کہتے ہیں شیخ برہان الدین علی کا ترتیب دیا ہوا ہے جو ۵۳۰ھ مطابق ۱۱۳۵ء فرغانہ (ماوراءالنہر کا ایک شہر) میں پیدا ہوا تھا۔ اور ۵۹۱ھ میں اسکی وفات ہوگئی ایک بڑا جید قانون داں ہونے کیوجہ سے اسکی ناموری نے اپنے ہمعصروں کی شہرت کو مات دیدی۔ اسنے کئی کتابیں علم فقہ میں لکھی ہیں جو نہایت بے نظیر ہیں اور عجیب وغریب فیکشن سے پُر ہیں۔ اسکی کتاب کے دیباچہ کے مطابق جو اسنے ہدایہ کی نسبت لکھا ہے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ ہدایہ ہدایت المبتدی کی شرح ہے جو اسکی تصنیف کی ہوئی کتاب ہے۔

ہدایہ ایک عطر ہے ان حال کے مصنفوں کی کتابوں کا جنھوں نے علم فقہ پر طبع آزمائی کی ہے اور اس ہدایہ میں وہ نہایت باقاعدہ صورت میں مدون کردئے گئے ہیں اگرچہ انتظامیہ صورت میں یہ محض بے ربط اور غیر مسلسل ہے۔ اس میں تمام مجتہدین کی مختلف آرا اور ہر باب

کی بحث کا شمول کردیا گیا ہے اور ساتھ ہی اسکے اپنے خاص پہلوؤں پر لاکر ایک ایک علیحدہ دلیل سے ثابت کیا ہے ہدایہ کا مصنف خود بھی ایک مجتہد تھا اسنے اپنی رائے سے بھی مختلف مسائل میں فیصلہ کیا ہے جو دوسروں کے لئے بکار آمد نظیر ہے بہت سے مسائل ہیں وہ اپنی خالص رائے دیتا ہے اور جن میں وہ دوسروں کی رائے کو دخل نہیں دیتا۔ اپنی توضیح میں اسکا میلان بالکلیہ فقہ ابوحنیفہ یا اسکے خاص الخاص شاگردوں کے اصول کیطرف ہوتا ہے اور دراصل اسکی بڑی کتاب امام ابوحنیفہ کے اصول فقہ کا خلاصہ علاوہ چار مجتہدوں کے جنکی رائے فقہ میں وہ کوٹ کرتا ہے ابو یوسف اور محمد کی رائے ہے

امام ابو یوسف جو یعقوب بن ابراہیم کے نام سے مشہور ہے بغداد میں ۱۱۳ھ میں پیدا ہوا تھا۔ ابوحنیفہ سے اسنے فقہ میں تعلیم پائی اور بغداد میں ہادی کی سلطنت میں جو خلفائے عباسیہ کا چوتھا خلیفہ تھا قاضی مقرر ہوا ہادی کے بعد جب خلیفہ ہارون الرشید تخت سلطنت پر بیٹھا تو ابو یوسف قاضی القضات مقرر ہوا جسکو ہائی چینسلر یا چیف جسٹس کہہ سکتے ہیں۔ ابو یوسف پہلا امام ہوا ہے جسنے عہدہ قاضی القضات قبول کیا تھا ابو یوسف نے اپنی قانونی قابلیت سے انتظام کیا اور اس اعلے درجہ کا انصاف کیا کہ جسکی نظیر بہت کم پائی جاتی ہے اس سے پہلے قاضی اور مفتی کا لقب زیادہ مستعمل ہوتا تھا۔ اور ان لوگوں کو دیا جاتا تھا کہ جنکی علمی قابلیتیں انہیں قانون مرتب کرنے میں رستہ دیتی تھیں۔ عربوں میں تمام مقدمات کا فیصلہ مختلف طریقہ سے کیا جاتا تھا سردار قوم یا شیخ کو اپیل ہوتی تھی۔ اور وہ بطور خود اپنی رائے سے انفصال کرتا تھا ابو یوسف کی صلاح کے بموجب ملک کے تمام حصص میں دارالقضاؤں کی بنیاد پڑی تاکہ وہ دل دہی سے مقدمات کی شنوائی کریں اور خوب انصاف اور عدل سے فیصلے کریں۔ ابو یوسف خود چیف جسٹس بنا اور خاص خلیفہ کے شہر میں متمکن ہوا۔ اور تمام قاضی اور مفتی اسکے ماتحت مقرر ہوئے۔ قانون کے ڈاکٹروں کے لئے ایک خاص پوشاک تجویز کیگئی اور اس پوشاک میں خاص علامتیں ایسی بھی رکھی گئیں

کہ جنسے یہ ثابت ہو کہ یہ فلاں درجہ کا مفتی ہے اور فلاں درجہ کا قاضی ہے۔ گو بہت سے مسائل ہیں ابو یوسف اپنے استاد ابو حنیفہ سے مختلف ہے پھر بھی اسکا رجحان حنفی فقہ کیطرف ہے اور وہ اکثر مسائل میں اپنے استاد ہی کے اصول کی تقلید کرتا ہے اسکے باعث سے حنفی مذہب تیزی سے عراق اور ایران میں پھیل گیا۔ ابو یوسف نے صرف اپنی علمی قانونی قابلیتوں ہی میں ناموری حاصل نہیں کی بلکہ اسنے دولت کثیر بھی جمع کی۔ اور چند سال میں بے تعداد روپیہ فراہم کر لیا۔ ابو یوسف بڑا تیز ذہن۔ اعلےٰ درجہ کی لیاقت رکھنے والا مصلحت وقت سمجھنے والا۔ اور مقدمات کو نہایت ہوشیاری اور انصاف سے فیصلہ کرنیوالا تھا ایک شب میں اسنے پچاس ہزار طلائی دینار اپنے ایک فیصلہ کی فیس کے لئے تھے۔ (ایک دینار کی قیمت ۹ شلنگ چھ پنس کی ہوتی ہے۔)

امام ابو عبداللہ محمد بن حسین الشعبانی (جنکو عموماً امام محمد کہتے ہیں) واسط عراق عرب کے ایک شہر میں ۱۳۲ھ میں پیدا ہوئے تھے اسنے علم فقہ میں ابو حنیفہ سے تعلیم پائی اور بعد ازاں بغداد میں ایک کالج کا نگراں مقرر ہوا اسنے اپنی وسیع اور زبردست لیاقت سے جو اسے احادیث نبویہ میں حاصل تھی اپنی ناموری کا (اسلامی بلاد میں) ڈنکا بجایا۔ اور صوبہ خراسان میں خلیفہ ہارون الرشید نے آپ کو قاضی القضات مقرر فرمایا اس بے نظیر اور قابل شخص نے انتہا درجہ کی لیاقت ہونے پر بھی اپنی توجہ علم سیکھنے کیطرف مبذول رکھی اور لاکھوں روپیہ سائنس کی پیروی میں صرف کر دیا اور اپنے پروفیسرس کو بے تعداد روپیہ دیا۔ تین برس تک امام محمد نے امام مالک سے تعلیم حاصل کی۔ اس فاضل امام کا اختلاف اپنے بڑے استاد ابو حنیفہ سے مسائل فقہی میں بہت ہی کم پایا جاتا ہے ہاں اپنے کلاس فیلو امام یوسف سے بعض بعض مسائل میں اختلاف کیا ہے۔ شافعی نے اپنے اصول میں امام محمد کا زیادہ عزت سے ذکر کیا ہے۔ ۱۸۹ھ ہجری میں دار الخلافہ خراسان میں اس فاضل امام کی وفات ہوگئی جہاں ہنوز اسکا مقبرہ موجود ہے وہ کتابیں جو خصوصیت سے ہدایہ میں بطور حوالہ بیان کیگئی ہیں۔ یہ ہیں۔

مبسوط۔ جامع صغیر۔ جامع کبیر۔ زیادت۔ نوادر۔ اور حاشیہ قدوری ہے۔

مبسوط جسکو ابو الحسن علی بن محمد نے مدوّن کیا تھا اور جسکو فخر الاسلام کا خطاب تھا لقب بضاوی سے مشہور زمانہ ہے ۔ یہ لقب اسکے وطن بیضہ کی نسبت سے جو ماوراء النہر کا ایک قلعہ ہے مشہور ہوا تھا۔ اس کتاب مبسوط کی گیارہ جلدیں ہیں۔ اس میں ایک کامل سلسلہ شریعت محمدی کا شامل ہے اور جتنے اصول اسمیں مدون ہوے ہیں وہ سب حنفی مذہب پر مبنی ہیں اسکا مصنف حنفی المذہب ہونیکا افتخار رکھتا تھا۔

جامع کبیر میں سالہ جسمیں روایات صحیح میں ایک مجموعہ شامل ہے اور اسی سبب سے جسکو جامع صحیح بھی کہتے ہیں جیسے محمد بن عیسےٰ الترمذی کا تصنیف کی ہوئی ہے جو سنہ ۲۶۰ھ میں تصنیف ہوئی تھی۔ بیان کیا جاتا ہے کہ جب یہ کتاب تیار ہوگئی تو مصنف نے عرب اور ایران کے مختلف پروفیسروں کے پاس اس کتاب کو بھیجا تاکہ وہ جانچیں اور دیکھیں کہ یہ کتاب کتنی عمدہ اور مفید ہے چنانچہ انھوں نے اس کتاب کو پسند کیا اور مفید پایا۔ اور بھی بہت سی کتابیں اسی نام کی اور ایک ہی مضمون پر لکھی گئیں لیکن یہ خاص کتاب زیادہ معتبر اور صحیح مانی جاتی ہے۔

جامع صغیر۔ بھی اسی مضمون پر ایک کتاب ہے جو نہایت دقیق اور تفصیل وار تکمیل پر مبنی ہے اسکے مصنف کا کچھ صحیح صحیح پتہ نہیں کھلتا۔ یہ کتاب بہت عزت سے دیکھی گئی ہے اور اسکے اصول کی ترکی۔ افریقہ۔ عرب۔ ایران اور ہندوستان میں تقلید کیجاتی ہے۔

یہ چار کتابیں ہیں کہ جنسے ہدایہ والا لقب اسند پکڑتا ہے اور دراصل یہ کتاب یعنے ہدایہ ان کتابوں کا انتخاب ہے نوادر کا لقب ان چار کتابوں پر عائد کیا جاتا ہے جنمیں روائتیں اور قانونی نوادر شامل ہیں شرح قدوری جسکو قدوری بھی کہتے ہیں اپنے مصنف احمد بن محمد قدوری کے نام سے مشہور ہے۔ یہ دراصل امام ابو یوسف کی کتاب آداب القاضی کی شرح ہے اور یہ بھی کتاب حنفی مذہب کی ایک مسلم اور مستند کتاب ہے۔ سنہ ۳۲۰ ہجری میں اس کتاب کی اشاعت ہوئی تھی۔ لیکن کہاں یہ کتاب شائع ہوئی تھی اسکی کچھ تحقیق نہیں۔

جن لوگوں سے کہ روایت لیگئی ہے۔ انکی تعداد تفصیل وار اس کتاب کے سلسلہ میں درج ہے

وہ اشخاص کہ جنسے روایت نقل کیجاتی ہے چار خلیفہ اور کئی صحابہ ہیں جنمیں سے زیادہ معزز عبد اللہ بن عباس ہیں کہ جو حضرت علی کے ساتھ جنگ معاویہ میں موجود تھے اور ان سے حضرت علی کو بہت مدد ملتی تھی۔ انکا انتقال ۶۸ھ میں ہوا۔ دوسرے عبد اللہ بن مسعود ہیں کہ جنکو ابو عبد الرحمن بھی کہتے ہیں جنھوں نے مصیبت کے وقت میں نبی عربی کا ساتھ دیا تھا اور آپکے معتقدین کو شاہ نجاشی کے ہاں پناہ دلوائی تھی۔ اور پھر خود آکر نبی عربی کیخدمت میں مدینہ حاضر ہوگئے تھے۔ ۳۲ھ میں انکا انتقال ہوگیا یہ علم قرآن وحدیث میں زیادہ نامآور تھے۔

تاج الشرع حسن الملقب بہ بخجتری قانون کا ایک ناموراور اعلے درجہ کا معلم تھا۔ یہ خراسان کا باشندہ تھا اور یہیں سے یہ لقب اسنے پایا تھا۔ پہلے خراسان کو بخجتر کہتے تھے جسکے معنے مشرق کے ہیں ابو بکر احمد مذہب حنیفہ کا ایک زبردست رکن تھا اسنے ایک کتاب ابو یوسف کی کتاب کے نام پر تصنیف کی ہے اور اسی ایک مضمون آداب القاضی پر اسنے اپنی کتاب میں بحث کی ہے۔ جسکا ابھی بیان ہوچکا ہے۔ اس کتاب میں ابو حنیفہ صاحب کے تمام اصولوں کو مثالیں دے دے کر اور بحثیں کرکر کے ثابت کیا ہے۔

ابو جعفر ہندوانی جسنے اپنا لقب اپنے مولد ہندوان کی نسبت سے (جو خراسان کا دار الخلافہ تھا) رکھا تھا ایک بہت بڑا عالی بلیغ فاضل گزرا ہے اپنی قابلیت اور لیاقت اور وسیع معلومات سے ماوراء النہر کے تمام اضلاع میں مفتی شمار کیا جاتا تھا اور یہاں تک علم فقہ اور اجتہاد میں اسکو اعلے رتبہ حاصل ہوگیا تھا کہ وہ ابو حنیفہ ثانی کہلاتا تھا۔ ۳۶۲ہجری میں بمقام بخارا اسنے وفات پائی بیان کیا جاتا ہے کہ اسکے حالت مرض میں یہودیوں اور مشرکین کے بڑے گروہوں نے دین اسلام قبول کیا تہا اور انکا ایمان لانا صرف اسکی نیکی۔ تحمل مہمان نوازی۔ علم دوستی اور فنا فی العلم دیکھنے پر مبنی تھا۔ انھی نیکیوں کیوجہ سے انھوں نے دین اسلام میں آنا قبول کیا۔

ابو محمد القاسم جنکو ابو ہریرہ بھی کہتے ہیں اپنے مولد کی نسبت ابو ہریرہ کے نام سے مشہور ہوئے تھے

وہ دراصل ہرات کے (فارس ہیں) رہنے والے تھے اور اسلیئے انکا لقب ابو ہریرہ ہی پڑ گیا۔ یہ فاضل شخص بصرہ میں ۴۴۶ھ ہجری میں پیدا ہوا۔ اس فاضل نے ابو شیرواں خالد وزیر سلجوقی سلطان محمود کے حکم سے ایک کتاب مقامات نامی تصنیف کی جسمیں پچاس سایل قانون اور اخلاق کے مختلف مضامین پر ہیں تمام قانونی مباحث میں اسکی آرا زیادہ وزن رکھتی ہیں۔ یہ فاضل فقیہ مصر کے ایک شہر میں قاضی تھا۔

عبداللہ بن مبارک جسکو عموماً ابن المبارک بھی کہتے ہیں ایک اعلی درجہ کا رحیم اور رقیق القلب شخص تھا جسکی عراق عرب میں وفات ہوئی۔ اس کریم النفس فاضل کی قبر ہنوز عراق عرب میں موجود ہے جسکی زیارت کے لئے دور دور سے مسلمان آتے ہیں۔

یہاں تک مسٹر ہلٹن کی رائے امام ابو حنیفہ صاحب اور آپ کے شاگردوں اور مذہب کی بابت ہوئی۔ مسٹر ہلٹن کی یہ رائے کہ امام نے دس برس تک امام جعفر سے بغداد میں تحصیل علوم کی محض غلط اور لغو ہے اسلیئے کہ کسی اسلامی تاریخ اور نوشتہ سے اب تک یہ نہیں معلوم ہوا کہ امام اعظم نے امام جعفر کے آگے زانوئے شاگردی طے کیا ہو۔ نہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ امام جعفر کے ہاں درس و تدریس کا سلسلہ بھی جاری ہو۔ بلکہ مختلف شیعہ مذہب کی کتابوں سے امام جعفر کی نسبت ہم یہ رائے قایم کرسکتے ہیں کہ وہ ایک نیک صالح۔ دیندار۔ خلیق فقیر طبیعت تھے۔ انھیں علم سے کچھ سروکار تھا نہ انھوں نے کبھی اس کی طرف توجہ کی۔ ہاں یہ اور بات ہے کہ انھوں نے اپنی خاندانی روایات کا کچھ ذخیرہ اپنے معتقدین کے لئے چھوڑا ہو۔ کسی تاریخ سے یہ ثابت نہیں ہوتا ہے کہ امام نے فلاں علم امام جعفر سے تحصیل کیا ہے جسکی تائید ابن تیمیہ نے بہت دھوم دھام سے کی ہے چنانچہ وہ لکھتا ہے کہ "امام ابو حنیفہ اور امام جعفر سے علمی حیثیت سے کوئی نسبت نہ تھی وہ انکے ہمسر تھے پھر نہیں سمجھ میں آتا کہ امام اعظم نے جعفر سے کچھ پڑھا ہو"۔ یہ امر صحیح معلوم ہوتا ہے اسلیئے کہ جو مورخ اسکے قایل ہیں کہ امام اعظم نے حضرت جعفر صادق سے کچھ پڑھا ہے وہ یہ نہیں لکھتے کہ فلاں فلاں علم تحصیل کیا ہے مولانا شبلی صاحب پر بھی حضرات شیعہ کا اسقدر اثر ہوا

کہ انھوں نے بھی آنکھیں بند کرکے بے بنیاد لکھ مارا چنانچہ وہ اپنی کتاب **سیرۃ النعمان** میں لکھتے ہیں[۱] "لیکن یہ ابن تیمیہ کی گستاخی اور خیرہ چشمی ہے امام ابو حنیفہ لاکھ مجتہد اور فقیہ ہوں لیکن فضل و کمال میں انھیں جعفر صادق سے کیا نسبت؟ حدیث و فقہ بلکہ تمام مذہبی علوم اہلبیت کے گھر سے نکلے و صاحب البیت ادری بما فیہا"

واقعات کو نظر انداز کرکے کس دلیری سے لکھا گیا ہے کہ امام ابو حنیفہ سے کیا نسبت۔ مورخ کی ہرگز یہ شان نہیں ہے کہ وہ محض بے تکی سنی سنائی باتیں زبان سے نکالے۔ صرف یہی شرف کافی نہیں ہے کہ وہ اہلبیت میں سے تھے اسلام میں اس امتیازیہ درجہ کو اڑا دیا ہے اعمال اچھے ہونے چاہئیں۔

دوسری بات ہملٹن نے یہ لکھی ہے کہ منصور کے کہنے سے امام ابو حنیفہ نے ایک مدرسہ اصول جعفری کے خلاف بنیاد ڈالی یہ بھی حضرات شیعہ کی تک بندیاں ہیں۔ ورنہ کسی تاریخ میں اسکا پتہ نہیں لگتا۔

بہرحال جو کچھ امام صاحب کے کمال اور علم کی نسبت ہملٹن نے رائے دی ہے وہ قدر کے قابل ہے اور ایسی ہے کہ اسکو دیکھکر حضرات شیعہ شرمائیں۔ عیسائی ہوکر وہ تو امام صاحب کی فضیلت اور علم کا یہانتک قایل ہو اور بعض خیرہ چشم شیعہ انکی نسبت اپنی نافہمی سے نئے نئے الزام عائد کرنیکی کوشش کریں مسلمانونکی بدقسمتی کا یہ ایک کامل ثبوت ہے کہ وہ لوگ جنکو مسلمان ہونیکا افتخار حاصل ہے اپنے اماموں اور مجتہدوں کو جنکی عظمت اور علمیت کی یورپ میں دھوم مچی ہوئی ہو جنکے اجتہاد اور معاملات میں دوربینی کو یورپین دار العلوموں میں وقعت کی نظر سے دیکھا جاتا ہو انکی نسبت اپنی جلے پھپولے پھوڑنے کیلئے من گھڑت باتیں بنائی جائیں اور اس والاشان ذات کے تقدیسی دامن پر بے علمی اور غلط اجتہادی کا بدنما دھبہ لگایا جائے شرم کی جگہ ہے کہ ہم تو اپنے علما کی عزت نکریں اور غیر قومیں اپنے معمولی پڑھے ہوؤں کو آسمان پر چڑھا دیں ہمارے ضعف کی بڑی وجہ یہ ہے کہ بزرگوں کا ادب ہماری طبائع سے جاتا رہا اور جو غیر محدود احسانات انھوں نے ہمپر کئے تھے انکو جان جانکر ہمنے بھلا دیا ہمیں مسلمان نہ کہنا چاہئیے بلکہ ان صفتوں پر ہمیں احسان فراموش اور محسن کش کہنا چاہئیے

[۱] سیرۃ النعمان صفحہ ۴۵۔

میجر رابرٹ ڈیوری اشبرن

امام ابوحنیفہ نعمانی ۸۰ ہجری (۶۹۹ء) میں پیدا ہوئے آپ ایران کے شریف خاندان میں سے تھے بصرہ آپ کی پیدائش کی جگہ تھی سولہ برس کی عمر میں آپ نے حج بیت اللہ کیا تھا امام بڑا فاضل اور نیکو کار تھا۔ پرہیزگاری۔ نفس کشی۔ طاعت و شغل اور خدا سے خوف کھانے میں بہت مشہور تھے۔ آپ کا مزاج نہایت منکسرانہ تھا۔ اپنے کل کام خداوند تعالیٰ کی رضا کے مطابق کرنے میں بہت مستحکم اور وفا شعار تھے یعنے اپنے ہر کام میں خدا کی رضا جوئی میں رہتے تھے اسکے علاوہ امام جمیل اور حسین شکل اور پسندیدہ ساکھی تھا۔ نہایت معزز اور اپنے مسلمان بھائیوں پر زیادہ مہربان۔ آپ کا قد متوسط اور رنگ گندمی تھا۔ کوئی شخص آپ کیطرح فصاحت و بلاغت سے یا شیریں لہجہ اور خوش آوازی سے نہ بول سکتا تھا۔

آپ کی زندگی کا بڑا کام آپ کو ایک خواب میں افشا ہوگیا جیسا نیک مسلمانوں کو ہمیشہ ہوجایا کرتا ہے۔ امام نے خواب میں دیکھا کہ میں رسول اللہ کی قبر کھود رہا ہوں اسکی تعبیر جب دریافت کرائی تو معلوم ہوا کہ آپ ایک ایسے نئے علم کی ایجاد کرینگے جو پہلے کبھی نہیں ہوا۔ (تعبیر گو نے ابوحنیفہ کو یہہ تعبیر بتائی)

امام نے اپنی زندگی کا بہت بڑا حصہ کوفہ میں صرف کیا اور آپ نے اپنے علم اور قانون کیوجہ سے ایک بہت بڑی شہرت حاصل کرلی۔ اور نہایت زیرکی اور تیز فہمی سے امام نے اپنے قانون فقہ اور شریعت میں مطابقت کرنیکی کوشش کی۔ یا طریقہ مطابقت کے حاصل کے کام میں لانے میں زیرکی اور تیز فہمی کو کام فرمایا۔ مالک بن انس نے امام کی نسبت کہا ہے "امام میں لیاقت و قابلیت کا تھا کہ اگر وہ اس ستون کو لیتا اور سونے کا کر کے دکھانا چاہتا تو اپنے لائل مسلہ سے سونے کا کر کے دکھا دیتا۔ اور اپنے دعوے کے جتنے ثبوت دیتا وہ سب قابل تسلیم ہوتے۔ تو بھی مثل علمائے دین کے امام اپنے قانونی علم کو عملی صورت میں لانے سے جھجکا۔ بیشمار حدیثیں موجود ہیں جنسے اس مسلمان کی ذمہ داریاں اور فرایض معلوم ہوتے ہیں جو مسند حجت

بیٹھے۔ اور وہ دہشت انگیز سزائیں یا مہیب عقوبتیں جو قاضی کے لئے ہر وقت منتظر رہتی ہیں ادھر شریعت کے رستے سے ذرا اُٹھا اور اُدھر عقوبتوں نے دبوچا۔ جیسے کہ ایک حدیث میں آیا ہے، "وہ شخص جو لوگوں پر جج مقرر کیا جائیگا یقیناً بغیر چاقو کے قتل کیا جاتا ہے اور قیامت کے دن منصف جج یا قاضی پر بھی وہ خوف اور دہشت طاری ہوگی کہ وہ چاہیگا" کاش خدا مجھے ایک ہی تاریخ میں دو شخصوں کے درمیان فیصلہ کرنے کے لئے نہ پیدا کرتا۔ دوا سلئے

کوئی جج ایسا نہیں ہے جو لوگوں میں انصاف سے یا ناانصافی سے حکم کرے مگر قیامت کے دن وہ خدا کی درگاہ میں حاضر ہوگا۔ ایک فرشتہ اسکی گردن پکڑے ہوئے ہوگا اور اسکا سر آسمانوں سے بھی بلند کئے ہوئے ہوگا اور خدا کے احکام کا منتظر ہوگا کہ آیا اسے جہنم میں پھینک دے فرشتہ یہ کام چالیس دن کی بلندی کی راہ سے کریگا۔"

لاجرم جب ابن عمر بن ھبیرہ نے جو خاندان امیہ میں سے دو عراقوں کا آخری گورنر تھا امام ابو حنیفہ کو کوفہ کا قاضی مقرر کرنا چاہا تو آپنے انکار کیا گورنر اس انکار پر خشم آگیں ہوا اور حکم دیا کہ امام پر عام طور پر اسوقت تک روزمرہ کوڑے مارے جائیں جبتک قاضی بنا قبول نکرے۔ روزمرہ ابو حنیفہ پر دس کوڑے لگنے لگے یہانتک کہ کوڑوں کا شمار ایک سو دس تک بڑھ گیا جب امیر نے دیکھا کہ ہنوز ابو حنیفہ کو اپنے انکار پر مصر پایا اور انکی جرات نامخلوب دیکھی تو ناچار آپکو چھوڑ دیا۔ امام احمد بن حنبل جب اس واقعہ کا ذکر کرتے تھے رونے لگتے تھے اور امام کے لئے

لہ یہ مفصلہ ذیل حکایت ان اثرات اور جذبات دلی کی سچی مثال بنانے کے لئے بہت قیمتی ہے جو ان روایتوں یا اس ہی قسم کی اور روایتوں سے پیدا ہوتے ہیں اسکے علاوہ اِنسی اسلامی طرق اور عادات صفات اور خیالات کی ایک عجیب تصویر کھینچتی ہے جب عمرو بن عبد العزیز خلیفہ تھے آپنے عادی کو لکھا جو عراق میں بعہدہ لیفٹننٹ مقرر تھا کہ ایک جلسہ منعقد کراوے ابن معاویہ اور قاسم ابن ربیع کو بلائیں جو ان میں سے لایق اور قابل ہو بصرہ کا قاضی مقرر کرو۔ خلیفہ کے حکم مطابق جلسہ ہوا ابن معاویہ نے عادی سے کہا اے امیر تو مصر کے دو بڑے بڑے علما حسن بصری اور محمد بن سیرین سے میری بابت اور قاسم کی بابت رائے طلب کر کیونکہ قاسم بار ہا انسے ملنے جاتا رہا ہے مگر میں کبھی نہیں گیا۔ قاسم ہرگز رضامند نہ تھا کہ میں قاضی بنوں اور اسے یہ بھی معلوم تھا کہ مصر کے یہ علما مجھے ہی عہدہ قضا کے لئے نامزد کرینگے۔ چنانچہ وہ فوراً بولا میری بابت دریافت کرنیکی کوئی ضرورت نہیں ہے کیونکہ خدا برحق گواہ ہے کہ ابن معاویہ اعلیٰ درجہ کا قابل اور لائق ترین فقیہہ میری نسبت ہے اور مجھسے بہتر قاضی کے فرایض سے واقفیت تامہ رکھتا ہے۔ اب جو کچھ میں نے کہا ہے اگر وہ غلط ہے تو تم مجھے شرایط عراق کے مطابق عہدہ قضا ہرگز نہ دو تمہیں دس سکے کرنے نکرنیکا اختیار ہے! اس پر ابن معاویہ نے کہا "اے امیر تم نے جھوٹی قسم کھلانے سے ایک شخص کو تباہی اور بربادی کے ساحل پر پہنچا دیا اور یہ اب اس خوف سے بچتا ہے جسمیں پھنس گیا ہے جسکے لئے وہ خدا سے التجا کرتا ہے کہ خدا اسے بچا دے۔ عادی نے کہا جبکہ تم نے یہ معلوم کرلیا ہے تو تم ہی عہدہ قضا کے قابل ہو چنانچہ ابن معاویہ قاضی بنائے گئے۔ از ابن خلکان ...

مغفرت کی دعا خدا سے کرتے تھے۔

جب بنو امیہ کی پامالی ہوئی اور بنو عباس کا دور دورہ شروع ہوا۔ ابو حنیفہ پہلے سے بھی زیادہ اپنی زندگی کے قریب الوقوع جوکھوں اور خطرہ میں تھے اتفاق سے امام ابو جعفر کے چند پیارے درباریوں کے عناد اور خواہ مخواہ حسد میں آگئے تھے۔ امام سے حسد اور عناد ہونیکی وجہ امام کی حاضر جوابی میں تیزی تھی ابو یوسف جو امام ابو حنیفہ کے اعلےٰ شاگرد تھے اس واقعہ کے اسطرح ناقل ہیں۔ ابو جعفر المنصور نے امام ابو حنیفہ کو دربار میں بلایا۔ اور ربیع حیمبرلین نے جو امام کیطرف سے عناد رکھتا تھا یہ کہکر منصور کے آگے امام کو پیش کیا "اے امیر المومنین یہہ ابو حنیفہ آپکے جد امجد ابن عباس کے خلاف رائے دیتا ہے جسکا یہ مذہب تھا کہ جب ایک شخص کسی بات پر قسم کہالے اور دو ایک روز کے بعد انشاء اللہ کہلے تو وہ قسم میں داخل سمجھا جائیگا اور قسم کا پورا کرنا کچھ ضرور نہ ہوگا ابو حنیفہ اسکے خلاف فتوے دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ انشاء اللہ کا لفظ قسم کے ساتھ ہو تو البتہ جزو قسم سمجھا جائیگا ورنہ لغو اور بے اثر ہے۔

ابو حنیفہ نے کہا امیر المومنین ربیع کا خیال ہے کہ لوگوں پر آپکی بیعت کا کچھ اثر نہیں منصور نے کہا یہہ کیونکر امام نے کہا اس کا گمان ہے جو لوگ دربار میں آپ کے ہاتھ پر بیعت خلافت کرتے ہیں اور قسم کہاتے ہیں گھر پر جا کر انشاء اللہ کہلیا کرتے ہیں جس سے قسم بے اثر ہو جاتی ہے اور اُنپر شرعاً کچھ مواخذہ نہیں رہتا۔ منصور ہنس پڑا اور ربیع سے کہا کہ تم ابو حنیفہ کو نہ چھیڑو ان پر تمہارا داؤں نہیں چل سکتا۔ امام صاحب دربار سے نکلے تو ربیع نے کہا آج تو آپ میری جان ہی لیچکے تھے۔ فرمایا یہ تو تمہارا ارادہ تھا کہ میرے خون سے زمین رنگی جائے مگر مجھے دیکھو کہ میں نے نہ صرف اپنے کو بلکہ تمہیں بھی بچا دیا۔

امام کی زندگی پر دوسری کوشش مفصلہ ذیل کی گئی ایک درباری شخص ابو العباس نامی ابو حنیفہ سے بہت حسد رکھتا تھا اور جس سے امام بھی واقف تھا کہ یہ میری تاک میں لگا رہتا ہے ایکدن ابو العباس نے امام ابو حنیفہ کو المنصور کے دربار میں دیکھکر کہا کہ آج میں ابو حنیفہ کی دربار میں گردن

مروا دوں گا سمجھے۔ ابوحنیفہ کیطرف متوجہ ہوا اور یہ کہا۔" ابوحنیفہ آپ یہ بتائیں اگر امیر المومنین کسی شخص کو کسی مجرم کے قتل کرنیکا حکم دیں قتل کرنیوالے شخص کو یہ نہ معلوم ہو کہ یہ خون حق گرایا جاتا ہے یا ناحق آیا شریعۃ غرا کے مطابق اسپر تعمیل حکم امیر المومنین کرنی واجبات سے ہے یا نہیں"؟ ابوحنیفہ نے جواب دیا۔ ابوالعباس تم مجھسے یہ بیان کرو کہ امیر المومنین نے جو حکم دیا ہے وہ حق ہے یا ناحق ہے؟ ابوالعباس نے جواب دیا" امیر المومنین نے حق پر حکم دیا" پھر ابوحنیفہ نے کہا جب یہ بات ہے تو اس شخص پر جسے خلیفہ نے حکم دیا ہے تعمیل حکم خلیفہ واجب ہو گئی" پھر امام نے ان لوگوں سے جو وہاں حاضر تھے یہ کہا اس شخص نے مجھے پھنسانا چاہا تھا مگر میں نے اسے ہی بند کر دیا۔ امام کی حاضر جوابی کی قوت اور ردجواب کی تیزی نے ان دو خطرناک موقعوں سے اسکی جان بچائی مگر آخر کار وہ خلیفہ کے ظلم وستم سے نجات نہ پا سکا۔ جب المنصور بغداد کے محلات کی تکمیل کر چکا اور اسلامی دارالخلافہ کے پُر جلال شان میں کسی قسم کی کمی نہیں رہی اسنے ارادہ کیا کہ عراق کے عظیم الشان فقیہہ کو قاضی شہر مقرر کروں۔ امام ابوحنیفہ نے عہدہ سے سبکدوش ہونے کے لئے اپنی ناقابلیت کا اظہار کیا۔ خلیفہ نے کہا" تم جھوٹ بولتے ہو تم ہر طرح سے قابل ہو" ابوحنیفہ نے جواب دیا" آپ نے اب میرے موافق اور اپنے خلاف فیصلہ کر دیا ہے۔ کہا یہ آپ کو شرعاً واجب ہے کہ آپ ایک جھوٹے کو ان لوگوں پر قاضی مقرر کریں جنہیں خدا نے اے امیر المومنین تیری حفاظت میں سونپا ہے" یہاں ردجوابی بوڑھے امام کی کچھ کام نہ آئی خلیفہ نے مظلوم اور بیگناہ امام کو قید خانہ بھجوا دیا جہاں چند دن کے بعد ۱۵۰ھ ہجری مطابق ۷۶۷ء امام کا انتقال ہو گیا۔

ابوحنیفہ عراق کے ان فقہا کا باپ اور استاد تھا جو اسلامی تاریخ میں فقہائے عراق کے نام سے مشہور ہیں۔ امام نے مالک بن انس سے حدیثوں کو روایت کرنے اور انہیں قانونی سلسلہ میں عمل میں لانے سے اختلاف کیا اور کل احادیث میں صرف اٹھارہ حدیثیں اپنے فقہ کی ہمزبان تائید قرار دی گئی ہیں اور اپنے فقہی سلسلہ میں ان ہی سے بحث کی ہے۔ آپکی فقہ کا بالکلیہ قرآن پر

دار و مدار تھا اور اس کو منطقی پہلو سے قرآن کے ساتھ تطبیق دینے میں بہت بڑا دعوے کیا گیا ہے۔ امام مالک نے اپنا دار و مدار احادیث نبویہ پر کیا ہے اور وہاں صرف اپنے رائے سے کام لیا گیا ہے اس اختلاف کی بڑی وجہ یہ ہے کہ امام مالک تو ان لوگوں سے گھرے ہوئے تھے جنہیں بکثرت رسول خدا کی حدیثیں یاد تھیں۔ آپ اس سوسائٹی کے ممبر تھے جنکی دلی خواہشیں اور دین و ایمان یہی تھا کہ ہر امر میں رسول خدا کے فیصلوں کو مد نظر رکھا جائے اور حتی الوسع کوئی خلاف حدیث فتوے نہ دیا جائے۔ اسوجہ سے امام مالک نے اپنے فقہ اور اصول مذہب کی بنیاد بالکلیہ رسول خدا کے فیصلوں اور روشن احادیث پر رکھی اور دوسری طرف اپنے خیال کو رجوع نہ کیا۔

برخلاف اسکے کوفہ وہ شہر تھا جسکی بنیاد رسول خدا کے وصل کے بعد پڑی تھی۔ یہہ تجارت کا بہت بڑا مرکز تھا اور ہر زبان اور ہر قسم کی معاشرت کا آدمی یہاں آباد تھا۔ عراق۔ شام مصر میں فاتح عرب پرانی اور پیچیدہ تہذیب کے متصل ہوئے۔ اس تہذیب کو جب باہمی جنگ و جدل بند ہو گئی انھوں نے سلسلہ وار اور مستقل طریقہ سے مٹانے کی کوشش نہیں کی۔ اس ظاہری اعتدال کو حال کے مصنفوں نے اس بات پر حمل کیا ہے کہ فاتحان اسلام نے اعلے درجہ کی مذہبی آزادی دے رکھی تھی۔ مگر حقیقت میں یہ بات نہ تھی مسلمان نے کبھی اس امر کا خیال نہیں کیا کہ وہ کافروں سے کوئی چیز بھی سیکھیں سوائے اسکے کہ اپنی سلطنت میں انہیں متکبرانہ رہنے کی اجازت دے۔

زندگی بسر کرنے کا سچا راستہ تھا جو قرآن میں وحی ہو چکا تھا ایسے تمام وہ لوگ جو دوسرے رستہ کی پیروی کرتے ہیں قطعی جہنمی ہو چکے ہیں دوزخ کی آگ اور مصائب سے کبھی نہ بچیں گے۔ مفتوح لوگ اسکے لونڈی غلام ہوا کرتے تھے۔ انھیں نیاز نہ تھا کہ وہ اپنے فاتح کے

سلہ آسبرن کے اس بیجا اور لایعنی اعتراض یا شرمناک حملہ کے جو اس نے مسلمانوں پر کیا ہے دو پہلو ہیں ایک پہلو تو یہہ کہ اسلامی تاریخ سے واقف نہیں ہے دوسرا پہلو یہہ ہے کہ اسنے جانکر حق سے چشم پوشی کی ہے۔ مگر جب غور کی تو معلوم ہوا کہ دونوں ہی باتیں اس میں پائی جاتی ہیں۔ نہ تو اسلام کی تاریخ سے پوری واقفیت ہے اور نہ واقعات کا علم حاصل ہونے کے بعد بھی انھیں دکھانا چاہا ہے ہم بہتر جانتے ہیں کہ آسبرن کے اس متعصبانہ حملہ کا جواب دیں اور انگریزی

علم یا انصاف پر دعوے کرنے کے لئے قدم بڑھا سکتے انکے ملکی اور مذہبی کچھ بھی حقوق نہ تھے ہاں سوائے ان حقوق کے جو قرآن میں انھیں عطا ہوئے تھے۔ بغاوت کی پہلی ہی جنبش میں ان حقوق سے بھی انہیں بد نصیب کر دیا گیا تھا اور پھر قرآن کے اس حکم پر عملدرآمد ہونے لگا تھا کہ مومنین کو چاہئے کافروں کو جہاں کہیں پائیں قتل کریں۔ ناچار انسی نہایت ہی لا یعنی فریب اور روبہ بازی پر غیر اسلام قومیں ہمیشہ اپنے وحشی آقاؤں کے ہاتھوں سے قتل ہونے کے قابل سمجھی گئی ہیں اور ہوتی رہی ہیں مسلمانوں کو اپنے خلاف دین لوگوں کو مارتے ہوئے اتنا درد بھی تو نہ آتا تھا جتنا کہ ایک مکھی کو مار کر آتا ہے انکو ذلیل کیا جاتا تھا انھیں پولٹیکل حقوق مطلق عطا نہ کئے گئے تھے اور وہ سمجھ لئے گئے تھے کہ آیندہ زندگی میں انہیں سخت سخت سزائیں ملینگی۔

فتح کے پہلے زمانہ میں فاتحان اسلام بہت کچھ جبر و تعدی کرتے تھے انکی حکومت صرف محصولات کے لینے میں محدود تھی باینہمہ انتظامی پرزوں کی ضرورت تھی اور یہی مسلمانوں

ہی تاریخوں سے دکھائیں کہ جو کچھ لکھا ہے محض غلط ہے۔ پہلے میں مسیحی دنیا کیطرف اپنی توجہ پھیرتا ہوں اور دکھاتا ہوں کہ خلق اللہ کے حقوق کی وہاں کیا کیفیت تھی۔

یسوع ناصری کو سات صدیاں گزر گئی تھیں۔ انجیل کی روشن ہدایتوں کا اثر کافور ہو گیا تھا دنیا سخت مصیبت اور جہالت میں پھنس گئی تھی۔ مشرق و مغرب میں مخلوق خدا کی حالت ایسی خستہ اور مصیبت میں تھی کہ بیان نہیں ہو سکتی۔ انھیں نہ ملکی نہ جنگی حقوق حاصل تھے۔ وہ دولتمندوں اور دینی رہنماؤں کے غلام یا ملک ہو رہے تھے قانون غریب دولتمند ضعیف اور قوی کے لئے مساوی نہ تھا ساسانی گورنمنٹ کیحالت بہت خراب تھی زمینداروں کے قبضہ میں مویشیوں کی طرح کاشتکار رہا کرتے تھے جنکی جان و مال کا زمینداروں کو کامل اختیار ہوتا تھا قسطنطنیہ کی گورنمنٹ میں پادری وزرا۔ شاہ کے مصاحب۔ دیوان۔ ہاں میں ہاں ملانے والے اور نامعلوم الاسم سور نسبے سب کی جانوں اور مال پر کامل اختیار رکھتے تھے اور انہیں خون کلیتاً معاف کر دئے گئے تھے اسطرح آبادی کا بہت بڑا حصہ غلام تھا۔ مگر غلامی کیحالت ایسی دردناک تھی کہ بیان کرنے سے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں خصوصاً پادریوں کے غلام تو بہت ہی مصیبت میں تھے جیسا کہ سر تہامس آسمائیہ نے اپنی کامن ویلتھ میں حضرات پیشوایان دین مسیحی کی بات تحریر کیا ہے۔

جب غلام ایک جگہ سے دوسری جگہ لیجائے جاتے تھے تو انکی گردنوں میں لوہے کے طوق ڈالے جاتے تھے اور ایک رسی سے سب بندھے ہوئے ہوتے تھے انکے ساتھ سوروں کے غول بھی ہوتے تھے جہاں منزل پر سور بند کئے جاتے تھے وہیں وہ بھی بند کئے جاتے تھے انھیں مجبور کیا جاتا تھا کہ سوروں کے ساتھ ایک ہی برتن میں

کی لیاقت سے باہر کام تھا اسلئے وہ اپنے رعایا کے ممبروں پر منحصر تھے جو ان کی جہالت کو کھوئیں اور انہیں قابل بنائیں بکثرت نو مریدین اسلام میں شریک ہونے لگے انکی شرکت ذاتی منافع حاصل کرنیکی وجہ سے تھی اور زیادہ تر اپنے فاتحوں سے ہمپلہ ہوجانے کی امید سے تھی یہ نومسلم جو شہنشاہ جسٹی نین کے قوانین سے بخوبی واقف تھے اس بات کے ثابت کرنے کے لئے آمادہ ہوئے کہ قرآنی احکام کے اصول بالکل انتظامی معاملات میں ناکافی ہیں اسوقت انھیں حدیثوں کے مقابلہ میں نئے قوانین مرتب کرنے میں ناکامی ہوئی کیونکہ حدیثوں کا دریا مدینہ سے نکلکر دور دور پہنچ گیا تہا۔ جو قانون کہ انھوں نے نافذ کئے قرآنی اصول سے کم زیادہ استنباط کئے گئے تھے اور بعض ایسے احکام بھی تھے جسکی انکے پاس کوئی بھی اینتہارٹی نہ تھی۔

اس محتمل الضدین میں انھوں نے مطابقت کے اصول کو وسعت دینے کا موقع حاصل کیا اور اب انھیں کتابوں کی صورت میں مرتب کرنا شروع کیا۔ قوانین کا وسیع مجموعہ جو مسیحی

کھائیں اور ایک ہی برتن میں پانی پئیں۔ سوروں کے پٹوں اور آدمیوں کے پٹوں میں ایک ہی زنجیر ہوتی تھی اور سب ساتھ ساتھ چلتے تھے۔ اگر کسی غلام کا قدم ادہر ادہر ہوا یا اسنے قدم اٹھانے میں کمی کی اسپر اس بیرحمی سے کوڑے بازی ہوتی تھی کہ الحفیظ الاماں۔ کھال ادہڑ جاتی تھی اور جسم تمام لہولہان ہوجاتا تھا۔ یہ خطرناک سختیاں اور غضبناک آفتیں مردوں ہی پر نہوتی تہیں بلکہ ان میں بچے اور مظلوم عورتیں بھی شریک ہوتی تھیں۔ اگر کوئی نابالغ بچہ یا حاملہ عورت چلتے چلتے تھک جاتی تھی اور ماندہ ہوکر بیٹھ جاتی تہی تو اسکی سزا یہ دیجاتی تہی کہ زمین پر لٹاکر کوڑے بازی ہوتی تھی یہاں تک کہ وہ ادھموئی یا ادموا ہوکے بیجان ہوجاتا تہا۔ یہ ساری کیفیت نہ صرف گورنمنٹ قسطنطنیہ کی تھی بلکہ امریکہ کی جنوبی ریاستوں میں جنگ آزادی سے پہلے غربا بلکہ ملک کے ہر ہر حصہ پر یہی بپتا پڑی ہوئی تھی امریکن کو ملکی حقوق ہی کا جو کچھ ہیئت جو اسکے خیال کے موافق غیر اسلام کو نہ دیئے گئے تھے ان سخت سخت مظالم کی خبر نہیں لینا جو فاضل ڈریپر کی کتاب انٹلیکچول ڈیولپ منٹ آف یورپ کے فصیح صفحوں میں بھر پڑے ہیں مسیحی گورنمنٹوں نے کبھی یہ التزام کرلیا تہا کہ کیا تو غیر عیسائیوں کو قتل کردیا جائے یا زبردستی عیسائی بنالیا جائے یا انھیں اپنا غلام کرلیا جائے چنانچہ ڈریپر اپنی کتاب مذکور جلد ۱ کے صفحہ ۲۸ میں لکھتا ہے۔ اس ملک میں مذہب ایرین کو راسخ الاعتقاد سیحیوں نے جڑ سے اکھیڑ کے پھینک دیا تھا اور ایسر رواجی عقوبتیں ٹوٹی جاتی تھیں شہنشاہ ہیدرلین کیوقت سے پچاس ہزار یہودی خاندان اندلس میں جلاوطن کردیئے گئے تھے اسی وجہ سے یہودیوں کی تعداد کم ہوگئی۔ انکی حالت زار پر ذرا بھی افسوس نہ کیا گیا نوے ہزار آدمی فوراً ظالمانہ طور پر عیسائی بنالئے گئے اور مذموم کیتھلک قوانین میں انہیں ایسا جکڑ دیا تہا کہ وہ قطعاً کرائسٹ چرچ کی تمام رسوم کو جاری رکہتے تھے یہاں تک ڈریپر کی تحریر ہوئی۔ اسمرن کی غلط بیانی

شہنشاہ کے حدود میں رائج تھا یونانی فقہا کے وسیلہ بعینہ مسلمانوں کے پاس آیا۔ اور یقیناً مسلمانوں نے اسے خدا کے کلام کے مساوی خیال کیا قرآن مجید میں ہر مشکل کی جو آدمی میں واقع ہو توضیح اور حل پایا جاتا تھا مثلاً قرآن میں آیا ہے "ہر چیز صاف کرنے کے لئے ہمنے اس کتاب کو اتارا ہے" اور یہہ قرآن میں آیا ہے "کوئی بات اس قرآن میں نہیں چھوڑی گئی" اور دوسری جگہ آیا ہے "وہاں نہ تو زمین کی تاریکی میں غلہ کا ایک دانہ ہے نہ کوئی چیز سبز یا خشک ہے جو اس کھلی ہوئی تحریر میں نہ لکھی گئی ہو" مسلمانوں کا خیال ہو کہ قرآن کے اس دعوے میں ذرا بھی فرق نہیں ہے اسکے علاوہ انھیں یہ بھی یقین ہے جو کچھ واقع ہوتا ہے قرآن میں پورا پورا اسکا تذکرہ موجود ہے۔

یہ واضح طور پر معترض تحریر میں آگیا ہے۔ قرآن میں کسی صریحاً توضیح کا ہونا سراسر غلط اور لغو ہے یا اسلامی علمانے پاک کتاب کی تفسیر کرنیکا کوئی صحیح قاعدہ نہیں ایجاد کیا ہے اصل یہ ہے کہ وہ اصول تطبیق سے نتیجہ نکالنے میں ہمیشہ ناکام رہے ہیں۔ خدا کی کتاب میں جو

اور مسلمانوں پر خواہ مخواہ الزام قایم کرنے کی حقیقت کھل گئی پہلے اپنے گریبان میں منھ ڈالا ہوتا پھر اعتراض کیا ہوتا۔

اس کے بعد بانئے اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہدایات یا نفس اسلام کو خیال کیا جائے۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ منورہ میں تشریف لائے تو یہودیوں اور عیسائیوں کو پورے حقوق بخشے گئے ان ہی کی تقلید بعینہ اسلامی سلاطین نے کی۔ غیر اسلامی کو کامل آزادی دے دی گئی تھی۔ مسیحی اور یہودی کبھی مجبور نہ کئے گئے تھے کہ وہ اپنی عبادت بحریں کونسی عربی انگریزی فرانسیسی اور جرمنی کتاب ہے جس میں ان سب باتوں کا تذکرہ نہیں۔ اندلس کے قوانین سے کیا کوئی واقف نہیں ہے۔ جنھوں نے عیسائیوں اور یہودیوں کو کامل آزادی دے رکھی تھی کیا حضرت مسیح کا یہ فرمانا کہ

"یہہ مت سمجھو کہ میں زمین پر صلح کروانے آیا صلح کروانے نہیں
بلکہ تلوار چلانے کو آیا ہوں کیونکہ میں آیا ہوں کہ مرد کو اس
کے باپ اور بیٹی کو اس کی ماں اور بہو کو اس کی ساس سے
جدا کروں۔ (متی کی انجیل باب ۱۰ آیت ۳۴-۳۵)

کئی صدی تک اور اب بھی عیسائیوں کا اوڑھنا بچھونا یہہ بنا رہا۔ کونسی تاریخ ایسی ہے جو عیسائیوں کے انتہا درجہ کے قابل رحم مظالم کی شہادت نہیں دیتی اور کونسا ایسا پہانا نوشتہ ہے جس میں انکے

جو بات پیش کیجاتی ہے اسمیں نہ صرف اس تجویزی امر کی صداقت اور استحکام ہوتا ہے بلکہ منطقی طور پر جتنی باتیں اسمیں سے پیدا کرتے جاؤ انکی صداقت یا انکا استحکام کرتی جائیگی جیساکہ قرآن میں آیا ہے "اپنے باپ اور ماں کی عزت کرو اور انہیں ناخوش نکرو۔ یہاں والدین کی عزت کرنیکا حکم اسبات کو ظاہر کرتا ہے کہ انکی عزت نکرنی خدا کی نافرمانی اور گناہ ہے۔ اور جیساکہ قرآن میں ربانی قوانین کو توڑنا اپنے ساتھ مخصوص سزائیں یا عفو نہیں رکھتا ہے اور واجبی سزاؤں کا قرآن میں بیان نہیں ہے تو جو سزائیں اس قسم کی دیجاتی ہیں گی وہ ان ہی کی مطابقت سے نکالی جائیں گی۔ اسی اصول کو مدنظر رکھکر ابو حنیفہ نے اپنے فقہ کی بنیاد ڈالی۔ یہ امام ہی کی فقہ کا سلسلہ تھا جو عباسیہ سلطنت پر چھایا ہوا تھا۔ ابو حنیفہ کی تعلیمات صرف زبانی تھیں مگر اسکے شاگردوں نے ان اصولی باتوں کو بعد ازاں کتابوں کی صورت میں کر لیا۔ اور اب تک یہہ اسی زور شور سے تسلیم کیے جاتے ہیں۔ حنفی اصول فقہ میں جو منطقی بے باکی کی قابلیت رکھی گئی ہے اس سے انکار نہیں ہو سکتا

بابرانہ قوانین ملکی کی دفعات کا تذکرہ نہیں ہے تاریخ میں سے انگلستان کے اس قانون کے حروف نہیں مٹے ہیں جو آئرلینڈ کے مظلوم باشندوں کے لیئے نافذ ہوا تھا اس کے مقابل میں اسلامی سلاطین پر نظر جائے تو معلوم ہو کہ عیسائی شاہوں کی نسبت سلاطین اسلام نے ہزار گونہ زیادہ اپنی غیر مذہب کی رعایا کو آرام دے رکھا تھا۔ ہرون الرشید اور المامون کی سلطنت میں اور نیز ان سے پہلے مہدی وغیرہ کی سلطنت میں بڑے بڑے سیول اور علمی عہدے عیسائیوں اور یہودیوں ہی کو تھے۔ تعصب کا تو کچھہ کہنا ہی نہیں جو چاہا لکھہ مارا تحقیق اور انصاف کو لکھتے وقت اگر مد نظر رکھا جائے تو ایسی بیہودہ۔ اور بے سروپا باتیں قلم سے نہیں نکلتیں۔

انسانی ضروریں۔ خواہشیں ملک کی گزشتہ تاریخ۔ اور ان کی تمام تجربات۔ غرضکہ مغرب میں جو کچھ حکمرانہ اصول کے قوانین تھے فقہائے عراق نے انکی طرف توجہ نہ کی گویا وہ غیر ضروری اور لاشئے محض تھے۔

توضیح آئیں ایک استقرائی اور مشروط بامتحان سائینس نہیں ہے بلکہ منطقی اور قیاسی ہے۔ اسکی بنیاد ٹھیک ان قواعد اور اصول پر رکھی گئی ہے جو بطور الہام کے سمجھائے گئے ہیں۔ جو کچھ کہ قرآن مجید میں بیان ہوا ہے اور اس سے نتیجہ نکالا گیا ہے لطف یہ ہے کہ اسے بھی قرآن کا وہی غیر منکسور حصہ خیال کیا گیا ہے مثلاً جیسے قرآن مجید میں یہ بیان ہوا ہے" خدا نے تمام دنیا تمہارے لئے پیدا کی ہے" حنفی فقہ کے نزدیک کتاب مقدس کا یہ قول گویا ایک وثیقہ ہے بخشش کا جسمیں تمام ملکیت کے حقوق شامل ہیں۔ لفظ "تم" سے البتہ مومنین سے ادعا ہے اور تمام دنیا ان ہی کے استعمال اور فائدہ کے لئے پیدا ہوئی ہے پھر وہ کل دنیا کے تین حصے کرتے ہیں (۱) وہ زمین جسکا کبھی کوئی مالک نہیں ہوا (۲) وہ زمین جسکا مالک تو تھا مگر اسنے اسے چھوڑ دیا۔ (۳) کافروں کے آدمی اور انکا مال واسباب۔ اس تیسری دفعہ سے تو نامی غلامی بعضب حق مصنفی اور مومنین اور کفار میں ایک دائمی جنگ برقرار رکھنے کا نتیجہ نکلتا ہے ان ہی طریق سے مسلمان خدا کی دی ہوئی وراثت پر قبضہ کرتے ہیں۔ حنفی فقہ نے اسمیں ایک اور بھی نئی بات پیدا کی ہے جو نہایت خوبی کیساتھ بیان کیگئی ہے اور اس سے اسلامی مذہبی آزادی کے مضمون کی ایک خوبصورت تصویر کھنچتی ہے اور وہ یہ ہے "مسلمان عیسائی کو اسکے مذہب کیوجہ سے تکلیف نہ دے کیونکہ مذہب ہی کا اختلاف موخر الذکر کو اسکا غلام بنا دیگا۔ یہہ اکیلا واقعہ اسلامی دنیا کی زوال پذیر وجوہات پر ایک بھڑکیلی روشنی ڈالتا ہے پیغمبرؐ

لے یہاں مسٹر آسبرن نے اور بھی زہر اگلا ہے اور اپنی زہریلی تحریر سے یہ ثابت کر کے دکھا دیا کہ وہ اتنا درجہ کا ناواقف اور مذہبی بیجا تعصب میں بھرا ہوا ہے۔ وہ ان رعایتوں کو بھول گیا جو خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عیسائیوں سے کی تہیں امام اعظم تو ۸۰ھ ہجری میں پیدا ہوئے تھے مگر کل عرب فتح کرنے کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فرمان کل عمال کے نام روانہ کیا تھا اسکی نقل ابن ہشام سے بعینہ درج ذیل کرتے ہیں

اسلام کی وفات کے وقت مذہب سوائے عیسائی مجموعہ قوانین کے اور کچھ نہ تھا اور اسمیں سوائے مایوسانہ پولیٹیکل حلقہ بگوشی اور تمام ترقی آمیز خیالات کی تحقیر کرنے کے اور کچھ نہ تھا۔ جہاں کہیں اسلامی فاتح جاتا تھا اپنے اسی مجموعہ قوانین پر عملدرآمد کرنے کے لئے مجبور کرتا تھا تمام نومسلم اسی قانون کی رسی میں جکڑے جاتے تھے اور ہرگز اس سے جنبش نہ کہا سکتے تھے اسلام کی اس امر میں تعریف کیجاتی تھی کہ اسنے اس اختلاف قومی کو جو عیسائیت نے قائم کیا تھا مضبوطی سے جڑ و بنیاد سے اکھیڑ کر پھینک دیا تھا اصل میں اس شہرت کیوجہ اسکی ہر ایک جبروت تھی۔ کیریکٹر کی رنگ برنگی یا اختلاف کو اسنے برباد کر دیا کیونکہ یہ زندگی اور اسکے نمونہ کا نتیجہ

پھر شاید تحریر ہمیں ... سے صرف اسی سے ہر ناظر حق کی جانچ کر لیگا وہ ہو ہذا
ہمیشہ عیسائیوں کی حفاظت کریں انکے گرجاؤں کی دستگیری اور نگرانی کریں اور ان مکانوں کی نگہداشت رکھیں جہاں پادری رہتے ہیں اور تمام نقصانات اور آفات سے انکے سینہ سپر رہیں انسے ہرگز ناموزوں طریقہ سے ٹیکس لیا جائے کوئی بشپ اپنے بشپی کے عہدہ سے علیحدہ نہ کیا جائے کوئی عیسائی کبھی اس بات پر مجبور نہ کیا جاوے کہ وہ اپنے دین کو ترک کردے کوئی راہب اپنے عہدہ سے برطرف نکیا جاوے کوئی عیسائی زائر اپنے معبد کی زیارت سے کبھی نہ روکا جاوے عیسائیوں کے گرجے کبھی اس خیال سے کہ انکی جگہ مسجدیں قائم کیجائیں منہدم کئے جائیں انکی تعمیری صورت کو بصورت مسجد بنایا جاوے جب مسلمان عیسائی خواتین سے شادی کریں تو انکا فرض ہے کہ انہیں انکے دین ارکان ادا کرنے یا اپنی مذہبی عبادت کرنیکی محض آزادی دیدیں جسطرح انکا جی چاہے وہ عبادت کریں ہرگز انکو نہ روکا جاوے اور انہیں انہیں کوئی تکلیف دیجاوے جس سے وہ اپنی مذہبی عبادت نکرسکیں نہ انہیں مجبور کیا جاوے کہ انکے ارکان دین میں خلل پڑ جاوے اگر عیسائی اپنے گرجوں یا خانقاہوں کی مرمت کیلئے یا اور مذہبی ضروریات کیلئے روپیہ وغیرہ کے ضرورتمند ہوں تو مسلمانوں کو انکی یہ مدد کرنا وہ بنیادی اصول نہ سمجھیں بلکہ اسکو ضرور سمجھیں کہ ہر ضرورت میں انکی مدد کریں اور انکی مصیبت میں شریک ہوں اور قواعد و احکام کی پیروی کل مسلمانوں پر فرض ہے کیونکہ وہ خدا اور اسکے نبی کیطرف سے سمجھکر ان احکام پر عمل کریں۔ اگر مسلمان باہر عیسائیوں سے جنگ کرنے میں مشغول ہوں تو انہیں لازم ہے کہ وہ ان عیسائیوں سے کچھ تعارض نہ کریں بلکہ پیش آئیں جو ان میں زندگی بسر کرتے ہیں اگر کوئی مسلمان بیہودہ طریقہ سے کسی وقت میں عیسائی سے پیش آیا تو گویا اسنے نبی کے احکام کی مخالفت کی اور جو مسلمان ان باتوں کی جو اس فرمان میں منضبط ہیں مخالفت کریگا یا انپر عملدرآمد کرنے میں کمی کریگا تو وہ مسلمان خدا کے فرمان کا منکر سمجھا جائیگا اور خدا کا بہت برا تقصیر ٹھہریگا گویا اسنے خدا کے دین کی حقارت کی۔

مہر محمد عربی رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم — مہر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ +

مہر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ + — مہر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ +

مہر حضرت علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ — وغیرہ وغیرہ

ہوتا ہے کیونکہ اسلامی دنیا میں نمو ناممکن ہے۔ اسلامی بلاد میں ضعف اور خرابی جو ہمیشہ موجود رہی ان میں بہ ایک یکسانی یا یگانگت کا دور دورہ رہا۔

ابو حنیفہ اور اسکے فقہ کی نسبت یہ بیان کیا گیا تھا کہ دنیا نے ابو یوسف کی سی قابلتیں اور اسلامی جوش کبھی نہ دیکھا ہوگا جو امام اعظم کے شاگردوں میں سب سے زیادہ نامور ہوا ہے وہ پہلا شخص ہوا ہے جسنے حنفی فقہ کی بنیادوں پر کتابیں تصنیف کیں اور اسے ہرون الرشید نے نہایت مہربانی سے اپنے دربار کا رکن بنایا جو سلسلہ قوانین اس نے مرتب کیا اسکا اثر تمام اسلامی ایشیا میں خوب زور شور سے ہوا۔ وہ زندگی کے ادنے یا عاجزانہ مرتبہ میں پیدا ہوا تھا اور ابو حنیفہ سے ابتدائی تعلق کا وہ خود بہ مفصلہ ذیل بیان کرتا ہے۔

"میرا باپ حالت شیر خوارگی میں مجھے میری ماں کے آغوش محبت میں چھوڑ کر انتقال کر گیا۔ کچھ عرصہ کے بعد میری ماں نے مجھے ایک دھوبی کے ساتھ کام کرنے کے لیے کر دیا۔ میں اپنے آقا کی دکان چھوڑ چھوڑ کے ابو حنیفہ کی خدمت میں حاضر ہوا کرتا تھا جہاں میں مودب بیٹھکر امام حسنا کے لیکچر گوشگذار کیا کرتا تھا۔ بعض اوقات میں میری ماں بھی وہاں آجاتی اور میرا ہاتھ پکڑ کے پھر مجھے دھوبی کی دکان پر لیجاتی۔ مگر میری تندہی امام صاحب کے سبقوں پر اور علم حاصل کرنے کے جوش نے خود امام کو میری طرف دلچسپی سے متوجہ کیا۔ جب میری ماں نے دھوبی کے کاموں سے مجھے ایسا بیزار اور امام کی خدمت میں حاضر رہنے کا یہ شوق دیکھا تو ایک دن اسنے امام اعظم سے کہا "تم ہی نے میرے لڑکے کو برباد کر دیا ہے یہ ایک یتیم بچہ ہے جو کچھ بھی اپنے پاس نہیں رکھتا بالکل مفلس اور قلاش ہے میں کپڑا بنکر اسے پالتی ہوں اور میری کوشش ہے کہ کسی طرح سے یہ ایسا قابل ہو جائے کہ اپنا ٹکڑا آپ کما کر کھائے۔ ابو حنیفہ نے ان الفاظ میں اسے جواب دیا "اے نادان زیادہ گو عورت تو میرے سامنے سے چلی جا تیرا بیٹا یہاں یہہ تعلیم پا رہا ہے کہ فلو دج کیوں کر کہاتے ہیں۔ یہ سنکر میری ماں یہ کہتی ہوئی "کہ تم ایک پیر فرتوت

ہو اور اپنی قابلیتیں زائل کرتے ہو۔ چلی آئی ؎

اسوقت سے یہ آیندہ قاضی فقہ کی بہت بڑی جماعت میں باقاعدہ تعلیم پانے لگا۔ ابوحنیفہ نے اسکی قابلیت کی تشخیص کی اسکی لیاقتوں کو جانچا اور اسکی ترقی علم میں اپنے روپیہ اور تعلیم سے مدد کی۔ ایک دفعہ ابویوسف اس خطرناکی سے مریض ہوئے کہ انکی زندگی کے لینے کے دینے پڑ گئے۔ ابوحنیفہ اپنے پیارے شاگرد کی عیادت کے لئے بہمراہی اپنے چند دوستوں کے اسکے گھر پر گئے۔ اور چلتے وقت صحن مکان کیطرف اشارہ کرکے یہ کہا "اگر یہہ ہونہار بچہ مرگیا تو جتنے یہاں بیٹھے ہیں یہ سب ناپید ہو جائیں گے ابوحنیفہ ایک متفکر مفتی یا قانون داں ہونے کے سوا اور کچھ لیاقت نہ رکھتے تھے جیسے کہ میں ابھی بیان کرچکا ہوں آپ قانونی کارروائی یا کسی عمل استعمال میں خلفا اور امرا کے احکام سے اصرار مخالفت یا مقابلہ کیا کرتے تھے۔ اور وہ تاریخ اسلام سے ایسے بے بہرہ تھے کہ خود ابویوسف کا قول ہے کہ اگر ابوحنیفہ سے یہہ دریافت کیا جاتا کہ جنگ بدر پہلے ہوئی یا احد تو وہ نہ بتلا سکتے تھے۔ اسکی وجہ یہ بھی کہ امام ایرانی نژاد تھے۔ ابویوسف عربی نسل تھے اور اس فاضل شاگرد نے علاوہ فقہ کے اور علوم کا بھی مطالعہ کیا تھا جب ابویوسف کی بڑی عمر ہوگئی تو انھیں قرآن مجید کی پوری تفسیر حفظ یاد تھی عربوں کی لڑائیوں کے دن فرفر یاد تھے اور حدیثوں میں بھی آپ بہت غلو رکھتے تھے انکی نسبت یہہ بیان کیا گیا ہے کہ وہ کہا کرتے تھے کہ فقہ وہ سائنس ہے جو سب سے پیچھے یعنے قرآن وحدیث کا علم حاصل کرنے کے بعد سیکھنا چاہیئے۔

اس صورت سے ابویوسف خلیفہ ہرون الرشید تک پہنچے۔ ایک خاص جنگی افسر جسپر حلف دروغی کا جرم قایم ہوا تھا اس معاملہ میں مشورہ کرنے کے لئے اُسے ایک مفتی کی ضرورت ہوئی ابویوسف کو لوگ اسکے پاس لیگئے ابویوسف نے اس سے کہا کہ قسم غیر قابل فسق نہیں تھی۔ یہ سنکر جنگی افسر بہت خوش ہوا اسنے ابویوسف کو بہت سی اشرفیاں دیں اور ایک مکان اپنے پاس رہنے کو دیا۔ چند روز کے بعد جنگی افسر ہرون الرشید کیخدمت میں حاضر ہوا اور اسے مغموم پاکے ملال کا سبب دریافت کیا ہرون الرشید نے کہا مجھے کچھ مذہبی معاملہ میں کشمکش و پیچ ہے ایک

بات ہی ایسی آکر واقع ہو گئی ہے کہ میں متفکر ہوں اور اب مجھے اسکی تنقیح کے لیے ایک ایسے ہنرمند شخص کی ضرورت ہے جو شریعت یافتہ سے پورا واقف ہو۔ جنگی افسر نے فوراً ابو یوسف کی سفارش کی۔ ابو یوسف اسیوقت بلالئے گئے اور جسطرح ہارون الرشید سے ملاقات ہوئی ابو یوسف نے خود تحریر کی ہے۔ (وہوہذا)

"جب میں اس مقام میں داخل ہوا جو مکانوں کے دو خطوط کے بیچ میں واقع تھا اور جس سے خلیفہ کے محل کی ایک صورت قایم ہوتی تھی تو مینے ایک خوبصورت شاہانہ صورت کا لڑکا ایک حجرہ میں قید دیکھا اسنے انگلی سے مجھے کچھ اشارہ کیا گویا وہ مجھسے کچھ مدد چاہتا تھا مگر میں اسکے دلی مفہوم کو بالکل نہ سمجھا کہ یہ کیا کہتا ہے۔ جب میں ہارون الرشید کے حضور میں لایا گیا اور اسکے سامنے کھڑا ہوا اسنے مینے خلیفہ نے میرا نام دریافت کیا مینے جواب دیا۔ خدا امیرالمومنین پر برکت بھیجے مجھے یعقوب کہتے ہیں۔ پھر خلیفہ نے سوال کیا مینے ایک شخص کو حرام کاری کرتے دیکھا ہے کیا اسے وہی سزا دیجائے جو شریعت غرا نے حرام کاری کی مقرر کی ہے مینے جواب دیا نہیں جب میرے منھ سے "نہیں" کا لفظ نکلا تو خلیفہ ہارون الرشید نے صحن پر پیشانی لگائی فوراً میرا اتھا ٹھنکا کہ جس شہزادہ کو مینے محل کے حجرہ میں قید دیکھا ہے یہی ہے جسپر زنا کاری کا جرم عائد کیا جارہا ہے اسیلئے اسنے مجھے انگلی سے اشارہ کیا تھا کہ میری اس امر میں مدد کرنا۔ پھر خلیفہ نے مجھسے دریافت کیا کن اصول پر میں اپنا فیصلہ لکھوں مینے جواب دیا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ان الفاظ پر "نامنظور کرو سزاؤں کی درخواست کو شبہہ کی حالتوں میں" یہہ سنکر خلیفہ بولا اس مقدمہ میں شبہ نہیں ہے جو سزا کی مدافعت کرسکے جب یہ کام ہوتا دیکھ لیا گیا ہے مینے جواب دیا "دیکھنا بہ نسبت سزا کے جائز رکھنے کے لیے حکم دینے کے علم سے زیادہ موثر نہیں ہے اور صرف ایک جرم کا سامنے طور پر جاننا سزا کے حکم دینے کے لیے کافی نہیں ہے علاوہ اسکے کسی متنفس کو اجازت نہیں ہے کہ وہ اپنا آپ انصاف کرلے اسپر بھی اگر وہ یہہ بھی جانے کہ حق اسیری ہی جانب ہے۔ یہہ سنکر خلیفہ نے دوبارہ اپنی پیشانی لگائی اور حکم دیا کہ مجھے انعام کے

طور پر بکثرت روپیہ دیا جائے۔ خلیفہ نے مجھسے یہہ بھی درخواست کی کہ تم میرے ہی محل میں رہا کرو۔ میں محل سے باہر نہیں آیا یہانتک کہ شہزادہ اور اسکی ماں کیطرف سے میرے پاس زر و جواہر کا نذرانہ آیا۔ اور انکے علاوہ ان لوگوں نے بھی مجھے نذرانہ بھیجا جنکا قریب کا تعلق شہزادہ اور اسکی ماں سے تھا یہی خوش قسمتی کی یہاں سے بنیاد پڑی ہے۔ اب میں خلیفہ کے محل میں رہنے سہنے لگا ایک ملازم مجھے درباری ادب آداب سکھانے کے لئے اور دوسرا میری صلاح و مشورہ لینے کے لئے آنے لگا اور آخر کار ہوتے ہوتے مینے خلیفہ ہرون الرشید کے دل میں وہ گھر کیا کہ اسنے مجھے بغداد کا قاضی بنا دیا۔"

ابو یوسف وہ پہلا ہی شخص تھا جسنے چیف جسٹس کا لقب اختیار کیا اور اول اول اسی نے علمائے دینی کے لئے ایک خاص لباس ایجاد کیا جو اور لوگوں سے انہیں امتیاز بخشے ابو یوسف ایک قابل اعتبار محدث خیال کیا جاتا تھا گو یہہ اعتراض اسکی نسبت ضرور تھا کہ یہہ اپنے حنفی فقہی مسائل پر اسقدر میلان رکھتا ہے کہ اپنے فتووں میں بعض اوقات احادیث سے روگردانی کر جاتا ہے اور اپنے فیصلوں میں عقل اور قیاس کو حدیث کے مقابلہ میں زیادہ دخل دیتا ہے اور اسطرح سے اسنے گویا شریعت غرا کو برباد کر دیا تھا۔ اسطرح ایک موقع پر خلیفہ نے امام ابو یوسف کو قانونی پیچیدگی سے نجات بخشنے کے لئے بلایا۔ ابو یوسف جوں ہی خلیفہ کے پاس آئے تو دیکھا کہ خلیفہ تنہا بیٹھے ہوئے ہیں ہاں عیسے بن جعفر خدمت میں حاضر ہے خلیفہ نے کہا مینے تمہیں اسوقت اسلئے بلایا ہے کہ تم اس شخص کی نسبت میری زبان سے بیان دعوے سنو۔ اسکے پاس ایک لونڈی ہے مینے اس سے کہا کہ تو نذرانہ کے طور پر اس لونڈی کو مجھے دیدے اسنے اس سے انکار کیا اب قسم خدا کی اگر یہہ اس لونڈی کے دینے پر راضی نہوا تو میں اسے قتل کر ڈالوں گا۔ یہہ سنکر ابو یوسف نے کہلا عیسے دیکھہ ایک لڑکی کے وسائل سے کیا خدا عمل میں لاتا ہے تو نے امیر المومنین کو دینے سے انکار کر دیا اور اس سے تو اپنا خاتمہ چاہتا ہے عیسے نے جواب دیا جو کچھ میں کہنے کو ہوں اس سے واقف ہونے سے پہلے تم کیوں باتیں ملاتے ہو۔ اصل یہہ ہے کہ مینے قسم

کھائی ہے کہ میں اپنی بیوی کو طلاق دوں گا اپنے غلاموں کو آزاد کر دوں گا اور جو کچھ میرے پاس ہے وہ میں خدا کی راہ میں خیرات کر دوں گا۔ ایسی صورت میں اس لڑکی کو فروخت کر ڈالوں یا اسے کسیکو دیدوں۔ یہہ سنکر خلیفہ نے ابو یوسف سے کہا اسکے پاس لونڈی کے حاصل کرنے کے اور بھی وسائل ہیں یا نہیں۔ ابو یوسف نے جواب دیا ہاں اسکے پاس وسائل قسم کھانے پر بھی موجود ہیں خلیفہ نے دریافت کیا کیونکر۔ ابو یوسف نے اس جھگڑے کا یوں فیصلہ کیا عیسےٰ بن جعفر اس لونڈی کا نصف حضور کو دے اور حضور کے ہاتھ باقی کا نصف فروخت کر ڈالے پھر نہ یہہ بات ہوگی کہ اسنے فروخت کر ڈالا نہ یہہ بات ہوگی اسنے کسیکو دیدیا اسی مطابقت سے اسپر عمل کیا گیا اور طرفین نے اپنی اپنی پریشانی سے نجات پائی۔

ابو یوسف کی زیرکی حاضر جوابی اور تیز فہمی کی بڑی مدح و ثنا ہوئی تھی مگر راسخ الاعتقاد ناخوشی اور پریشانی سے قاضی صاحب کے فتووں پر سر ہی ہلایا کرتے تھے۔[له]

سله اسی طرح کی بہت سی حکایتیں خلیفہ ہارون الرشید اور قاضی ابو یوسف کی ہیں جو نہایت ہی قیمتی ہیں جو اسلامی تاریخ کے مطالعہ کرنے والوں کے لئے اسلامی طرق و عادات کی ایک تصویر کھینچتی ہیں مفصلہ ذیل اور ہی عجیب حکایت ہے عبدالرحمن المبارک کا قاضی تھا۔ قاضی کو جب خبر لگی کہ خلیفہ ہارون الرشید ابو یوسف کے ساتھ بصرہ آتا ہے اسنے شہر کے لوگوں سے درخواست کی کہ جسوقت خلیفہ آئے تم سب ملکر اسکے سامنے میری تعریف کرنا۔ لوگوں نے انکار کیا کہ ہم اسکی تعریف کا ایک لفظ بھی نہ کہیں گے ناچار اسنے خود ایک قبا پہنی اور ایک اونچی ٹوپی سر پر رکھی اور ایک سیاہ مقنع ٹوپی پر ڈالا اور خلیفہ کی قیام گاہ کو گیا جب ہارون الرشید اور قاضی ابو یوسف قریب آئے تو اس قاضی نے غل مچا کے کہا امیر المومنین بصرہ جو قاضی مقرر ہوا ہے وہ ایک عمدہ اور نیک قاضی ہے اور اعلےٰ درجہ کا لائق ہے پھر وہ ایک جائے قیام سے دوسرے بلاک کے پاس گیا اور یہی الفاظ کہے یہ سنکر خلیفہ ہارون الرشید نے کہا اگر دنیا میں کوئی بدتر قاضی ہوگا تو وہ یہاں کا ہے ایسا قاضی جہاں وہ رہتا ہے اسکے لئے صرف ایک ہی شخص مدح سرا ہے یا صرف ایک ہی اسکی تعریف کرنیوالا ہے۔ قاضی ابو یوسف نے جواب دیا کہ امیر المومنین اس سے بھی زیادہ آپ متعجب ہوں گے جب حضور سے یہہ عرض کیا جائیگا کہ یہہ خود ہی قاضی ہے جو اپنی تعریف آپ کر رہا ہے۔ یہہ سنکر خلیفہ کھل کھلا کے ہنس پڑا اور کہا یہ شخص بڑا ذوفنون اور بیدار مغز ہے یہہ کبھی اپنے عہدہ سے خارج نہ کیا جائیگا اسوقت سے جب خلیفہ کو اس قاضی کا خیال آتا تو وہ کہا کرتا تھا وہ شخص کبھی بھی عہدہ سے سبکدوش نہ کیا جائیگا۔ ابو یوسف سے دریافت کیا گیا کہ تم نے ایسے شخص کو کیوں کا قاضی نامزد کیا ابو یوسف نے یہ جواب دیا مدت تک یہہ برابر دروازہ پر دادخواہی کے لئے

دوسرا حنفی فاضل جیسے قاضی ابو یوسف سے دوم نمبر کا کہنا چاہیے محمد بن حسن تھا۔ یہہ شہر واسط میں پیدا ہوا تھا جہاں اسنے اپنے بچپن کا ایک حصہ صرف کیا اور احادیث نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ابتدائی علم سیکھا۔ ابھی بچہ ہی تھا کہ اسنے مکہ شریف کا سفر کیا اور یہاں امام مالک بن انس سے شرف ملازمت حاصل کیا۔ ایک دن مالک بن انس سے اس ہونہار بچہ نے یہہ دریافت کیا اگر ایک شخص نماز کیوقت شرعی ناپاکی کیحالت میں سوائے اندرون مسجد کے ادہر ادہر پانی نہ دیکھے تو اسے پھر کیا کرنا چاہیے۔ مالک نے جواب دیا اسے ناپاکی کیحالت میں نہ داخل ہونا چاہیے۔ مگر بچہ کی ہوشیاری اور اس نوعیت کے سوال کرنے سے خبردار ہوکے مالک بن انس نے اپنے جواب کے ساتھ ہی یہہ دریافت بھی کیا صاحبزادہ تمہاری اسمیں کیا رائے ہے۔ بچہ نے جواب دیا میں خیال کرتا ہوں اس شخص کو پہلے تیمم کر لینا چاہیے اور پھر مسجد میں داخل ہو کے نہا کر نماز پڑہ لینی چاہیے اس بے نظیر ذہانت اور خداداد قابلیت سے مالک بن انس ششدر ہو گئے اور دریافت کیا میاں صاحبزادے تم کس ملک کے رہنے والے ہو بچہ نے اپنی انگلی سے عراق کیطرف اشارہ کیا امام مالک بن انس نے مدینہ کی طرف اشارہ سمجھکر یہہ کہا "میں مدینہ منورہ کے سب لوگوں سے واقف ہوں مگر میں تمہیں نہیں جانتا۔ ہونہار بچہ نے جواب دیا صرف یہی بات

پڑا رہا ہے اور اپنی مفلسی کی شکایت کرتا رہا ہے اسلئے میں نے اُسے یہہ عہدہ تفویض کیا (از ابن خلکان بیا گرافیکل ڈکشنری جلد ۴ صفحہ ۲۰۴) اسبرن

یہاں مسٹر آسبرن نے یہہ نتیجہ نکالا ہے کہ اسلامی خلیفہ اور قاضی ایسے ہوتے تھے کہ ایک نالایق شخص کو قاضی مقرر کر دیتے تھے اسکے جواب دینے کی یہاں میں ضرورت نہیں سمجھتا صرف اپنے مسٹر موصوف کی توجہ رومن اکبری اور قسطنطنیہ اور نیز تمام یورپ کے بشپوں کیطرف پھیرنا چاہتا ہوں جہاں عہدے فروخت کئے جاتے تھے اور پادریوں نے اپنے حیوانی جذبات آزادی سے نکالنے کے لئے خداوند مسیح سے رحمانی حقوق حاصل کر لئے تھے کاش وہ علامہ ڈریپر کی کتاب **دی انٹلیکچول ڈیولپمنٹ آف یورپ** کو دیکھتے تو انہیں ایسی ایسی حکایتوں سے زیادہ تعجب آتا اگر ہم ابن خلکان کی اس حکایت کو صحیح بھی تسلیم کر لیں پھر بھی پادریوں کے خون آلود اور جابرانہ مظالم اور ناگوار خود مختاریوں کے آگے اسکی کچھ بھی حقیقت نہیں ہے سترہ صدی تک جسطرح مسیحی دنیا کو پادریوں یا پیشوایان دین مسیحی نے غارت اور برباد کیا ہے دوسری مثال اور کسی مذہب کے پیشواؤں کی تاریخ نہیں بتاتی (مولف کتاب)

نہیں جانتا ہے جیسے تم نہیں جانتے۔" جب مالک کو اس ملک کا نام معلوم ہوا جہاں سے یہہ لڑکا آیا تھا تو انھیں اور بھی تعجب ہوا۔

اس کے بعد محمد بن حسن امام ابو حنیفہ سے تعلیم پانے لگے اور آپ کی وفات کے بعد امام ابو یوسف سے تعلیم حاصل کی۔ مگر ابھی کچھہ زمانہ گزرا تھا کہ محمد بن حسن قابلیت اور لیاقت میں اپنے استاد ابو یوسف کے برابر ہوگئے۔ برابر ہونے کے حسد نے دونوں میں کھلی نقیض پیدا کردی۔ اس نقیض کا فی الفور نتیجہ اسطرح مفصلہ ذیل طور پر بیان کیا گیا ہے۔

ہر صبح جب قاضی ابو یوسف خلیفہ کے محل میں جاتے تھے تو انہیں رستہ میں پر جوش طلبہ کا ایک گروہ ملتا تھا جو اسی راہ پر قدم زن معلوم ہوتا تھا۔ ابو یوسف نے انسے دریافت کیا تم کہاں جاتے ہو انھوں نے جواب دیا ہم محمد بن حسن کے لیکچروں میں جاتے ہیں۔ ابو یوسف نے یہہ سنکے کہا،، کیا یہہ ممکن ہے کہ یہہ شخص اتنے لوگوں کو اپنی طرف کھینچ لے۔" یہہ کہکے ساتھہ ہی اسکے امام ابو یوسف نے یہہ بھی کہا،، یہہ قسم کہا کے کہتا ہوں کہ میں بغداد کے باورچیوں اور نائیوں کو محمد بن حسن جیسا فاضل بنا دونگا اسوقت غم کے مارے وہ قطعی مرجا یگا اسی بنا پر ابو یوسف نے ایک اسکول قایم کیا جہاں فقہ کی تعلیم دیجاتی تھی مگر امام ابو یوسف کے فرایض ملکی ایسے بڑہے ہوئے تھے کہ آپ عوام الناس کو تعلیم دینے کے خیال میں کامیاب نہیں ہوئے اور اسکے خلاف امام ابو محمد کا حلقہ رونق پکڑتا گیا۔

ان دو بڑے بڑے فاضلوں کی باہمی رقابت سے سائنس نے بڑا پلٹا کھایا۔ اس رقابت نے سائنس کے ساتھہ ترقی کی اور آخر امام ابو محمد کی اسقدر علمی شہرت ہوئی کہ خلیفہ ہرون الرشید بھی امام محمد سے ملنے کا خواہشمند ہوا۔ قاضی ابو یوسف نے جب خلیفہ کا میلان محمد بن حسن کیطرف دیکھا تو انہیں خوف ہوا مبادا امام محمد کے ملنے سے میری عزت اور درباری رسوخ میں نہ کمی آکے واقع ہو۔ بہتری کوشش کی کہ خلیفہ محمد بن حسن سے نہ ملے مگر یہہ ساری کوششیں ناکارہ گئیں۔ باہمی رقابت کو ترقی ہوتی گئی اور آخر عمر تک اسکا سلسلہ

جاری رہا۔ خلیفہ نے امام محمد کو قاضی مقرر کرنا چاہا مگر اُنھوں نے انکار کیا۔ اس انکار پر خلیفہ نے فاضل کو قید خانہ بھجوا دیا۔ مگر دو مہینے قید خانہ میں رہنے کے بعد امام نے اپنے انکار کو واپس لیا اور وہ قاضی مقرر کر دیے گئے جس عہدہ پر وہ اپنی آخر عمر تک (سنہ ۱۸۹ ہجری مطابق سنہ ۸۰۶ع) بحال رہے آپ کی عمر پچپن برس کی تھی جب آپ کی وفات ہوئی ہے۔

امام محمد بن حسن مطالعہ فقہ میں اس سرگرمی سے مشغول ہوتے تھے کہ بسا اوقات مطلق نہ سوتے تھے خیال تھا مبادا جو کام مینے شروع کیا ہے اسمیں خلل نہ پڑے۔ امام شافعی بیان کرتے ہیں کہ ایک شب میں اور امام محمد ایک ہی کمرہ میں رہے مینے انھیں گاؤ تکیہ سے لگا ہوا دیکھکر یہہ خیال کیا کہ وہ سو رہے مگر دوسرے دن علی الصباح فجر کی نماز کے بعد اُنھوں نے کہا کہ اسی اکیلی رات میں مینے اکہزار سوالات پر بحث کی اور انکا فیصلہ کیا امام شافعی امام محمد کی اتنی عزت کرتے تھے کہ اُنھوں نے آخر الذکر کی کتاب ظاہر الروایات کو حفظ کر لیا تھا۔ خود امام احمد بن حنبل اقراری ہیں کہ مینے بہت کچھہ امام محمد کی کتابوں سے سیکھا ہے اور مجھے فقہی باریکیاں بہت سی حل ہوئی ہیں۔

جب آپ کی وفات ہو گئی تو آپکے ایک دوست نے آپ کو خواب میں دیکھا اور دریافت کیا کہ خدا سے آپ کی عظیم الشان خدمتوں کا کیا صلہ ملا ہے۔ امام محمد نے جواب دیا "خداوند تعالیٰ نے اپنی رحمتوں سے مجھے لاد دیا ہے اور اسنے مجھے اپنے ربانی لفظ سے یوں خطاب کیا ہے" اے امام محمد اگر میری خود مختارانہ مرضی تمہارے لئے پہلے سے ہی دوزخ کی عقوبت مقدر کر چکی تھی کیا مینے تمہارے دل میں عظیم الشان سائنس کے گہرے راز نہیں مضمر رکھے پھر خواب میں نے امام محمد سے سوال کیا امام ابو یوسف پر کیا گزری اُنھوں نے جواب دیا جنت میں انھیں برتر مقام ملا ہے مگر مجھمیں اور ان میں اتنی دوری ہے جتنی آسمان اور زمین میں۔ پھر امام ابو حنیفہ کی نسبت سوال کیا گیا اسپر امام محمد نے جواب دیا آپ کو سب سے زیادہ اول درجہ کا نہایت مزین مقام سات آسمانوں کے بیچ میں ملا ہے"

اس فاضل فقیہہ کی تصنیفات جیسا کہ بیان کیا جاتا ہے ایکہزار کتابوں سے کم تعداد میں نہیں ہیں جنمیں سے سب سے بڑی کتاب جامع الصغیر ہے یہہ ایسی معتبر مانی جاتی ہے کہ جہاں جہاں حنفی اصول رائج ہیں کوئی قاضی جب تک اسے یہہ کتاب پورے طور سے نہ آتی ہوگی قاضی مقرر نہیں ہوسکتا۔

از کتاب اسلام انڈر دی خلیفس اف بغداد مصنفہ رابرٹ ڈیوری آسبرن صفحہ ۱۴۸-۱۴۹

پھر اسی کتاب کے صفحہ ۵۹ میں رابرٹ ڈیوری آسبرن لکھتا ہے (وہوہذا)

احمد ابن حنبل سرگرم جامع احادیث تھے آپ نے مسند نامی ایک کتاب احادیث نبوی کی مرتب کی ہے اسوقت ایسی کوئی کتاب تالیف نہیں ہوئی تھی۔ یہہ بیان کیا جاتا ہے کہ امام حنبل کو دس لاکھہ حدیثیں برزبان یاد تھیں۔آپ کے فقہ کی بنیاد جہاں تک اسکی وسعت ہے احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر قایم ہے انکے مقابلہ میں امام ابو حنیفہ کو صرف اٹھارہ حدیثیں دستیاب ہوئی تھیں امام مالک نے تین سو حدیثوں کو اپنے فقہی اصول میں استعمال کیا اور امام حنبل نے اپنے فقہ میں کم سے کم تیس ہزار حدیثوں کا استعمال کیا ہے۔ یہاں تک آسبرن صاحب کی رائے یا تحقیق امام ابوحنیفہ صاحب آپ کے فقہ اور شاگردوں کی نسبت ختم ہوگئی جو کچھہ بیجا اعتراض آسبرن نے اسلام اور بانے اسلام کی نسبت کئے ہیں انکا جواب میں حاشیہ میں دیچکا مگر امام ابوحنیفہ صاحب کی نسبت جو امام ابو یوسف کا قول نقل کیا ہے کہ اگر امام اعظم صاحب سے یہہ دریافت کیا جاتا کہ جنگ احد پہلے ہوئی ہے یا جنگ بدر تو آپ نہ بتا سکتے یہہ بالکل ٹھیک ہے اعتقادانہ اپنے کسی امام کی نسبت رائے زنی کرنی تو اور چیز ہے مگر محققانہ طور پر اسکے حالات زندگی پر بحث کرنی دوسری بات ہے جو کچھہ مینے گزشتہ صفحوں میں لکھا ہے وہ محض ایک اعتقادی خیال امام صاحب کی حدیث دانی کی نسبت ہے مگر اب مجھسے کوئی دریافت کرے تو میں حلفاً اور ایماناً یہہ شہادت دیتا ہوں کہ امام اعظم صاحب کی حدیثوں کیطرف کبھی توجہ ہی نہیں ہوئی یہ جہ نہیں کہ آپ حدیثوں سے کثرت

کرتے تھے بلکہ خاص وجہ یہہ تھی کہ فتوحات کی وسعت نے خود امام اعظم صاحب کو فقہ کی تدوین پر مجبور کیا تھا اور اس زمانہ میں اسکی اشد ضرورت تھی رہا اسبات کا فیصلہ کرنا کہ جو کچھہ موجودہ فقہ کی کتابوں میں ہے وہ بالکل امام اعظم ہی کے اقوال ہیں بہت ہی مشکل ہے۔ ہمارے پاس کوئی شہادت ایسی نہیں ہے کہ ہم ان مکروہ غلیظ فحش اقوال کو جو عموماً فقہ کی کتابوں میں ہیں امام اعظم جیسے پاک نفس کے سر تھپ سکیں۔

بھرحال یہہ ظاہر ہوگیا کہ امامیہ مذہب والے جو درشتی اور بازاریانہ طریقہ سے امام اعظم صاحب کو یاد کرتے ہیں متعصب مسیحی مورخ بھی ایسی ناتراشیدہ باتوں کو پسند نہیں کرتے افسوس ہے کہ امامیہ مصنف کب دائرہ تہذیب میں آکر اپنی حالت درست کرینگے۔

جارج سیل مترجم قرآن

چار مذہبوں میں سے پہلا مذہب حنفیہ کہلاتا ہے حنفیہ نام اسکے بانی کے نام پر رکھا گیا ہے جسکا نام ابو حنیفہ نعمان بن ثابت تھا جو ۸۰ھ ہجری کوفہ میں پیدا ہوا اور ۱۵۰ھ ہجری میں انتقال کرگیا۔ آپ نے اپنی زندگی بغداد کے قید خانہ میں ختم کی جہاں آپ اسلئے قید کردئے گئے تھے کہ آپ نے قاضی بننے سے انکار کیا تھا[1] اس انکار پر آپ کو سخت تکلیفیں دیگئیں مگر پھر بھی آپ اپنے انکار ہی پر قایم رہے یہہ تکلیفیں جو آپ کو دیگئی تھیں آپ نے اس خیال سے

[1] اصلی وجہ عہدۂ قضا سے انکار کرنیکی اور قید خانہ میں جان دیدینے کی یہہ تھی جیسا کہ دی ہربلاٹ نے لکھا ہے کہ آپ اپنے نام کے ساتھ قضا کا لفظ مستعمل ہونا یا قضا کا لفظ اختیار کرنا نہ چاہتے تھے کیونکہ لفظ قضا سے نہ صرف فرمان خدا کی خصوصیت ظاہر ہوتی ہے بلکہ اور بھی وجہ بلکہ حکم بھی صادر کرنا پایا جاتا ہے امام ابو حنیفہ کی راسخ الاعتقادی اس امر کی شہادت دیتی ہے کہ آپ اس صفت کو نہ حاصل کریں جو خداوند کے لئے خاص ہے۔

(یہہ نوٹ بھی سیل ہی کا لکھا ہوا ہے)

یہہ وجہ کسقدر معقول معلوم ہوتی ہے حقیقت میں امام صاحب کا اتقا اسیقدر بڑھا ہوا تھا کہ آپ ہرگز کیسکی موت و زندگی پر خدا کیطرح احکام صادر نہ فرما سکتے تھے یہ بات آپکی انتہا درجہ کی محتاط طبیعت کی شہادت دیتی ہے اسے فنا فی اللہ کہتے ہیں اور سچا اسلام یہہ ہے زیادہ افسوس تو اسبات کا ہے کہ غیر مذہب خواہ کسقدر متعصب کیوں نہوں پھر بھی امام اعظم صاحب کے اتقا۔ پرہیزگاری۔ علمی فضیلت کے قائل ہیں برخلاف اسکے امامیہ مذہب کے مصنف جب آپکا ذکر کرتے ہیں تو فحش گالیوں سے یاد کرتے ہیں۔ ببیں تفاوت راہ از کجاست تا بکجا (مولف)

نہایت صبر سے برداشت کیں کہ اس عالم کی عقوبتوں سے جو انسے کہیں زیادہ سخت تر ہیں میں محفوظ رہوں گا۔ امام غزالی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں" جب امام ابو حنیفہ صاحب مجبور کیے گئے کہ عہدہ قضا تسلیم ہی کریں تو آپ نے بیان کیا کہ میں اس عہدہ کے ناقابل ہوں اور جب آپ سے یہہ کہا گیا نہیں آپ قابل ہیں تو آپنے یہہ جواب دیا اگر مینے سچ کہا تو میں ناقابل ہوں اگر مینے جھوٹ بولا تو جھوٹا عہدہ قضا کے قابل کسیطرح سے نہیں ہو سکتا یہہ بیان کیا گیا ہے کہ آپنے قیدخانہ میں ستر بار قرآن شریف پڑھا۔

شہرستانی عربی مصنف لکھتا ہے کہ حنفی لوگ متبع قیاس کہلاتے ہیں اور انکے بعد تین مذہبوں کے گروہ متبع احادیث نبویہ کہلاتے ہیں۔ سابق الذکر یعنے حنفی شرعی فیصلوں میں اپنے قیاس سے کام لیتے ہیں اور آخر الذکر مذہبوں کے گروہ یعنے شافعی حنبلی۔ مالکی۔ جہاں تک ہو سکتا ہے اپنے شرعی فیصلے احادیث نبوی پر دیتے ہیں۔

ابو حنیفہ کے مذہب کی پہلے عراق میں اشاعت ہوئی مگر اب وہ عام طور پر ترکوں اور تارتاریوں میں پھیلا ہوا ہے آپ کے اصول مذہب کی اشاعت سب سے زیادہ ابو یوسف سے ہوئی جو خلیفہ ہادی اور خلیفہ ہرون الرشید کے ہاں چیف جسٹس تھے۔ از قرآن مترجمہ سیل صفحہ ۱۲۰۔

پانچواں باب

امام صاحب پر مخالفوں کے اعتراض اور انکا جواب

نہایت افسوس سے دیکھا جاتا ہے کہ دنیا میں ہر گروہ اور ہر طبقہ میں ایسے آدمی کہیں نظر نہیں آتے کہ جو اپنے بزرگوں کو گالیاں دینا سبب نجات تصور کریں۔ اس کو نہ سے اُس کو نہ تک ڈھونڈھ جاؤ کہیں بھی ایسے آدمی نہ پاؤگے کہ جو اپنا سبب نجات اپنے ہی بزرگوں پر تبرا بھیجنے میں سمجھیں مگر اسلام میں ایسے لوگ موجود ہیں کہ جو اپنا اوڑھنا بچھونا یہی رکھتے ہیں وہ شرف جو روز ازل سے اسلام کو عطا ہوا تھا سخت حسرت سے دیکھا جاتا ہے کہ اب کہیں اسکا نام و نشان نظر نہیں آتا۔ جس اتحاد کی بنیاد کہ نبی اکرم نے ڈالی تھی اسکو مومنین نے اکھیڑ کر پھینکدیا اور نا اتفاقی کے میدان میں خم ٹھونک کر پکڑ لڑنے کو مستعد ہوگئے یہ اور بھی قہر انگیز امر ہے کہ جن اسلامی علما کی قابلیتوں پر غیر اسلام عش عش کرتے ہیں اور ان کی تعریف میں زبانیں خشک ہوئی چلی جاتی ہیں انکی مذمت مسلمان بھائی ہی کریں اور وہ وہ نئی نئی باتیں گھڑ گھڑ کر انکی نسبت عاید کریں کہ جنپر یورپین مصنف سخت حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں ہمیں رونا چاہیئے اپنا گریبان چاک کرنا چاہیئے اور اگر ذرا بھی غیرت دار ہوں تو مر جانا چاہیے کہ بجائے اسکے ہم انکے علم و فضل کی بانگی دکھائیں اور ایک زمانہ کو انکی قابلیت اور لیاقت کا شیدا اور قائل بنائیں ان کی تنقیص کے درپے ہوتے ہیں اور ایسی بیہودہ بیہودہ باتیں گھڑتے ہیں کہ جنپر ایک طفل مکتب بھی قہقہے اڑاتا ہے۔

اب نہ خلافتوں کے شائق دکھائی دیتے ہیں اور نہ سلطنت ہے کہ جسپر جھگڑا کیا جائے جو کچھ ہوا وہ ہوگیا تیرہ سو برس گذر گئے تواریخ سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ قصور کس کا تھا

ہاں ایک عاقل اور محقق یہہ نتیجہ نکال سکتا ہے کہ ہر شخص اور ہر گروہ خواہ سادات ہو یا عوام بنی امیہ بنی فاطمہ ہوں یا بنی عباس سلطنت کے طلب گار تھے۔ اور انھوں نے اپنی اور اپنے گروہ کی جانیں شوق حصول سلطنت میں ہلاکت میں ڈالیں۔

خیر اب انکا نام و نشان تک مٹ گیا ہڈیاں تک خاک ہو گئیں کیا ضروری کہ انکے شرمناک حالات سے کتابوں کے صفحے سیاہ کئے جائیں اب تو وہ زمانہ آگیا ہے کہ سب فرقے ایک ہو کر اسلام میں سے ان نقائص کو نکال ڈالیں کہ جنسے اسلام بدنام ہو رہا ہے۔ ان تحریری حملوں کا جنسے فلسفہ کے سایہ میں بہت دھوم دھام سے چاروں طرف سے ہو رہے ہیں جواب دیں۔ ان بیہودہ کتابوں کو جلادیں جنسے دشمنی پھیلی ہے اور بہت جلد اس حدیث کے مصداق بنجائیں۔ کہ کل مومن آپس میں بھائی ہیں۔"

میں نے سخت افسوس کی نگاہ سے "کنز مکتوم فی حل عقد ام کلثوم" کو دیکھا۔ کہ جسمیں وہ ہی تبرّے بازی کیگئی ہے جو صدیوں سے حضرات شیعہ کا خاصہ ہو رہا ہے۔ ہر چند دل نہ چاہتا تھا کہ اس مذہبی جھگڑے کیطرف توجہ کیجائے اسلئے کہ جتنے جھگڑے مذہبی آڑ میں ہوتے ہیں وہ سب در اصل مذہب کا برقع پھنکر ذاتی عناد اور خبث طینت کیوجہ سے ہوتے ہیں۔ پھر بھی حمیّت اسلامی نے گوارا نہیں کیا کہ اس والا شان ذات امام ابو حنیفہ کی نسبت غلط بیانات سُنے جائیں اور انکی تردید نہ کیجائے۔

مذکورہ بالا کتاب ابھی مولوی حکیم سید علی اظہر صاحب نے تصنیف فرمائی ہے کتاب کے پہلے حصہ سے ہمیں غرض نہیں ہے جسمیں ام کلثوم کے نکاح کا جھگڑا [illegible] ہاں آخری حصہ سے جو صفحہ ۲۰۱ سے شروع ہوتا ہے غرض ہے کہ جسمیں امام ابو حنیفہ صاحب کی نسبت زیادہ زور سے لکھا گیا ہے اگر ہم مطالب تحقیق اور انصاف کی حیثیت سے مجموعی کتاب پر نظر ڈالیں گے تو ہمیں یہہ عقدہ تو بخوبی حل ہو جائیگا کہ علامہ مصنف اگر نوجوان نہیں ہیں تو ضرور نوجوانوں کی سی طبیعت رکھتے ہیں۔ انکی رفتار وہی معمولی رفتار ہے جو صدیوں سے

اہل شیعہ نے اختیار کر لی ہے لیکن ہاں غیر معمولی بات جو اسمیں ہے وہ بیان کا الجھاؤ ہے کہتے کچھ ہیں نکلتا کچھ ہے۔ صفحے کے صفحے پڑھ جاؤ لیکن یہی نہیں کھلتا کہ علامہ مصنف کا کیا مطلب ہے اور کیا بیان کرنا چاہتے ہیں۔ عبارت کی طرز ناہمواری میں اپنا ثانی نہیں رکھتی الفاظ کی تہذیب بھی داد دینے کے قابل ہے۔ اور لطف یہہ ہے کہ ان سب صفتوں پر یہہ بڑی صفت اس میں بڑھی ہوئی ہے کہ جن کتابوں سے سندا کچھ اقوال نقل کیے ہیں وہ محض بے سرو پا ہیں مثلاً مولانا شبلی صاحب کی کتاب سیرۃ النعمان سے جو باتیں نقل کی ہیں وہ وہ اعتراض ہیں کہ جنکو مولانا شبلی اپنی کتاب سیرۃ النعمان میں نقل کرکے جواب دیتے ہیں اسی طرح سے سب قولوں کو سمجھہ لینا چاہیئے۔ چند در چند وجوہات سے مجھے لازم ہوا کہ اپنے ہمعصر علامہ مصنف کے شکوک کو اٹھاؤں اور انہیں حقیقت کا رستہ دکھاؤں کیونکہ سعدی کے قول کے مطابق انسانی ہمدردی اسمیں نہیں ہے کہ اندھے کو کوئیں میں گرنے دیں اور خاموش بیٹھے دیکھا کریں۔ اس تہذیب کا نمونہ دکھایا جاتا ہے جسپر علامہ مصنف کو بہت بڑا فخر ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں۔

"پس[1] میری کیا مجال ہے جو انکی (یعنے ابو حنیفہ کی) شان والا میں کچھ کہہ سکوں ابھی انکی امت حنفی لوگ سر کھا ئیں گے دماغ چاٹ جائیں گے۔ مگر چونکہ تحقیق روایت کا واسطے گو یم مشکل وگرنہ گو یم مشکل ہاں چند شہادتیں بڑے بڑے ائمہ دین اہل سنت کی انکے بارے میں حصہ اول ذو الفقار حیدری میں لکھہ چکا ہوں ان ہی کیطرف اشارہ کافی ہے جسکے بعد کسی عاقل و بیدار کو انکی روایت پر اعتبار نہیں ہو سکتا۔"

علامہ مصنف کا طرز کلام تو بخوبی کھلگیا عبارت کی شایستگی اور فصاحت و بلاغت نے تو مولوی ہار رو یا ہے سر کھائیں گے اور دماغ چاٹ جائیں گے کیا شایستہ جملے پیارے پیارے معلوم ہوتے ہیں جنسے علامہ مصنف کی نزاکت ٹپکتی ہے پھر وہ مطلب کی بات آگے جاکر تحریر کرتے ہیں" انکے پیشہ کی نسبت صاف صاف یہہ نہیں کہا جاتا کہ جولاہے تھے بلکہ کہا جاتا ہے کہ خز بافی

[1] کنز مکتوم فی حل عقدام کلثوم صفحہ ۲۰۲

انکا پیشہ آبائی تھا یعنے خز ایک قسم کا کپڑا ہے اسکو بنتے تھے اور اسکی تجارت کرتے تھے جیسے بنارس وغیرہ کے جولاہے زربفت مشروع بنتے ہیں شاید یہی وجہ ہے کہ جولاہے قوم عظیم و دیگر اقوام زیادہ تر انکے پیرو و مقلد ہیں حضرت علامہ مصنف کی شائستگی اور تہذیب کی ایک کامل دلیل یہہ ہے کہ تیرہ چودہ کرور سینوں کو جنمیں ہزاروں سلاطین گزر گئے اور اب بھی درجنوں موجود ہیں جلاہا بتلاتے ہیں۔ ہم اپنا فرض سمجھتے ہیں کہ اس بیجا حملہ کو نہایت صبر اور تحمل سے برداشت کریں اور علامہ مصنف کی خدمت میں بہت ادب سے یہہ عرض کریں۔

بدم گفتی و خرسندم عفاک اللہ نکو گفتی	جواب تلخ می زیبد لب لعل شکر خارا

یہہ کسی تاریخ سے ثابت نہیں ہوتا کہ امام صاحب خزبافی کا پیشہ کرتے تھے۔ ہاں یہہ ظاہر ہے کہ آپ خز کے کپڑے کی تجارت کرتے تھے اور اگر علامہ مصنف کی خوشی اسی میں ہے کہ ہم انھیں خزبافی تسلیم کرلیں ہمیں اس میں بھی کچھ عذر نہیں لیکن مشکل یہہ ہے کہ وہ حضرت بی بی فاطمہ کو سینا پرونا بنانا کیا عیب خیال کرینگے یا نبی اکرم نے بارہا اپنے چچا کی بھیڑ بکریاں چرائی ہیں۔ کیا گڈریا پن نبوت میں کچھ نقص نکال سکتا ہے۔ حضرت امام باقر اپنے ہاتھ سے کپڑے سی سی کر فروخت کرتے تھے کیا ہم انکو درزی کہکر انکی والاشان ذات میں کسی قسم کی خرابی پیدا کرنے کی جرات کر سکتے ہیں۔ میں یہہ دریافت کرتا ہوں کہ خزبافی سے علم و فضل میں کیا فرق آسکتا ہے اسلام میں نہ کسی گروہ کی قید ہے نہ قوم کی بلکہ علم و فضل اور نیک اعمال کی ضرورت ہے۔ پھر آگے جاکر علامہ مصنف فرماتے ہیں "انکی ابتدائے تحصیل علم کے متعلق علامہ خطیب بغدادی اپنی تاریخ میں خود ابو حنیفہ سے بسند متصل ناقل ہیں کہ کہا ابو حنیفہ نے جب مجھے شوق تحصیل علم ہوا تو ہر علم کے فوائد و منافع کو دریافت کرنا شروع کیا کسی نے کہا علم قرآن سیکھو میں نے فائدہ پوچھا تو لوگوں نے کہا کہ جب قرآن سیکھو گے تو مسجدوں میں بیٹھکر لڑکوں کو تعلیم کروگے کچھ دنوں بعد کوئی لڑکا تم سے زیادہ یا تمہارے برابر حافظ ہوگا ساری ریاست تمہاری جاتی رہیگی تب ہم نے کہا کہ علم حدیث حاصل کریں اور ایسے حافظ حدیث بنیں کہ دنیا میں ہمارے

(صفحہ ۱۰۲) تحریر فرماتے ہیں۔ جو انکی انتہا درجہ کی دلیری اور بیباکی کا شاہد ہے "ابو حنیفہ کو بے بہرہ ہونا علم کلام اور حدیث سے پس ایسا مسلم ہے کہ کسیکو عذر ہی نہیں (اگر تیرہ کروڑ مسلمانوں کو) کیونکہ اہل سنت کے یہاں اصلی استاد علم کلام کے معتزلہ ہیں مگر جب اشاعرہ کا مذہب قایم ہوا تو اب تین استاد مانے جاتے ہیں۔ ابوالحسن اشعری منصور ماتریدی۔ حنابلہ ابو حنیفہ کو کسی نے ابھی اس فن کا استاد نہیں مانا ہے"

اس بیباکی کی میں داد نہیں دیسکتا۔ اگر یہہ تسلیم کریں کہ معتزلہ علم کلام میں کامل ہوئے ہیں اس یقین سے امام صاحب کے علم کلام میں کامل ہونیکی نفی نہیں ہو سکتی اگر تاریخ سے دلچسپی رکھتے ہو تو اندلس کی تاریخ دیکھو جہاں پادری یولوجیس سے کیسی کیسی بحثیں ہوئی تھیں اور کتنے بڑے بڑے فاضل علم کلام کے تھے جنکا اعتراف خود فاضل مصنف کتاب عرب ان سپین کرتا ہے۔ انھوں نے مالکی ہو کر امام صاحب کو علم کلام میں اپنا امام مانا ہے ان فیصلوں اور طول طویل مناظروں کو جو خارجیوں اور گمراہ فرقوں کیساتھ امام صاحب کے ہوئے کیوں نظر انداز کیا جاتا ہے جو واقعی علم کلام کی جان ہیں۔ پھر ہمارا علامہ مصنف یہہ گوہر افشانی کرتا ہے" باقی رہا علم حدیث پس حقیقت یہہ ہے کہ ابو حنیفہ کو بہ نسبت کل علوم کے زیادہ تر نفرت اسی علم سے تھی (جھوٹے پر لعنت ہو) بقول صاحب تذکرۃ الموضوعات تہذیب الاسماء چار صحابی جناب رسالت مآب کے انکے زمانہ میں موجود تھے مگر کسی سے کوئی حدیث کی روایت نہیں لی" یہہ ایک طول طویل بحث ہے کہ امام صاحب نے چار صحابہ سے کیوں نہیں کوئی حدیث روایت کی اور آیا امام صاحب نے اپنے اجتہاد میں نبی کی حدیثوں سے مخالفت کی ہے یا مطابقت۔ اگر ہم اسکو صحیح بھی تسلیم کر لیں کہ امام صاحب نے کسی صحابی سے کوئی حدیث روایت نہیں کی تو اس سے یہہ لازم نہیں آتا کہ معاذ اللہ انکو حدیثوں سے نفرت تھی اول تو بڑی وجہ حدیث روایت نکرنے کی امام کی کم عمری سمجھنی چاہئے سولہ سترہ برس کا بچہ اس قابل نہیں ہو سکتا کہ دو متضاد حدیثوں میں فیصلہ کرے اور ایک کو حق ایک کو باطل قرار دے تین صحابہ کی خلافت تک تو لوگوں

حدیثیں موضوع کرنیکا موقع نہیں ملا لیکن حضرت علی کی خلافت میں جب سیول جنگیں شروع ہوئیں اور دو فریق سخت مخالف ہوگئے تو لوگوں نے اپنے ناروا اور نامبارک ناپاک جذبوں کو مذہب کی آڑ میں نکالنا چاہا اب اس مطلب برآری کے لئے انھیں ضرور ہوا کہ وہ حدیثوں کے تودے طوفان باندہ دیں چنانچہ یہی ہوا لاکھوں حدیثیں روزمرہ ایجاد ہونے لگیں اور فریقین کو مذہب کی آڑ میں اپنے مطالب کیطرف قدم اٹھانیکا اچھا موقع ملگیا۔ بہتر بہتر فرقے اسلام میں ہیں ہر گروہ اپنے پاس صدہا کتابیں حدیث رسول اللہ کی رکھتا ہے اور وہ انکی صداقت کا قائل ہے اب سوال یہہ پیدا ہوتا ہے کہ کس گروہ کی حدیث کی کتابیں صحیح ہیں اسکا فیصلہ ایک عظیم الشان سلطنت کے فتح کرنے سے بھی مشکل ہے۔ ہاں ایک محقق یہہ رائے قایم کرسکتا ہے کہ یہہ تمام حدیثیں لغو اور بیہودہ ہیں اور ان میں شاید مشکل سے فی ہزار کوئی ایک صحیح ہو تو ہو اور نہیں کچھ ایسا غلط مبحث ہوگیا ہے کہ فی لاکھہ ایک کا بھی صحیح شمار کرنا دقت طلب ہے جب جب اور دین محمدی کی آڑ میں بغرض آیندہ معاملات کے میدان میں قدم اٹھایا تو ہزارہا حدیثیں صحیح کرلیں اور انکی سندیں بھی بے تعداد مہیا کیں یہاں تک کہ اپنی صداقت جتانے کو بہت سی حدیثوں کی سو سو سندیں تیار کرلیں اس امر کو تو شیعہ سنی دونوں ہی اعتراف کرینگے کہ نبی کے بعد کوئی ایسا شخص نہیں ہوا کہ جسے نبی کی پوری حدیثوں پر عبور ہو۔ یہہ ایک ناممکن امر تھا اپنی ہی باتیں چند روز کے بعد اسیطرح بلفظہ یاد نہیں رہتیں نہ کہ دوسرے کی باتیں وہ بھی ایک جگہ اطمینان سے نہیں سنی گئی ہیں بلکہ جب کچھ سنا مختلف آفات میں پھنسکر کچھ گوش گزار کیا زین الدین جو شیعہ گروہ کا بہت بڑا پیشوا ہے شیخ ابو جعفر محمد بن یعقوب کی نسبت یہہ لکھتا ہے کہ شیخ دراصل کمہار تھا مگر نصیبہ سے ایسے ایک شخص کے پاس پہنچگیا کہ اسنے اپنے فائدہ تعلیم دلوائی اور اپنی تیز ذہنی اور طبیعت کی جودت سے حدیثوں کے موضوع کرنے میں فرد کامل گیا ہے تھا اسکا باپ کمہار ایک کال میں اسے شرف الدین احمد بن زین العابدین کے ہاتھ فروخت کرگیا تھا اسنے ایک ایک حدیث کے وضع کرنیکا ایک ایک روپیہ لیا ہے اور یہی اسکا ایک معمول تھا

پھر اسنے ہم میں اصول الکافی والفروع من الکافی لکھکر ایسی شہرت پائی کہ باب امام کے نام سے مشہور ہوگیا“

یہہ تو شیعہ اصحاب کی احادیث پر پتھر پڑے ہیں کہ سوائے ان باتوں کے جنسے نااتفاقی اور دشمنی بڑھے کچھہ نہیں پایا جاتا۔ مگر سنیوں کے ہاں بھی اکثر ایسی ناپاک حدیثیں پائی جاتی ہیں کہ جنکا پایہ تہذیب اور اخلاق سے بہت گرا ہوا ہے جہاں شافعی مذہب میں منی کے پاک اور غیر پاک ہونے میں بحث کی ہے وہاں بدبختوں نے نبی اکرم کی ازواج پاک کے قولوں کو پیش کیا ہے۔ لکھنے والوں کی زبانیں نہ جل گئیں۔ انکی قلموں نے کیونکر یہہ فحش لکھنا قبول کیا انکی انگلیاں گل کر نہ گر پڑیں انکے زہرے آب ہوکر نہ بھگئے کہ وہ نبی عربی کی ازواج کی طرف ایسی باتوں اور قولوں کو عاید کرتے ہیں کہ جنکو زبان پر لاتے ہوئے کسبیاں اور رنڈیاں کی فاحشہ عورتیں بھی شرماتی ہیں۔

حدیثوں کی یہہ کیفیت ہے جنکی بابت امام صاحب پر یہہ الزام لگایا جاتا ہے کہ انھوں نے حدیثیں روایت نہیں کیں اور ہمیشہ انکے خلاف اجتہاد کیا۔ ہمارے امام کی یہہ شان ہرگز نہیں تھی کہ وہ ان بیہودہ خرافات میں پڑکر اپنے علم و فضل کو بٹہ لگاتا۔ حضرت امام شافعی کی نسبت بیان کیا جاتا ہے کہ انکا حدیثوں کی طرف اور یہہ مخصوصاً امام ابو حنیفہ کی نسبت زیادہ رجحان تھا۔ امام بخاری نے بھی شافعی کو اعلےٰ درجہ کا محدث بنانے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا مگر جب انکی لائف پر نظر ڈالی جائیگی تو معلوم ہوگا کہ انہیں فن حدیث میں ایسا ملکہ نہ تھا کہ کچھ اطمینان ہوسکتا۔ بیان کیا گیا ہے کہ ایک دن امام شافعی نے احمد بن حنبل سے یہہ کہا کہ اگر کوئی صحیح حدیث ہوا کرے تو ہمیں بتادیا کرو کہ ہم بھی اسپر چلیں خواہ وہ حدیث کوفی ہو یا بصری یا شامی۔ یہہ حکایت ابن ہمام نے بیان کی ہے اس سے امام شافعی کا فن حدیث میں ناکامل ہونا ثابت ہوگیا مشکل تو یہہ پڑگئی تھی کہ ہر شہر کی جدا جدا حدیثیں تھیں اور ان میں باہم کچھہ بھی تطابق نہ تھا۔ نہ کوفہ کی حدیثوں سے بصرہ کی حدیثوں سے کچھ مناسبت تھی

اور نہ شامی احادیث کو بغدادی اور بخاری حدیثوں سے کچھ نسبت تھی جیسے نسخہ برید کا کہ وہ اسکو ابو بردہ سے روایت کرتا ہے اور وہ ابو موسےٰ سے ہے اور جیسے نسخہ عمرو بن شعیب کہ وہ اسکو اپنے باپ اور وہ اپنے دادا سے یوں ہی آگے تک بس ایسا ہی گہر ہی گہر میں سمجھوتہ کرلیا تھا۔ حدیثوں کے جمع کرنے میں بڑی بڑی طباعی کیگئی اور کیا کیا کچھ نہیں ہوا خوب خوب بحثیں ہوئیں اور بڑے مناظرے ہوئے پھر بھی بیچ ہی میں اٹک کر رہگئے جیسے شاعر گہر میں بیٹھا بیٹھا نئے نئے خیالات گھڑتا ہے اور یہہ کوشش کرتا ہے کہ کوئی مضمون نیا ایسا پیدا ہوا کہ پہلے کسی کے خیال میں نہ آیا ہو اسی طرح وضعان احادیث نے بھی موضوع کرنے میں بڑی بڑی جدوجہد کی ہیں اور لاکھوں حدیثوں کا انبار لگادیا ہے۔ مثلاً **بخاری** سے بروایات صحیح یہہ بات ثابت ہے کہ اسنے صحیح بخاری کو چھ لاکھ حدیثوں سے منتخب کیا (نبی نے اپنی عمر نبوت میں چھ لاکھ باتیں بھی نہ کی ہونگی) اور بروایت صحیح ابو داؤد سے یہہ بات ثابت ہے کہ اسنے سنن ابو داؤد کو پانچ لاکھ حدیثوں سے انتخاب کیا ہے اور امام احمد بن حنبل نے اپنی مسند کو میزان بنانے کی کوشش کی ہے تاکہ اس میزان میں رسول اللہ کی حدیثیں وزن کیجائیں اور پہچانی جائیں کہ کونسی صحیح اور کونسی غیر صحیح ہیں انھوں نے یہہ قرار دیا ہے کہ جو حدیث اس میزان میں پوری اترے وہ تو درست ہے اور جو پوری نہ اترے وہ لغو اور جھوٹی ہے۔ اور **عبد الرحمن بن مہدی**۔ و **یحیی بن سعید قطان** اور **یزید بن ہارون** اور **عبد الرزاق بن بن ابی شیبہ** اور **احمد بن حنبل**۔ اور اسحق بن راہویہ اور **فضل بن دکین** اور **علی مدنی** یہہ سب محدث ہیں لیکن باہم روایتوں میں سخت مختلف ہیں جب حدیثوں کی یہہ کیفیت ہے تو امام صاحب پر نہ شیعہ نہ غیر مقلد یہہ الزام قایم کرسکتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ کی توجہ روایات کیطرف مطلق نہ تھی۔ ہاں ان موضوع احادیث سے انکے اجتہادی مسائل شاید مطابق ہوں اور قطعی نہیں ہوسکتے۔ کیونکہ وہ مہذب اور شایستہ نفس انسانی ضروریات اور تمدنی کی قیمت پہچانتا تھا اسے معلوم تھا کہ قوم اسلام یونہی ترقی کرسکتی ہے اور جو مصائب کہ غلط روایتوں کے متبع بنکر مسلمانوں میں آگئے ہیں وہ اس طریقہ سے جا سکتے ہیں چنانچہ وہی بیہودی اور

غلط فہمی مٹانے کا طریقہ برتا اور اسمیں آپ بخوبی کامیاب ہوئے۔
حضرات شیعہ کی سرشت میں تبرا ایسا آمیز ہو گیا ہے کہ جن بزرگوں کو وہ اپنا سبب نجات تصور کرتے ہیں انہی پر تبرا بھیجے بغیر نہیں رہتے مثلاً جب امام ابو حنیفہ امام باقرؒ کی خدمت میں گئے تو اس جانب کی نسبت ہمارا علامہ مصنف یہہ بیان کرتا ہے " امام زماں (یعنے امام باقرؒ) منع کرتے ہیں تو ہمارے پاس نہ آ مگر یہہ (یعنے ابو حنیفہ) عدول حکمی کرتے ہیں اور کسیطرح حکم امام نہیں مانتے اور دربار امام میں چلے جاتے ہیں گو امام علیہ السلام نے مصلحۃ للوقت یا بخوف فتنہ و فساد کان پکڑوا کر نکلوا تو ندیا مگر غیظ و غضب اپنا ظاہر فرمایا اور کہدیا کہ تو بھی ان ہی اہل کوفہ سے ہے جنھوں نے احکام شریعت سے سرتابی کی ہے تجھے منع کیا کہ میرے پاس نہ آ مگر چلا آیا پس جس شخص کو روبرو امام علیہ السلام کے یہہ جرات ہو اسکے نزدیک امام پر اتہام لگا اور افترا جوڑنا کیا مشکل ہے۔" فاضل اور علامہ مصنف نے انتہا درجہ کی بیباکی اور بے ادبی برتی کہ امام باقرؒ کو ایسا وحشی اور نامھذب قرار دیا کہ صورت دیکھتے ہی نامھذبانہ الفاظ زبان پر لائے اور ساتھ ہی علامہ مصنف انکو ڈرپوک اور بزدل بھی بتاتا جاتا ہے کہ انھوں نے خوف فساد سے کان نہ ہلایا ورنہ امام ابو حنیفہ کو گردن پکڑ کر نکلوا دیتے۔ چہ خوش چرا نماشد۔ ابو حنیفہ کے ساتھ کوفیوں کا ایک لشکر عظیم تھا کہ امام باقرؒ ڈر گئے۔ وہ بیچارے محض طالبعلمانہ صورت میں گئے تھے انسے ڈر جانا امام باقرؒ کی عظمت ظاہر کرتا ہے۔ دوسرے صرف اس جرم پر کہ وہ کوفہ کے رہنے والے تھے اپنے سامنے آنے کی ممانعت کر دی۔ کیا یہی اہل بیت کے اخلاق ہیں کیا خلق نبی کا یہی اثر ہے۔ جسقدر ظلم کہ مکہ میں نبی اکرم پر ہوا تھا وہ قابل بیان نہیں پھر بھی جب فتح مکہ کے بعد آپ داخل شہر ہوئے ہیں تو اپنے جانی دشمنوں سے اس اخلاق اور خندہ پیشانی سے ملے جسکی نظیر دنیا میں نہیں ملنے کی اپنی ٹانگیں کھولئے اور آپ ہی لاتوں مرنے کی ہندی مثل ٹھیک ہے ہم ہرگز یقین نہیں کرتے کہ یہہ روایت ذرا بھی صحیح ہے اسلئے کہ امام باقر علیہ السلام کا اخلاق بہت وسیع تھا وہ اپنے دشمنوں پر بھی مہربانی فرمایا کرتے تھے۔ پھر علامہ مصنف

لکھا ہے" چنانچہ یہی ابو حنیفہ نے جنکو اسکا دعویٰ ہے کہ ہم امام محمد باقر علیہ السلام کے شاگرد کی تلمذ کو بڑے فخر سے لکھتے ہیں ابھی جو مخالفت امام کی وہ معلوم ہوئے (ناظرین عبارت کی شائستگی ملاحظہ فرمائیں) اب انکے سلوک کو اپنے مرشدزادہ اور محسن زادہ محسن تمام عالم جناب امام جعفر صادق علیہ السلام ابن جناب امام محمد باقر علیہ السلام کے ساتھ ملاحظہ فرمائیے کہ قاضی القضاۃ ابو المولا محمد بن محمود خوارزمی جامع مسانید ابو حنیفہ میں لکھتے ہیں کہ کہا ابو حنیفہ نے کہ ابو جعفر منصور خلیفہ عباسی نے مجھے کہلا بھیجا کہ لوگ جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کے علم و فضل پر مفتون اور گرویدہ ہو رہے ہیں تم مجھے چند مسائل انتخاب کرو جو نہایت سخت اور دشوار ہوں تاکہ امام اسکے جواب سے عاجز ہوں پس مینے حسب الحکم خلیفہ چالیس مسئلے نہایت سخت منتخب کئے اور منصور خلیفہ کے پاس بمقام حیرہ بھیجدیا خلیفہ نے مجھے بلا بھیجا جب گیا تو دیکھا کہ منصور خلیفہ سریر خلافت پر بیٹھا ہے اور جناب امام جعفر صادق بھی داہنی طرف خلیفہ کے رونق افروز ہیں امام علیہ السلام کے مشاہدے سے وہ ہیبت اور رعب میرے دل میں معلوم ہوا کہ منصور خلیفہ کا بھی یہہ بدبہ بھی نہ معلوم ہوا تھا حسب الحکم خلیفہ میں بیٹھ گیا تو منصور امام جعفر صادق علیہ السلام کیطرف متوجہ ہوا اور کہا کہ یا ابا عبد اللہ یہہ ابو حنیفہ ہے حضرت نے فرمایا کہ ہاں میں پہچانتا ہوں تب منصور خلیفہ نے کہا اے ابو حنیفہ پوچھو اللہ ان مسائل کو جسے منتخب کیا ہے (انکے ساتھ "جسے" کا لفظ کیا مناسب ہوا ہے) پس ہم نے سوال کرنا شروع کیا حضرت امام علیہ السلام ہر مسئلہ کا ایسا مسکت جواب فرماتے تھے کہ میں لاجواب ہو جاتا تھا یہاں تک کہ چالیسوں سوال کا جواب دیا اسیوجہ سے میں کہتا ہوں کہ امام جعفر صادق علیہ السلام علم اس میں باختلاف فقہا اور سب سے زیادہ فقیہہ ہیں" علامہ مصنف افسوس یہہ ہے کہ تاریخ سے محض دلچسپی نہیں رکھتے۔ اگر وہ خلفائے عباسیہ کی تاریخ اٹھا کر دیکھیں گے تو انہیں معلوم ہوگا کہ سادات اور منصور میں کیسی مخالفت تھی۔ وہ خلافت دبائے بیٹھا ہوا تھا اور سادات انکی شوکت اور عظمت پروانت پیستے تھے۔ بڑی بڑی بغاوتیں سادات کیطرف سے اٹھتی تھیں ایسی صورت

میں امام جعفر کا منصور کے پہلو بہ پہلو تخت بیٹھنا ایسا ہے کہ جیسے عربوں کا لندن میں سلطنت کرنا
پھر اسی میں علامہ مصنف یہہ بھی لکھتا ہے کہ ابو حنیفہ پر رعب طاری ہو گیا میں نہیں سمجھتا
کہ جب رعب طاری ہو گیا تھا تو انھوں نے چالیس سوال کیونکر کئے یہہ ساری گھڑی ہوئی
اور بے نتیجہ باتیں ہیں جنکی تکذیب کی شہادت خود روایت کے الفاظ دیرہے ہیں۔ ایسی ہی
لغو اور بیہودہ روایتوں پر حضرات شیعہ کا دار و مدار ہے اسی سے انکے مذہب کی بانگی معلوم ہوتی ہے
اس سے بھی زیادہ فحش علامہ مصنف نے اپنی مہذب کتاب حل عقدم ام کلثوم میں یوں
ٹھوس ٹھوس کر بھرا ہے اور ایسے فحش تبرے کرنے پر وہ بڑا فخر کرتا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے "
ابو حنیفہ نے جو بہ نسبت بقیہ ائمہ اربعہ کے بالکل قرآن حدیث و اہلبیت کی مخالفت کرکے
اپنے قیاس و رائے سے حسب خواہ سلاطین وقت احکام جاری کئے تو امام اعظم نے چنانچہ
دیکھئے معاویہ و یزید۔ و ہارون الرشید وغیرہ جو اپنی ماں بہن پھوپھی کے ساتھ مرتکب
فعل شنیعہ ہوئے انکے لئے یہہ مسئلہ بنایا کہ اگر اپنے محرمات شرعیہ کے ساتھ بلفظ حریر
مرتکب حرام ہو تو جائز ہے فرق اتنا ہوا کہ نام بردگان بلا پردہ مرتکب ہے تو اس امام اعظم نے
(اس "اسکو ملاحظہ فرمائیے) ایک پردہ شرعی قایم کر دیا طرہ برآں یہہ اختراع کیا کہ اگر اپنی
ماں بہن کے ساتھ نکاح کرے تو کسی طرح اسپر حد جاری نہوگی اور چونکہ خلفائے عباسیہ
کے زمانہ میں عورتوں کے ساتھ لواط کرنا از حد رائج تھا اسواسطے محدثین اہل سنت نے
یہہ روایت بنائی کہ آیہ نساءکم حرث لکم اسی بارہ میں نازل ہوا کہ عورتوں سے لواط کرو جسکی
قباحت پر متنبہ ہو کر آخر متاخرین نے صحیح بخاری وغیرہ سے لفظ دبر کو نکال دیا مگر ابو حنیفہ نے
عام فتوے دیدیا کہ عورتوں کے ساتھ لواط کرنا جائز ہے" یہہ فحش اور حد سے زیادہ بھکڑبازی
کرنا ہمارا شیوہ نہیں ہے۔ ہاں علامہ مصنف کی دلیری اور بیباکی کی دوبارہ داد دیتا ہوں
چہ دلاور است دزدے کہ بکف چراغ دارد۔ حضرت مصنف اپنا وبال دوسرے کی گردن پر چھپاتے
ہیں اور چاہتے ہیں کہ ہمارے دامن سے یہہ داغ دھل جائے مگر وہ اپنی حدیثوں کی کتابوں میں تیسے

یہہ عبارت کیونکر مٹا دینگے کہ شیعی مذہب کا دار و مدار اسی پر ہے کہ عورتوں سے لواطہ کیا جائے
شیخ ابو جعفر محمد بن یعقوب کلینی نے تو یہانتک لکھا ہے کہ جو شیعہ عورت سے لواطہ نکرے وہ
شیعہ نہیں چنانچہ شیخ موصوف نے اپنے پدر بزرگوار کا حال لکھا ہے کہ انہوں نے مجھے بچپن سے
یہی کام سکھایا تھا۔ رہا ہدایہ کا حوالہ دینا کہ ہدایہ میں یہہ آیا ہے محض غلط اور لغو ہے ہدایہ میں
صرف پھوپھی کے باب میں یہہ ذکر ہے۔ کہ اگر ایک شخص بے علمی میں اپنی پھوپھی سے نکاح
کرلیوے" ایسی حالت میں نکاح ہو کہ نہ وہ جانے کہ یہہ میری پھوپھی ہے اور نہ پھوپھی جانے
کہ یہہ میرا بھتیجہ ہے اور نکاح کے بعد کھل جائے تو قاضی شہادتیں لینے پر بھتیجے پر حد شرعی
جاری نہیں کر سکتا" یہہ مسئلہ قانون قدرت کے مطابق ہے اسکے سوا اور حکم کیا ہو سکتا ہے
میں حضرات شیعہ سے دریافت کرتا ہوں کہ جب تبرا بکنے کو جی چاہے تو اپنا اعمال نامہ
سیاہ کر لو جھوٹ بولنے سے کیا فائدہ کتابیں مٹ نہیں گئیں اڑ نہیں گئیں لکھا کچھ ہے بیان
کچھ کیا جاتا ہے اس سے سوائے بغض اور وہ بھی بیہودہ بغض کے کیا ظاہر ہوتا ہے ہم تو
عقدہ کشائی نہیں کرتے ورنہ حضرات شیعہ ناچتے ناچتے پھریں۔ جمال الدین مطہر الحلی کی بیوی
اسکی خاص بیٹی تھی حسن بن زین الدین عاملی جبعی کی بیوی انکی سگی بہن تھیں۔ شیخ
محمد بن الحسن جو شیعوں میں بڑا فقیہہ ہے سوتیلی ماں سے نکاح کرنیکا فتوے اسنے دیدیا
تھا۔ بس بہتری اسی میں ہے کہ پردہ ڈھکا رہے ورنہ پھر سنبھالتے نہ سنبھلے گی۔

پھر علامہ مصنف شاعت مذہب حنفی پر یہہ رائے دیتا ہے "چنانچہ جب امام صاحب نے ان
سلاطین و امرا کی رعایت میں احکام شرعی کی یہہ حالت بنائی تو ان سلاطین نے بھی بقاعدہ
هَلْ جَزَاءُ الْإِحْسَانِ إِلَّا الْإِحْسَانُ اس مذہب کی ترویج میں نہایت کوشش کی" یہہ کتنی جھوٹی
اور لغو بات ہے کہ امام صاحب کو سلاطین کی رعایت منظور تھی۔ تاریخی واقعات مٹ نہیں گئے
کتابوں کی کتابیں بھری پڑی ہیں اور جن تاریخوں پر کسیکا بھی اختلاف نہیں ہے امام کو اگر سلاطین
کی رعایت ہوتی تو عہدہ قضا سے کیوں انکار کرتے اور کیا وجہ تھی کہ سر دربار قسمیہ کہتے کہ میں

عہدۂ قضا منظور نہیں کرینگا۔
اسکے خلاف اگر ہم شاہی مراعات پر غور کریں تو یہہ اظہر من الشمس ہے کہ منصور نے قید کرکے زہر دلوا کر مروا ڈالا تھا کیا اسی پر ھَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ عائد ہو سکتا ہے جسد نے افسوس ہے یہاں تک اندھا کر دیا کہ بین واقعات کو نظر انداز کرنا پڑا اور اپنی جہالت کا اپنی طرف سے اعتراف کیا۔ نہ امام صاحب کو کچھ سلاطین کی رعایت تھی نہ انھوں نے کبھی انکی خاطر سے مسائل اختراع کئے۔ این خیال ست و محال ست و جنوں۔
پھر علاّمہ مصنف اپنی اسی قدیمی بیباکی سے یہہ حوالہ قلم کرتا ہے مگر سارا محض بے پتہ اور نشان ہے امام بخاری کے استاد شیخ حمیدی نے صاف صاف کفر کا فتوے دیا اور امام غزالی کا فتوے کہ ابو حنیفہ نے شریعت کو الٹ دیا ہے کہ جن امام غزالی کے نزدیک یزید پر لعن کرنا ناجائز ہو وہ ائمہ سلف سے اپنے اس امام اہل سنت کی نسبت لعن نقل کرتے ہیں اور علاّ خطیب کا حکم کہ ابو حنیفہ دجال ہے اور خود پیر دستگیر غوث الاعظم عبد القادر جیلانی کی شہادت انکے کفر و گمراہی اور جہنمی ہونے پر حصہ اول ذوالفقار حیدریہ میں بہ تفصیل لکھہ چکا ہوں یہاں علاّمہ مصنف نے بڑا ہی غضب ڈہایا ہے کہ بڑے بڑے بزرگوں کو خواہ مخواہ لپیٹا ہے نہ کسی کتاب کا حوالہ دیا اور نہ انکا کوئی قول نقل کیا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ علاّمہ مصنف صرف اپنی تبرائی سرشت کے بھروسہ پر اپنے چند ہمخیالوں کو مغالط میں ڈالکر مخفوظ بنانا چاہتے ہیں اگر کچھ بھی انصاف ہے اور مذہب شیعی میں ذرا بھی راستی ہے تو وہ ان علما کے اقوال کو ملاحظہ کرے کہ جنپر یہہ افترا پردازی ہوئی ہے پہلے ہم حضرت امام غزالی کی کتاب احیاء العلوم مطبوعہ قسطنطنیہ صفحہ ۵۰۸ سطر ۱۱ سے امام ابو حنیفہ کا حال نقل کرتے ہیں جس سے یہہ معلوم ہو جائیگا کہ امام غزالی کی رائے ابو حنیفہ کی نسبت کیا ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں" اگر حضرت امام اعظم کا ظہور نہ ہوتا تو فقہ اس قاعدہ طور پر مدون نہ ملتی جو آج ہمارے آنکھوں کے آگے موجود ہے امام نے ہمیں فقہ کا بہت بڑا علم دیا اور جو قواعد کہ پریشان تھے ہمارے لئے انھیں جمع کر دیا۔

اور یہہ میں ضرور کہوں گا کہ اگر ابو حنیفہ نہ پیدا ہوتے تو فقہ کی تدوین محال ہوتی ابو حنیفہ کے مناظروں سے ہم اسکے علم کلام کا بخوبی اندازہ کرسکتے ہیں اور یہہ کہہ سکتے ہیں کہ علم کلام میں اسکا پایہ سب سے بڑھا ہوا ہے" اگر علامہ مصنف میں کچھ بھی غیرت ہے تو اپنی اس عظیم الشان جرات پر دو تین آنسو تو گرالیں کہ جسپر یہہ افترا باندہا ہے وہ امام حسن کی نسبت کیا لکھتے ہیں افسوس صد افسوس۔

رہا امام بخاری کے استاد شیخ حمیدی کا امام پرفتوی کفر لگانا اسکی بھی کوئی شہادت پیش نہ کی۔ شیخ حمیدی نے کبھی کوئی بے ادبانہ اور گستاخانہ کلمہ امام کی نسبت نہیں کہا۔ آؤ ہم آپ کو دکھا ئیں کہ شیخ حمیدی اپنی کتاب تدوین فقہ مطبوعہ مصر صفحہ ۲۰۴ میں لکھتے ہیں "اگر یہہ تسلیم بھی کرلیا جائے کہ امام اعظم کے بعض بعض قیاسات احادیث نبی کے خلاف ثابت ہوئے ہیں تو اس سے یہہ ثابت نہیں ہوتا کہ امام نے جانکر احادیث سے روگردانی کی ممکن ہے کہ جہاں امام کو حدیث نہیں ملی وہاں اپنی رائے سے اجتہاد کیا یہہ امر تمام ائمہ پر عائد ہوسکتا ہے امام ابو حنیفہ کی اسمیں کیا خصوصیت ہے جن لوگوں کا یہہ خیال ہے کہ امام اعظم حدیث نہ جانتے تھے یا انکی توجہ احادیث صحیحہ کیطرف نہ تھی یہہ محض غلط اور لغو ہے۔ امام اعظم اسلام کے ایسے رکن ہیں کہ جنپر اسلام قایم ہے اور اسکی ان سے شوکت پائی جاتی ہے"

لیجیے یہہ تو شیخ حمیدی کی رائے کا خلاصہ ہے اب رہا خطیب کی رائے کہ ابو حنیفہ دجال ہیں ہمیں کہیں نہیں ملا کہ اسنے کہاں اور کس کتاب میں لکھا ہے اگر یہہ بھی فرض کرلیں کہ اسنے ایسا لکھا بھی تو اس سے امام صاحب کی شان میں کیا بٹا لگ گیا اسکا کیا قول کوئی وحی تو ہے نہیں کہ خواہ مخواہ قبول ہی کیا جاوے کیا اسکے مقابل میں ہم خارجیوں کے اقوال جو وہ حضرت علی اور اہلبیت کی نسبت بیان کرتے ہیں یقین کریں یا یہود و نصاری نبی اکرم کی نسبت ہرزہ درائی کرتے ہیں انکو سچ جان لیں کبھی نہیں ہرگز نہیں جو انہیں دجال سمجھتا ہے اسنے (معاذاللہ) نبی عربی کو دجال کہا ان ہی من گھڑت روایتوں سے شیعہ کچھ

زندہ بھی ہیں اور دم توڑ رہے ہیں ورنہ کبھی کا ان کا تیا پانچہ ہو جاتا دنیا میں جیسے اپنی بداعمالی کی وجہ سے یہودی مٹ گئے اور مٹے بھی ایسے کہ نہ کہیں انکے رہنے کا ٹھکانا ہے نہ انکے پاس چپہ برابر زمین ہے یہی کیفیت شیعہ اصحاب کی ہوتی ہوئی دکھائی دیتی ہے ایران میں شیعوں کے بڑے بڑے خاندان سنی ہوتے چلے جاتے ہیں اگر انھیں اپنی سرکاری ملازمت کا ڈر نہ ہوتا تو وہ کبھی کے سنی ہو گئے ہوتے۔ اگر آپ کپتان مورئیر سیاح ایران کا سفرنامہ دیکھئے جو اسنے بطرز ناول لکھا ہے اور جسکا ترجمہ بھی مطبع اودھ اخبار میں حاجی بابا صفہانی کے نام سے شایع ہو گیا ہے تو آپ کو معلوم ہو جاتا کہ ان ایرانیوں کی جو شیعہ ہیں کیسی ناپاک زندگی ہے اور وہ ملا جو رکن سمجھے جاتے ہیں اور جنکا درجہ پبلک میں شاہ کے ایک نمبر بعد شمار کیا جاتا ہے وہ متعہ کی آڑ میں اپنی بہو بیٹیوں سے خرچی کمواتے ہیں اور انکے خیالات ایسے مجنونانہ اور ناپاک ہیں کہ دنیا میں ایسی کوئی قوم نہ ہوگی اس مذہب کا قدرتی خاصہ یہی ہے کہ انسان کو مجنون بنا دے۔ اور اسے دین و دنیا کا نہ رکھے۔ یہہ کیا زوال اور مغضوبیت کی نشانی نہیں ہے کہ جتنے کمینے گروہ ہیں وہ سب شیعہ ہیں مثلاً تمام ہندوستان کی مسلمان کسبیاں شیعہ ہیں ہیجڑے سب شیعہ ہوتے ہیں۔ اگر شیعہ اسکو بھی رحمت الٰہی ہی سمجھے جائیں تو بیشک وہ قابل نفرین نہیں ہیں بلکہ قابل رحم ہیں علامہ مصنف نے پہلے تو امام ابو حنیفہ صاحب پر اپنے دل کے جلے پھپھولے پھوڑے ہیں اور پھر امام ابو یوسف پر بھی ہاتھ مارے ہیں مگر علامہ مصنف سمجھے کہ ایں راہ کہ تو میروی بترکستانست ہم زیادہ اپنی کتاب کے صفحے اسی بحث میں سیاہ کرنے نہیں چاہتے کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ شیعہ اپنی تبرائی سے باز نہیں آئیں گے اور اس تبرے سے ان کی شان میں کچھ فرق نہ آئیگا بلکہ اور دن بدن بڑھتی جائیگی تاہم ابو یوسف کی نسبت ہمارے علامہ مصنف نے جو کچھہ لکھا ہی وہ بھی ہدیۂ ناظرین کیا جاتا ہے جس سے شیعوں کی تہذیب اور شایستگی اور عقل کا اندازہ بخوبی ہو جائے چنانچہ وہ اپنی کتاب عقد ام کلثوم صفحہ ۲۱۹-۲۱۸ میں تحریر فرماتے ہیں

"ہارون الرشید خلیفہ ہونے کے بعد اپنے باپ مہدی عباسی کی ایک لونڈی پر عاشق اور فریفتہ ہوا جب قصد ہمبستری کیا تو اس لونڈی نے کہا کہ ہم تیر حرام ہیں کیونکہ تمہارے باپ کے تصرف میں آچکے ہیں ہارون الرشید نے ابو یوسف قاضی کو بلا بھیجا اور سارا قصہ بیان کیا۔ ابو یوسف نے کہا اے امیر المومنین اس لونڈی کے کہنے کا کیا اعتبار اور اسکے کلام کے تصدیق کرنیکی کیا ضرورت جھوٹا جانکر اپنی کارروائی کرو ابن المبارک کہتے ہیں ہم نہیں جانتے کہ ان تینوں آدمی کے حال سے کس کا حال زیادہ قابل تعجب ہے آیا ہارون الرشید کے حال سے تعجب کریں جسنے ہزاروں مسلمانوں کا ناحق خون کیا (مفسدان سلطنت کا) اور مال انکا غصب کیا اسپر ہی اپنے باپ کی حرمت کا خیال کر کے ابو یوسف سے فتویٰ لیا یا اس لونڈی کے حال پر تعجب کریں کہ پادشاہ روئے زمین اسکا قصد کرتا ہے اور یہہ گریز کرتی ہے یا اس ابو یوسف کے حال سے تعجب کریں جو فقیہہ روئے زمین ہے ہارون الرشید کو فتویٰ دیا کہ اپنے باپ کی ہتک حرمت کرے اور اپنی شہوت پوری کرے اور گناہ اسکا میری گردن پر رکھے" اگر علامہ مصنف ان ہی لفظوں کو کسی محقق مورخ کی تاریخ میں دکھادیں تو ایک ہزار انکی نذر کرتے ہیں۔ یہہ جتنی باتیں شیعہ گھر بیٹھے بیٹھے گھڑتے ہیں ان ہی سے انکے خیالات کی وسعت اور دماغ کی قوت معلوم ہوتی ہے یہہ کیونکر ممکن ہو سکتا ہے کہ صدہا حسینہ لونڈیوں کے ہوتے وہ ایک بڑھیا پر بہت درازی کرے جسکی عمر کم سے کم ۵۴ برس کی ہوگی کیونکہ اسکے باپ کے تصرف میں آچکی تھی۔ اور اگر یہہ بھی تسلیم کرلیں کہ ایسا ہوا تو پھر یہہ سمجھہ میں نہیں آتا کہ ایسی حالت میں ہرون الرشید اس سے باز رہتا جو اپنی شہوت رانی کے لئے آمادگی ظاہر کر چکا تھا اور وہ انکار کرتی۔ یہہ جتنی باتیں ہیں انسے نشانان شیعہ موصوف ہو رہے ہیں اپنا عیب دوسروں پر تھوپا جاتا ہے

خلیفہ ہرون الرشید کے عدل و انصاف کا ڈنکا تمام یورپ میں بج رہا ہے محققین یورپ نے

ایسے عادل اور پارسا تسلیم کر لیا ہے اگر علامہ مصنف جیسے اور بھی دو چار انکے ہمخیال خلیفہ ہارون الرشید کی نسبت یہہ یقین لکھیں تو انکی شان میں کچھ فرق نہیں آتا۔

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم	چشمۂ آفتاب را چہ گناہ

زیادہ میں اور کیا لکھوں بس یہی دعا ہے کہ خدا انھیں ہدایت کرے اور بیشک یہہ لوگ قابل رحم ہیں ناظرین سے یہہ بھی التجا ہے کہ ایک تو امام ابو حنیفہ کی نسبت جارج ہملٹن کی رائے ملاحظہ کریں اور پھر شیعوں کی رایوں پر کہ جو اپنے کو مسلمان کہتے ہیں توجہ کریں اس مقابلہ سے ہم یہہ نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ عیسائیوں کی ترقی کا ستارہ عروج پر ہے اور یہہ حضیض پستی میں پڑے ہوے ہیں کیا گالیاں اور برا بھلا کہنا اس شان و عظمت کو جو خدا کیطرف سے عطا ہوئی ہے مٹا سکتا ہے کیا یہود و نصاری کی مخالفانہ اور خونریز کوشش اسلام کی ترقی کے مقابلہ میں کچھ کام آئیں حنفی ان بے بنیاد اور نامہذب تحریروں سے اپنا دل نہ دکھائیں اور وہ یہہ مقابلہ کر کے دیکھ لیں کہ ابو حنیفہ پر جان فدا کرنے والے کتنے ہیں تمام یورپ امام صاحب کی کریم النفسی اتقا زہد دیانتداری خوش خلقی کی تعریف کرتا ہے اور ان کو مسلمانوں میں بہت بڑا عالم جانتا ہے تمام جہان کے مسلمان سوائے چند شہروں کے امام صاحب کا دم بھرتے ہیں اس سے زیادہ عظمت اور شان کس کی ہو سکتی ہے آؤ اپنے اماموں میں سے اگر کوئی انکے مقابلہ کا ہووے پھر تم سچے ہوگے۔

چھٹا باب

امام صاحب کا کیریکٹر یا عادات وصفات

میرے خیال میں جو کچھ جارج ہملٹن مترجم ہدایہ نے امام کی عادات وصفات پر لکھا ہے وہی کافی ہے لیکن پھر بھی میرا فرض ہے کہ میں اور بھی مختلف تاریخوں سے آپ کے کیریکٹر کی نسبت کچھ قلم فرسائی کروں۔ یورپین مصنف یکزباں ہوکر امام صاحب کی انوسینٹ اور اسپاٹ لیس لائف یعنی پاک اور بے عیب زندگی کے قائل ہیں بلکہ ایک آزاد انگریزی مورخ تو یہاں تک بھی لکھتا ہے کہ ابو حنیفہ بطور خود دعوی نبوت کرتا تو اسکا نبی بنجانا مشکل نہ ہوتا، خیر ہمیں ان رایوں سے انکی کچھ کام نہیں ہے ہمارا فرض ہے کہ امام کی ان صفات کو بیان کریں جنسے صدہا تاریخوں کے صفحے سیاہ ہورہے ہیں امام ابو حنیفہ کا جیسا بچپن پاک تھا ایسا ہی انکا عنفوان جوانی کا زمانہ بے داغ تھا اور جیسا جوانی میں انکا اتقا تھا بڑھاپے میں بھی ان ہی نیک صفات سے مملو تھا۔ تجارت کا معاملہ ایک ایسا ٹھیٹرا ہوتا ہے کہ اس میں کبھی نہ کبھی لالچ آہی جاتا ہے اور انسان طمع زر میں یا اپنے نفع کے خیال میں فریب کو بھی جائز قرار دیتا ہے مگر یہہ تعجب انگیز امر ہوگا جب ہم ابو حنیفہ کی لائف پر نظر ڈالینگے کہ وہ اپنی نیک نیتی اور ایمانداری کے آگے لاکھوں روپیہ پر لات مارتے تھے اور کبھی انھوں نے دیانت داری اور راستبازی کو ہزار دو ہزار یا لاکھ دولاکھ درہم پر قربان نہیں کیا علامہ حمید بن جوزی لکھتا ہے کہ ابو حنیفہ کی ابھی پندرہ سولہ برس ہی کی عمر ہوگی کہ ایک دلال عصر نامی آپکے پاس آیا اور کہا کہ صاحبزادہ تمہیں روپیہ پیدا کرنیکی ایک تدبیر بتلاتے ہیں بشرطیکہ تم اسپر عمل کرو ابو حنیفہ نے دریافت کیا کہ وہ کیا تدبیر ہے اسنے کہا کہ کل ایک دولتمند بیگم کو تمہارے پاس لاؤں گا وہ کئی سو درہم کا کپڑا لیگی تم معمولی قیمت سے زیادہ قیمت بتانا اور اپنی خریدے رقم کی تعداد ڈیوڑھی بتا دینا تاکہ اسے پھر چون وچرا کرنیکی جگہ نملے یہہ سنکر ابو حنیفہ

کی آنکھیں مارے غصہ کے لال ہوگئیں دفعۃً پھر کر ہو بیٹھے اور جواب نہ دیا اسنے متعجب ہوکر دریافت کیا کہ آپنے کچھ جواب نہ دیا ابو حنیفہ نے کہا کہ سو دو سو درہم پر میں اپنا ایمان نہیں فروخت کرتا اسنے پھر کہا کہ یہی سو دو سو درہم نہ سمجھنا بلکہ میں ہمیشہ ایسے ہی گاہک لایا کروں گا آپ کو ایک سال میں دیکھیگا کتنا فائدہ ہوتا ہے آپنے پھر اسکا نہایت رکھے پن سے جواب دیا اور وہ جواب یہہ تھا کہ میرا دل نہیں چاہتا کہ دولت کے لالچ سے جھوٹ بولوں اور خدا و رسول کے آگے ذلیل ہوں''

خیال کرنیکی جگہ ہے کہ اس کم عمری میں کہ ابھی تعلیم بھی نہیں ملی تھی امام کا یہہ حال تھا یہہ ایک قدرتی بات ہے کہ خدا جب کسی بندہ کو کسی کام کے لئے پیدا کرتا ہے اسکو اس ہی کام کے لایق جوہروں سے آراستہ کرتا ہے۔

اگر امام کے بچپن اور والدین کی اطاعت پر خیال کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ جو صفتیں ایک مقدس اور پاک ذات میں ہونی چاہئیں وہ ابو حنیفہ میں موجود تھیں ابو حنیفہ نے کبھی بچپن میں کسی چیز کی ضد نہیں کی اور نہ کبھی ایسی بات کی کہ جس سے ثابت کا دل رنجیدہ ہوا ہو علامہ حمید بن جوزی لکھتا ہے کہ ثابت کبھی اپنے نونہال بچہ پر خفا نہیں ہوا'' اس سے زیادہ سعادتمندی اور کیا ہوسکتی ہے کہ ناسمجھی کے زمانہ میں بھی والدین کو کبھی ناراض نہیں کیا یہہ اور بھی تعجب انگیز بات ہے کہ آپنے اپنے باپ کے آگے کبھی پیر نہیں پھیلائے اور نہ کبھی آنکھ ملاکر بات کی۔ حفظ مراتب پدری اسقدر بڑھا ہوا تھا کہ کبھی کوئی بات خواہ اپنے مشاہدہ کے خلاف ہی کیوں نہو نہیں کاٹی اور اسکی تردید نہیں کی۔ فرمانبرداری اتنی بڑھی ہوئی تھی کہ ایک دن آپکے والد اول شام کو کچھ تھانوں کا حساب دیکر سو رہے اور یہہ کہدیا کہ ابو حنیفہ اس حساب کو نبٹاکر اٹھنا گو وہ حساب ایسا طول وطویل اور پیچیدہ نہ تھا شاید گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ کا ہوگا اتفاق سے اسمیں ایک غلطی واقع ہوگئی اور وہ کسی طرح حل نہوئی یہانتک کہ موذن نے اذان صبح دی اسوقت ابو حنیفہ کی عمر شاید گیارہ بارہ برس کی ہوگی جوں ہی ثابت

نماز کے لئے اٹھے تو انھوں نے اپنے پیارے فرمانبردار بچہ کو چراغ کے آگے بیٹھا ہوا دیکھا۔ متعجب ہوکر دریافت کیا بیٹا کیا تم ابھی اٹھے ہو ابو حنیفہ۔ جی نہیں میں سویا نہیں شام سے بیٹھا ہوا حساب کر رہا ہوں اسمیں کچھ غلطی پڑ گئی ہے یہ حل نہیں ہوتا۔ یہ سنتے ہی ثابت نے اپنے گلے سے لگالیا اور بہت روئے پھر کہا بیٹا تمہیں رات بھر بڑی تکلیف ہوئی ہوگی ابو حنیفہ نے جواب دیا کہ تکلیف ہوتی تو میں شاید نہ بیٹھ سکتا۔ ہر دفعہ جب حساب نکالتا تھا تو ساتھ ہی دعا بھی کرتا جاتا تھا کہ کسیطرح میرے والد کے حکم کی تعمیل ہو جائے یعنے یہ حساب صاف ہو جائے ایسی صدہا باتیں امام صاحب کی پاک فطرت اور بزرگوں کا ادب ظاہر کرتی ہیں۔ ثابت کو ہمیشہ آرزو رہتی تھی کہ میرا پیارا بیٹا کسی چیز کی فرمائش کرے لیکن ابو حنیفہ نے کبھی کوئی چیز آپ سے نہیں مانگی جو کھانا ہوا وہ کھالیا اور جو کپڑا دیا پہن لیا۔ ماں نے ایک دن کہا بیٹا کبھی کوئی چیز تو اپنے باپ سے اپنی خواہش کے موافق مانگا کرو آپ نے جواب دیا کہ مجھے اول تو کسی خارجی چیز کی خواہش نہیں ہوتی اور اگر ہو بھی تو میں جانکر نہیں مانگتا اسلئے کہ اگر مینے کوئی چیز طلب کی اور وہ گھر میں موجود نہوئی تو والد کو ایک تردد کرنا پڑیگا اور یہ میں گوارا نہیں کرتا کہ میرا باپ میری وجہ سے متردد ہو" کیا اس پاکبازی۔ اطاعت اور فرمانبرداری حفظ مراتب کی کوئی نظیر ہو سکتی ہے؟ امام کے بچپن پر جب تک کہ آپنے باقاعدہ تعلیم شروع نہ کی تھی اگر ہم ایک نظر کریں تو ایک پرشوکت عجب منظر معلوم ہو گا۔ وہ ایک تاجر کا بچہ تھا لیکن اسکی اولوالعزمی امرا کے بچوں سے کم نہ تھی۔ ابھی تک اسنے کچھ پڑھا نہ تھا لیکن علما کی صحبتوں کا شایق تھا آپنے کبھی بیہودہ کھیل نہیں کھیلا اور نہ کبھی برابر کے بچوں کے ساتھ اپنی زندگی کا کوئی جزو گذارا۔ ہوش سنبھالتے ہی ابو حنیفہ وظیفہ وظائف کیطرف متوجہ ہوگئے مگر انکا وظیفہ یہ وظیفہ نہ تھا کہ تسبیح پھیروں کس کو گھیروں بلکہ وہ قرآن کی تلاوت کیا کرتے تھے اور نبی عربی کی حدیثیں سن سنکر یاد کرتے تھے ابو حنیفہ کا صحابہ سے احادیث کا روایت نہ کرنا در اصل ایک مشکوک امر ہے گو اسکی نسبت ہم بہت کچھ تحقیق سے اپنی رائے ظاہر کرچکے

ہیں لیکن تاریخ سے یہہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ آپ کو بچپن ہی میں صدہا حدیثیں یاد تھیں اس زمانہ میں کوفہ میں عموماً درسگاہیں کھلی ہوئی تھیں اور ان میں روزمرّہ مذہبی باتوں پر لیکچر ہوا کرتے تھے کوئی علمی مجلس اور انجمن ایسی ہوگی کہ جہاں اپنے باپ کے ساتھ یا تنہا ابوحنیفہ نہ جاتے ہوں اور شریک ہوکر استفادہ نہ لیتے ہوں ۔

وہ دماغ جسمیں فطرت نے بڑے بڑے قیمتی جوہر مضمر رکھے تھے ۔ وہ دماغ کہ جو روز ازل ہی سے علم اور قابلیت کے خوشبودار پھولوں سے معطّر کیا گیا تھا ۔ وہ دماغ جسمیں کوٹ کوٹ کر علم وفضل کا ایک ذخیرہ بھرا ہوا تھا ۔ رفتہ رفتہ ان خوش آیندہ مبارک صحبتوں سے نمو پکڑ رہا تھا کہ جنکے اثر نے آخر کار دنیا کے ۱/۵ حصہ کو انکا مطیع ومنقاد بنا دیا ۔

بچپن میں جس پابندی سے روزہ نماز کیطرف امام ابوحنیفہ کی توجہ مبذول تھی وہ تعریف کے قابل ہے حمید بن جوزی لکھتا ہے کہ شاید ہی کبھی ایسا اتفاق ہوتا ہو کہ امام فجر کی نماز مسجد میں نہ پڑھتا ہو اور نہیں پانچوں وقت کی نماز مسجد میں ہوا کرتی تھی یہہ بڑا مبارک زمانہ تھا جب یہہ نونہال بچہ کوفہ کے شاہراہوں میں چپ چاپ سے گزرا ہوا دکھائی دیتا تھا ۔ اسکی چپ چاپ صورت کی سنجیدگی ۔ متانت ۔ بھاری بھرکم پن پاس کے جانے والوں کو از خود آپکی تعریف پر مائل کرتا تھا کبھی ابوحنیفہ اس ناسمجھی کی حالت میں اپنے برابر والے ہی سے نہیں بلکہ اپنے نوکر چاکروں سے بھی کج خلقی اور روکھے پن سے نہیں بولے مزاج میں کسیقدر ظرافت مگر تہذیب کے ساتھ تھی تاہم یہہ تعجب انگیز امر ہے کہ آپنے کبھی مذاق میں بھی جھوٹ نہیں بولا . . . بلکہ جھوٹ سے ایسی نفرت تھی کہ اگر ساتھیوں میں کسی نے جھوٹ بولا تو اسکو فہمائش کی پھر بھی اگر وہ باز نہ آیا تو اس سے بات کرنی چھوڑ دی بچپن میں ذہانت ہوشیاری اور طباعی عقلمندی دور اندیشی ایسی بڑھی ہوئی تھی کہ کم عمری میں لاکھوں روپیہ کے معاملات خود ہی بھگتایا کرتے تھے ۔
آپ نے کئی بار بچپن میں بصرہ وغیرہ تک سفر کیا ہے اور ایک تاریخ سے یہہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ

آپ پندرہ سولہ برس کی عمر میں ملک شام بھی تجارت کے لئے گئے تھے **ثابت ابو حنیفہ** کے ہوشیار ہوتے ہی کل معاملات تجارت سے سبکدوش ہو گیا تھا اور کل معاملات ابو حنیفہ ہی کو تفویض کر دئے تھے۔ دو تین ہی برس کے عرصہ میں بہت کچھ ترقی تجارت میں کر لی تھی۔ ایک دن انکے ایک دوست نے دریافت کیا کہ ابو حنیفہ تمہارا ذاتی اتنا خرچ نہیں ہے تم اپنی جان ہلاک کرتے ہو اور ہزاروں روپیہ دوسروں کو دیدیتے ہو اس سے تمہیں کیا فائدہ ہوتا ہے۔ فرمایا کہ ہمیں نبی اکرم نے سکھایا ہے کہ ہم اپنی زندگی قوم کی ہمدردی میں قربان کر دیں اور جہانتک ممکن ہو اپنے بھائیوں کی پرورش کریں" ایک نوجوان بچہ کا یہ جواب کیسا معنی خیز ہے اور کس عالیشان ہمدرد طبیعت کا نقشہ کھینچتا ہے۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ تجارت میں کچھ نقصان آیا ثابت کو کسیقدر غمگینی ہوئی آپنے اپنے باپ کو غمگین دیکھکر کہا ہمیں چاہئے کہ تجارت کے ہر معاملہ کو جیسے دیکھیں اور خدا کی مرضی پر شاکر رہیں نفع بھی ہمیں ہی ہوتا ہے اور نقصان کے مستحق بھی ہم ہی ہیں" یہہ سنکر ثابت بہت خوش ہوا اور اسنے اپنے پیارے بیٹے کی پیشانی پر سرگرانہ محبت سے بوسہ دیا۔ اسی زمانہ میں کوفہ میں خشک سالی ہوئی۔

ابو حنیفہ جب تک مساکین کو اپنے سامنے کہانا نہ کہلاتے تھے خود کہانے میں ہاتھ نہ ڈالتے تھے حمید بن جوزی حساب لگاتا ہے کہ ایک لاکھ درہم غربا اور مساکین کو خیرات کر دئے۔

ان تمام باتوں کو دیکھکر ایک مبصر ابو حنیفہ کی کریم النفسی۔ صبر شکر پر نظر کرکے آپ کی غیر معمولی طبیعت کا بخوبی اندازہ کر سکتا ہے" خلفا کے حالات سننے کے آپ بہت شایق تھے اور اگر کبھی اپنے والد سے گفتگو کرتے تو یہی باتیں دریافت کرتے تھے کہ انکی کارروائیاں کیا کیا تھیں انھوں نے غربا کے ساتھ کیا کیا سلوک کئے تھے اور اسلام کی اشاعت میں انکی کوششیں کس درجہ تک بڑہی ہوئی تہیں

بچپن کا زمانہ ایک ایسا بیخبری کا زمانہ ہوتا ہے کہ ہمیں حفظ مراتب کا خیال بہت کم رہتا ہے مگر اس نونہال سعادتمند بچہ میں یہہ بات بھی وہ جوں جوں بڑا ہوتا گیا اسمیں خود ادب آتا گیا

اور حفظ مراتب میں اسے غلو ہوتا گیا۔ امام بچپن میں جیسا غریب اور فرمانبردار بچہ تھا اسیقدر اپنے
والدین کا پیارا اور ہردلعزیز تھا۔ اسنے معمولی قصوروں پر اپنے ملازمین کو کوئی جسمانی سزا
نہ دی۔ فطرتی طور پر گو ابھی باقاعدہ مذہبی تعلیم نہ حاصل کی تھی پھر بھی یہہ تعجب اور خوشی
سے دیکھا جاتا ہے کہ کوئی فعل ابو حنیفہ کا خلاف شریعت نہوتا تہا۔ مخالفوں نے نئی نئی
باتیں اپنی طرف سے گھڑ گھڑ کر اسکی پاک زندگی کے دامن پر ناواجب طور پہ بدنما دھبے ہر قسم
کی برائی کے لگانا چاہے ہیں مگر اسنے بھی اسکی عظیم الشان توقیر میں کچھ فرق نہیں آیا
اور وہ برابر دن دونی اور رات چوگنی ترقی کرتی گئی اور رفتہ رفتہ یہانتک نوبت پہنچی کہ
اسنے تمام دنیا پر اپنے ہاتھ پیر پھیلا لئے۔

آج تیرہ سو برس کے قریب زمانہ آیا ابو حنیفہ کا ذکر ہنوز تازہ ہے اور ہم اسی پر شوکت ناموری سے
یہہ اندازہ کر سکتے ہیں کہ قیامت تک یہی بلکہ اس سے بھی زیادہ اس ناموری کو ترقی ہوگی
یہ خوب سمجھ لینا چاہئے کہ دروغ کو فروغ نہیں ہوتا خدا ہی کو منظور تھا کہ یہہ بچہ رلیغا مر بنے
اور دنیا کے ختم ہونے تک کروڑہا دلوں میں اس کی جگہ ہووے۔ اخبار طوطی ہند مورخہ ۱۴ اپریل
میں ریویو سیرۃ النعمان کے دوسرے نمبر میں یہہ لکھا ہے "امام صاحب سنہ ۸۰ ہجری میں
پیدا ہوئے اور سنہ ۹۷ھ عہد سلیمان خلیفہ بنو امیہ سے قبل کسی علم کیطرف متوجہ نہیں ہوئے"
ہمیں اس بات کے یقین کرنے میں تامل ہے اسلئے کہ حمید بن جوزی کی تحریر کے مطابق
امام صاحب نے چھوٹی سی عمر میں قرآن حفظ کر لیا تہا اور آپ کو بہت سے قرآنی مسائل
ایسے حل ہوگئے تھے جو اوروں کو بڑی عمر میں جاکر سمجھ میں آتے ہیں اور یہہ بھی تاریخ کے
دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو ہزارہا مختلف حدیثیں بھی یاد تھیں ہاں اب یہہ بات قابل
غور ہے کہ آپ نے کسی بڑے محدث سے تکمیل فن حدیث کا ڈپلومہ حاصل کیا تھا ریویو
کا یہہ خیال صحیح نہیں معلوم ہوتا کہ امام صاحب نے سترہ برس کی عمر تک کچھ نہ پڑھا ہو اور پھر
حماد سے فقہ کی تعلیم پائی ہو۔ بلکہ کل مورخ اسپر متفق ہیں کہ حماد کی درسگاہ میں جانے سے

پہلے امام صاحب نے علم کلام میں کمال حاصل کر لیا تھا۔ اور علم کلام کا چسکا پرزور طبیعت کو جو
سے بچپن ہی سے امام صاحب کو تھا۔ ریویور کا فرض ہے کہ کل تاریخی واقعات کو پیش نظر
رکھکر کسی باب میں رائے زنی کرے شاید علامہ ریویور کی نگاہ میں سترہ اٹھارہ برس کی عمر
بہت کم معلوم ہوتی ہے لیکن اگر وہ علمائے اسلام کی سوانح عمری پر ایک نظر ڈالیں گے تو انہیں
معلوم ہوگا کہ کثرت سے ایسے علما ہوئے ہیں کہ جنھوں نے پندرہ سولہ ہی برس میں تمام معقولی
اور منقولی علوم کو تحصیل کر لیا مثلاً دہلی میں شاہ عبدالرحیم صاحب پدر بزرگوار شاہ ولی اللہ
صاحب کے خاندان میں ہر فاضل پندرہ سولہ برس کی عمر میں فارغ التحصیل ہو گیا تھا۔ یہہ تعجب
انگیز امر نہیں ہے کہ امام نے سولہ سترہ برس کی عمر میں اسلام کے گمراہ فرقوں سے بڑے بڑے
میدان لئے اور ناموری حاصل کی۔

اگر واقعی انصاف کوئی اچھی چیز ہے تو ہمیں اختیار کر کے یہہ دیکھنا چاہیے کہ امام نے بچپن
ہی میں کیا کچھ حاصل کر لیا تھا اور فن حدیث میں انہیں کسقدر ملکہ ہو گیا تھا

حماد کی درسگاہ میں داخل ہونے سے پہلے جیسا کہ مولانا شبلی نے اپنی کتاب سیرۃ النعمان
میں لکھا ہے کہ بصرہ میں خارجیوں وغیرہ کے بڑے بڑے علما کے دانت کھٹے کر دئے اور انہیں
جواب نہ آیا اسی مضمون کو خواجہ نصر اللہ مدنی نے اپنی کتاب تہذیب التہذیب میں بڑی شرح
و بسط سے قلمبند کیا ہے تو میں لایق ریویور سے یہ سوال کرتا ہوں کہ کیا ایسا شخص مناظرے
کر سکتا ہے کہ جو علم دین سے بالکل کورا ہو اور اسے مذہبی مسائل نہ آتے ہوں یہہ ہرگز ممکن
نہیں ہو سکتا اس سے یہہ ثابت ہو گیا کہ بچپن میں ابو حنیفہ جیسے حمیدہ خصائل اور برگزیدہ
فضائل سے ملو تھے ایسے ہی ہزارہا احادیث نبویہ پر بھی قدرت رکھتے تھے یہی وجہ تھی کہ
فطرت نے آخر کار آپ کو شرع محمدی کے خوشنما سانچے میں ڈھال دیا تھا۔ اسلیے انکا بچپن مبارک
اور اسپاٹ لیس شمار کیا جاتا ہے۔

(جوانی)

امام صاحب کی جوانی اور بھی خوبصورت اور خوشنما تھی۔ خوبصورتی سے مطلب ظاہری حسن و خوبی جمال ہی نہیں ہے بلکہ باعتبار اخلاق خلوص نیت اور حسن عقیدت کے آپ حسین تھے جوانی کا زمانہ عموماً عجیب ولولوں اور عجیب جوشوں سے پر ہوتا ہے نئی نئی آرزوئیں روز طبیعت میں پیدا کرتی ہیں۔ اور تازہ تازہ امنگیں جوبن خیز حسن میں جلوہ دیتی ہیں عموماً نوجوان طبائع کا رجحان نامبارک جذبوں کیطرف ہوتا ہے اور دل ایسی ہی ایسی غیر خوش آیندہ باتوں سے خوش ہوتا ہے کہ جو بڑھاپے میں سوائے خفت اور ذلت کے کچھ نہیں دیتیں۔ تمام دنیا کے مسلمان ابو حنیفہ کی جوانی اور اسکی حالت کیطرف تعجب بھری نظروں سے دیکھ رہے ہیں۔ کیا یہ منظر حد سے زیادہ متحیر کرنیوالا نہیں ہے کہ امام کی جوانی بھی ان ہی معمولی جوشوں اور ولولوں سے پر تھی وہی امنگیں اور آرزوئیں بحر مواج کی موجوں کیطرح لہردار صورت میں طبیعت میں پیدا ہوتی تھیں مگر ان تمام مبارک جذبوں۔ جوشوں۔ امنگوں۔ ولولوں۔ آرزوؤں۔ امیدوں کی اصل وہ پاک اور برکت والی محبت تھی کہ جسمیں ایک بڑا عنصر دین برحق کا تھا یعنی وہ محبت نبی اکرم کی تھی اور جتنی خواہشیں دل میں پیدا ہوتی تھیں وہ یہی تھیں کہ نبی کے ہر قول پر گردن تسلیم خم کیجائے اور حتی الوسع اسپر کاربند ہونا لازم ہے۔

آپ جوانی میں خلق مجسم تھے جارج ہملٹن کا یہ قول آب زر سے لکھنے کے قابل ہے کہ "ابو حنیفہ کی خوش خلقی۔ فصیح۔ و بلیغ تقریر کرنے نے لاکھوں کو اپنا بنالیا۔ اس کہنے کی میں دلیری کرسکتا ہوں کہ نبی عربی کے شریف خلق کا بہت بڑا حصہ ابو حنیفہ کو ملا تھا۔ وہ اپنے رشتہ داروں پر جان نثار کرتا تھا اسے خصوصاً تمام مسلمانوں سے دلی الفت تھی۔ وہ ایک پیاری مخلوق کرنے محبت اور ہمدردی کا اچھے اعلےٰ نمونہ ثابت کردیا حد سے زیادہ غرت کے قابل ہے وہ وہ صفتیں جنھیں انبیاء نے اپنا خاص حصہ بنایا تھا اگر پوری قوت سے نہیں تو کسی قدر کمی ہی میں بھی ابو حنیفہ میں موجود نہیں۔

وہ نوجوانی میں جیسا خلیق۔ مہذب۔ شایستہ۔ تھا۔ ایسا ہی بے نیاز تھا۔ شاہان زمانہ اور

امرا کی صحبت زیادہ خوش نہ معلوم ہوتی تھی عموماً آپ تلاش کر کر کے بزرگان دین کی خدمت میں جاتے تھے اور یہی انکی اصلی خوشی اور حقیقی شادمانی کا باعث تھا۔
نبی عربی کی وہ محبت جو ابو حنیفہ کی سرشت میں مضمر تھی اور عمر کے ساتھ اسکا بھی نمو ہوتا تھا آخر جوانی میں اس حد تک پہنچی کہ آپ حضرت امام باقر علیہ السلام کیخدمت میں مدینہ منورہ حاضر ہوئے۔ اس زمانہ میں بعض بعض مسائل میں امام کیطرف سے غلط فہمی پڑگئی تھی اور اسکی شہرت کم زیادہ دور دور تک ہوگئی تھی اسی بنا پر یہہ کہا جاتا ہے کہ امام باقر نے ابو حنیفہ سے کہا کہ "تمہیں ہمارے دادا کی حدیثوں سے مخالفت کرتے ہو" اسکی نسبت ہم پہلے مفصل لکھہ چکے ہیں لیکن چونکہ یہاں عادات وصفات کی بابت بیان کیا جاتا ہے اسلئے اس موقع کی چند باتیں تحریر ہوتی ہیں چندروز تک امام ابو حنیفہ حضرت امام باقر علیہ السلام کیخدمت میں رہے جب حضرت موصوف نے امام صاحب کی یہہ شائستگی۔ خدا پرستی۔ اور خلق دیکھا ایکدن کہنے لگے "ابو حنیفہ تمہارا یہاں آنا مبارک ہے ہم تمسے بہت خوش ہوئے بیشک تم سچے مسلمان اور دیندار عالم شخص ہو" شیعوں کو چونکہ قدرتی حنفیوں سے عداوت ہے انھوں نے ایسی ایسی سخت باتیں بنائیں کہ جنھوں نے ابو حنیفہ کو توجسقدر برا ثابت کیا اسکا ذکر نہیں۔ بلکہ معاذ اللہ الٹا حضرت امام باقر کو انکا مہتمم ٹھہرادیا۔ مولانا شبلی نے بھی شیعوں کے قولوں کو جب کثرت سے اس باب میں دیکھا تو اپنے خیال میں صحیح جانکر مذکورہ بالا فقرہ نقل کردیا۔ قدرتی طور پر امام صاحب کو اہل بیت سے دلی محبت تھی اور یہہ محبت صرف اس خلوص عقیدت کیوجہ ہی سمجھنی چاہیے جو آپ کو دین اسلام کیطرف سے تھی مگر فاضل ریویور اخبار طوطی ہند مطبوعہ ۱۶ اپریل میں اس محبت سے انکار کرتا ہے اور لکھتا ہے "امام ابو حنیفہ صاحب کے دل میں ائمہ اہل بیت کی وقعت ایک خاص خلوص عقیدت سے قبول نہیں کیجا سکتی اگر ایسا ہوتا تو صرف حضرت امام محمد باقر یا امام جعفر صادق علیہما السلام پر بھروسہ کرکے ہر ایک جگہ زانوے

شاگردی طے نہ فرماتے اور اسی آستانہ پر ابن رسول سے (جس آستانہ پر قوت ملکوتیہ بوسہ دیتی رہی) جب نادر باتیں فقہ اور حدیث کے متعلق حاصل ہوئیں جبین عقیدت ٹیک دیتے لیکن جسقدر چند مرتبے کی ملاقات میں جو کچھہ حاصل ہوا اسکے سبب سے بہت کچھہ اصلاح ہوئی تھے خصوصاً مسئلہ حسن وقبح اشیا کے عقلی ہونیکا" کہ سوائے مذہب شیعہ کے کہ جو اپنا توسل صرف ائمہ اہلبیت سے گردانتے ہیں دوسرا فرقہ خلاف اسکے حسن وقبح اشیا کا منقولی مانتے ہیں یہہ مسئلہ ضرور امام صاحب نے امام مفترض الطاعت سے سیکھا لیکن خود رائی اور قیاس کے اغراض سے بری نہوسکے کہ طریقہ قیاس بھی اسی آستانہ کی تربیت سے حاصل ہو سکتا تھا جسکے لئے ایک مدت درکار تھی اور یہہ داغ خود رائی اور قیاس اپنے دامن اجتہاد پر اسی سبب سے لگوایا کہ محمول کا منصوص ہونا ضروری نہیں جانا۔ اور اسی سبب سے غلطیاں حل مسائل میں واقع ہوئی ہیں" علامہ ریویور کے اعتراض پر اگر مورخانہ پہلو سے دیکھا جائے تو اسکی ذرا بھی وقعت نہیں ہوسکتی یہہ بھی تماشہ کی بات ہے کہ ابو حنیفہ نے اپنی تمام عمر اس آستانہ میں جسکی جبریل دربانی کرتے تھے نہ گزاری اسی وجہ سے یہہ ثابت ہوگیا کہ انہیں ائمہ اہلبیت کے ساتھہ محبت نہ تھی یہہ کن شہادتوں سے ثابت ہو سکتا ہے کہ حضرت امام باقر علیہ السلام تمام جہان کے علوم جانتے تھے۔ کیا ہم اسکا کوئی ثبوت دیسکتے ہیں کہ انہیں ریاضی۔ فلسفہ۔ کلام۔ ادب۔ انساب ایام العرب۔ فقہ۔ حدیث ایسی زبردست آتی تھی کہ انکا ثانی اسوقت کسی شہر میں کوئی فرد بشر نہ تھا۔ مذہبی حسن عقیدت کیوجہ سے بحث کرنا اور چیز ہے اور بین واقعات کو پیش نظر رکھکر بحث کرنا اور امر ہے ہاں اگر حضرات شیعہ یہہ مذہب رکھتے ہوں کہ جیسا نبی کو جبریل تعلیم کر جاتے تھے اسیطرح اہلبیت میں سے ہر متنفس کو وحی تعلیم کرنے آتے تھے تو ہمیں ذرا بھی عذر نہوگا اور ہم خاموشی سے یہہ تسلیم کرلیں گے کہ حضرت امام باقر علیہ السلام تمام جہان کے فاضل تھے اور جب شیعہ تعلیم جبریل کے قایل نہ ہونگے تو انہیں سخت مشکل پڑے گی جب وہ یہہ ثابت کرینگے کہ علم وفضل میں امام باقر سے زیادہ اسلامی دنیا میں کوئی نہیں تھا

ہاں امر اضافی کا شرف کسیقدر تسلیم ہو سکتا اگر اسلام کا صاف حکم ہوتا کہ نیک اعمال کروگے تو فلاح پاؤگے اگر یہی ہوتا تو انبیا کی بعض بعض اولاد خصوصاً حضرت آدم ہی کا ایک بیٹا گمراہ نہوتا۔ ہم مسلمان ہیں ہمپر اہلبیت کا ادب اور تعظیم کرنی فرض ہے لیکن ساتھ ہی اسکے اس یقین کرنے پر ہم کبھی مجبور نہیں ہو سکتے کہ اہلبیت کو بغیر بین ثبوتوں کے تمام جہان کے علوم میں اکمل شمار کرلیں۔ جو کچھہ ابو حنیفہ نے انسے حاصل کیا وہ اسقدر نہ تھا کہ اس فاضل کی تشنگی علم کو بجھا سکتا۔ اسلئے کہ سوائے چند روایتوں کے جو خاندانی چلی آتی ہیں اور کوئی باقاعدہ تعلیم کسی تاریخ سے ثابت نہیں ہوئی کہ امام باقر یا آپکے صاحبزادہ امام جعفر صادق سے حاصل کی ہو ہاں یہہ ہمیں تسلیم کرنا پڑیگا کہ خلافت کا استحقاق قایم کرنے پر عموماً خیال لگائے جاتے تھے اور انکا نتیجہ یہہ ہوا کہ عباسیوں سے مدت تک سادات کی چھنتی رہی اور طرفین سے ہزاروں بیگناہ مسلمان برسوں تک نہایت بیرحمی سے قتل ہوتے رہے ہم اسکی بابت زیادہ بحث کرنا نہیں چاہتے اسلئے کہ ہمارا مطلب اس بحث سے بہت دور جا پڑا صرف ہمیں مختصر طور پر امام صاحب کی جوانی کے کیریکٹر کو دکھانا ہے جس سے نوجوان طبائع بہت کچھہ سبق حاصل کرسکتی ہیں۔ امام صاحب جب کبھی بات کرتے تھے تو نہایت مختصر الفاظ میں اپنے مطلب کو ادا کرنے کی کوشش کرتے تھے صاف صاف مروجہ الفاظ اور چھوٹے چھوٹے شیریں فقرے آپکی باتوں کو مزیدار بنا دیتے تھے۔ بات کرتے وقت مخاطب کی توجہ کا زیادہ خیال رہتا تھا کہ آیا یہ میری باتوں سے برداشتہ خاطر تو نہیں ہوتا۔ عموماً خاموشی زیادہ پسند فرماتے تھے اور آپ گفتگو سے پہلے تمہید اٹھانے کو سخت ناپسند کرتے تھے حتی الوسع یہہ کوشش کرتے تھے کہ میرے کسی لفظ سے مخاطب کا دل نہ دکھے۔ گفتگو میں نرماہٹ۔ لوچین۔ شیرینی۔ صفائی۔ اختصار۔ سلسلہ زیادہ مدنظر ہوتا تھا۔ یہہ اور بھی قابل تعریف امر ہے کہ سخت اور درشت بات کا بھی جواب اپنی معمولی خندہ پیشانی سے دیتے تھے۔

بڑی صنعت انسان میں تحمل کی ہوتی ہے وہ ابو حنیفہ میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی نوجوانی میں تحمل بہت بڑی بات ہے اور ہر ایک میں اکثر کم دیکھا جاتا ہے مگر اس نیک فطرت امام اعظم میں جوانی ہی میں اسقدر تحمل تھا کہ بڈہوں میں بھی مشکل سے دیکھا جاتا ہے ایک دن آپ سے ایک بڑھیا نے ایک مسئلہ پوچھا۔ آپنے حدیث کے مطابق اسکا جواب دیدیا اس بڑھیا نے کہا کہ ابھی میں زید بن ثابت سے دریافت کرکے آئی ہوں اسنے کچھہ اور بتایا ہے ابو حنیفہ نے نرمی سے جواب دیا شاید میری نسبت ان ہی کو زیادہ صحت ہوگی۔ اسنے جھنجھلا کہا کہ تو بہی بڑا ڈہیٹ ہے اپنی غلطی کا اعتراف نہیں کرتا۔ اس تلخ زبانی پر بھی آپنے اسی خندہ پیشانی سے جواب دیا۔ بخدا اگر میں غلطی پر ہوتا تو ضرور اعتراف کرلیتا۔ پھر اس بڑھیا نے یہی کہا کہ مجھے تو غلطی پر معلوم ہوتا ہے۔
اب بھی آپ کو ناگوار نہ گزرا۔ اور یہہ باصواب جواب عنایت فرمایا۔ آؤ میں اور تم دونوں ملکر دعا کریں کہ یا اللہ اگر میں غلطی پر ہوں تو مجھے معاف کیجیو اور اس حدیث کی حقیقت سے مجھے واقف کردیجو۔ یہہ سنکر بڑھیا رونے لگی اور اسنے اپنی اسی رونکھی صورت میں یہہ کہا تیری بردباری اور خلق کی نسبت جو کچھہ مینے سنا تھا اس سے وہ چند پایا خدا تجھے اور بھی اسلام کے برگزیدہ فضائل سے مالا مال کرے'' دوسری مثال آپ کی بردباری کی یہہ ہے کہ بصرہ کے بازار میں دو طالبعلم باہم لڑتے ہوئے دکھائی دیے آپ بھی اس غول میں گھسے جھاں طلبہ لڑرہے تھے ایک خارجی تھا اور ایک ابو حنیفہ کا معتقد تھا حنفی طالبعلم بڑا قوی ہیکل تھا اسنے خارجی کو جو ابو حنیفہ کو گالیاں دے رہا تھا تو تو میں میں کرتے کرتے ایک تھپڑ رسید کیا اور دبا کر بیٹھا۔ ابو حنیفہ غول میں سے زبردستی اندر گھس گئے اور خارجی طالبعلم کو چھڑایا۔ اور حنفی کو بہت دھمکایا اور یہ آیت پڑھی۔ لا اکراہ فی الدین پھر اسے لاسا دیتے ہوے اپنے گھر لے آئے اسکی غریبانہ وضع دیکھکر بہت سا کپڑا اور نقد روپیہ دیا اور اپنے ہاں سے کچھہ وظیفہ مقرر کردیا۔ طالبعلم پچھتاتا تھا کہ یہی ابو حنیفہ ہیں جنکو میں

گالیاں دے رہا تھا اسنے ایسا کریم النفس سخی دیکھکر تعجب کیا اور یہہ دریافت کرنے لگا کیا آپ یہیں کے رئیس ہیں۔ آپنے فرمایا کہ میں کوفہ کا رہنے والا ہوں۔ طالبعلم نے متعجب ہوکر دریافت کیا کہ آپ ابو حنیفہ کو بھی جانتے ہوں گے وہ کیسا شخص ہے۔

ابو حنیفہ۔ میں اسے خوب جانتا ہوں جہانتک میرا خیال ہے وہ اتنا برا نہیں ہے جتنا اسکی نسبت تونے سنا ہے۔ پھر اس طالبعلم کو چند لمحے کے بعد معلوم ہوگیا کہ یہی ابو حنیفہ ہیں وہ سخت ذلیل ہوا اور اس نے بہت معذرت کی۔ خارجی مذہب سے تائب ہوا اور سُنی المذہب حنفی ہوگیا۔

یوں تو ہزاروں مثالیں ہیں جنسے ابو حنیفہ صاحب کی بردباری اور تحمل معلوم ہوتا ہے لیکن میں ان ہی دو مثالوں پر اکتفا کرتا ہوں اور جوکسیکو زیادہ دیکھنا ہو تو خواجہ نصر اللہ مدنی کی کتاب تہذیب التہذیب میں بخوبی ملاحظہ کرسکتا ہے کہ اس والاشان ذات نے کس صبر اور تحمل بردباری سے اپنی جوانی کاٹی اور اپنی حمیدہ خصائل کیوجہ سے لاکھوں مخالفوں کو اپنا شیدا بنالیا۔

امام کی معاشرت اور بڑھاپا

یہہ سنکر دنیا نوسی خیالات کے آدمی متعجب ہوں گے کہ ابو حنیفہ صاحب کی معاشرت امیرانہ اور پُر تکلف تہی۔ انکی امیرانہ پوشاکیں اور انکے رہنے اور نشست کا مکان نفاست سے پاک اور صاف چیزوں سے آراستہ تہا۔ انکا ذاتی خرچ ایک امیر کبیر سے کم نہیں تہا لیکن اس خرچ میں طلبہ کا زیادہ حصہ ہوتا تھا کہ جو اپنا وطن چھوڑکر شوق علم میں آپ ہی کے آستانہ پر پڑے ہوئے تھے۔ آپکو دسترخوان پر دونوں وقت کثرت سے طلبہ بیٹھکر کہانا کہاتے اور سب کے وظیفے مقرر تھے آپ کے پاس سواری کے کئی گھوڑے تھے اور بہت سے ہتہیار بہی قیمتی اور عمدہ رکھتے تھے۔ وہ پُر تکلف سامان جو ایک امیر کے لیے موزوں ہو سکتا ہے امام صاحب

کو حاصل تھا آپ کے کپڑے کبھی کبھی سو روپے کے قیمت کے ہوتے تھے اور ہمیشہ یہ بیان کیا جاتا ہے کہ کم قیمت کپڑے پہننے سے آپ کو نفرت تھی۔ عوام الناس شاید پر تکلف کھانوں اور قیمتی کپڑوں کو مسلمان مجتہد کے خلاف شان سمجھیں اور یقین کریں کہ شان اسلام ان میں اتنی نہ تھی جتنی بیان کیجاتی ہے مگر یہ انکی بڑی غلطی ہے۔ کیا کھجور کے بورئے پر نیلی تہبند اور گریبان چاک لٹھے کا کرتا پہنکر بیٹھنے کا نام اسلام ہے؟ یہ غلط فہمی چند نا اہل صوفیوں نے ڈالی ہے کیونکہ وہ رہبانیت جسکا اسلام قاتل ہے پسند کرتے ہیں۔ حالانکہ اسلام کی شان ان باتوں سے بہت بعید ہے۔ ہم پہلے ہی لکھ چکے ہیں کہ کھانے پینے کپڑا پہننے کو اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے نہ نبی عربی کے ہر فعل کی سوائے فعل دین کے تقلید کرنے پر ہم مجبور کیے گئے ہیں اسلئے اگر ہم بالکلیہ ہر کام میں آپ کی تقلید کرنے پر مستعد ہو جائیں گے تو معاذ اللہ اسکے یہ معنی ہیں کہ ہم اپنے کو نبی ثانی بنانا چاہتے ہیں آپکی گیارہ ازواج پاک تھیں کیا ہم ایک سے زیادہ رکھ سکتے ہیں آپ معراج میں تشریف لیگئے تھے کیا ہم بھی یہ کوشش کرکے چوتھے اور ساتویں آسمان کیطرف پرواز کریں۔ جو تحمل اور بردباری رعب۔ متانت۔ روز ازل ہی سے فطرت نے آپکی ذات والا کو خصوصیت کے ساتھ مرحمت کی تھی کیا ہماری کوششوں سے کل صفتیں ہم میں آسکتی ہیں خوب سمجھ لینا چاہیے کہ دینی احکام میں حتی الوسع ہمیں نبی عربی کی تقلید کرنی چاہیے اور ہم ہر فعل میں تقلید کرنے پر مجبور نہیں کیے گئے ہیں۔ رہبانیت جس نے عیسائیوں کیوقت سے زور پکڑا اور جسکی بنیاد افلاطون نے اپنے فلسفہ سے ڈالی تھی اسلام نے اسکو بہت کچھ مٹانے کی کوشش کی اور وہ ایک حد تک کامیاب بھی ہوا۔ دنیا سے کنارہ کرکے بیٹھنا اور دنیا کی ہر حلال چیز کو اپنے اوپر حرام کر لینا یہ اسلام میں از حد برا سمجھا گیا ہے۔ حضرت عمر فاروق کے زمانہ میں ایک شخص ایک مسجد میں بیٹھا ہوا خدا کی یاد میں وظیفہ بڑبڑا رہا تھا اور بظاہر صورت سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ یہ فنا فی اللہ ہو نیکو ہیں اور مسلمان جہاد کے لئے تیاریاں کر رہے تھے کہ

کر اتنے میں حضرت عمر اس مسجد میں آئے اور کہا کہ کیا کر رہے ہو اسنے استغراق سے بڑی دیر میں سر اٹھا کر کہا کہ میں خدا کی یاد میں دنیا سے کنارہ کر کے وظیفہ پڑھ رہا ہوں آپ نے غصہ میں دو تین ٹھوکریں ماریں اور کہا کہ اگر سب مسلمانوں کی یہی کیفیت ہوگی تو آج ہی سے دنیا میں اسلام کا نام و نشان مٹ جائیگا تو مسلمان اسلئے ہوا ہے کہ دنیا سے کنارہ کر کے ہو بیٹھے اٹھ اور میرے ساتھ جہاد میں چل" یہی روشن خیالات تھے کہ جنھوں نے استواری سے اسلام کی بنیادیں دنیا کے چاروں کونوں میں جما دیں۔ نفیس نفیس لباس وہ ہی شخص پہنے گا کہ جسکو دولت میسر ہوگی بھلا ایک مسجد کا نیلی تہمبند باندھنے والا مفت کی روٹیاں کھانیوالا ملا نا روپیہ کہاں سے لائیگا اور کیونکر نفاست سے رہیگا اسکی دولت اگر ہے تو استنجے کے ڈھیلے ہیں جنپر وہ قیصر کیطرح سلطنت کیجگہ فخر کرتا ہے اسلئے اور ائمہ مجتہدین پر امام ابو حنیفہ کو زیادہ فضیلت ہے کہ ان میں رہبانیت مطلق نہیں تھی وہ ٹھیٹ اسلام کے مقلد تھے اور یہی اسلام انکا ہی عربی اور حضرت عمر فاروق کے اسلام سے ملتا جلتا ہے امام صاحب میں بے نیازی اور سیلف رسپیکٹ حد سے زیادہ تھی اور وہ صرف اس کیکاؤسی خون کیوجہ سے تھی کہ جو انکی رگوں میں گرمی کیساتھ موجزن تھا۔

آپ کی بے پروائی اور دلیری شاہوں سے کسی طرح کم نہ تھی۔ ایک دفعہ منصور سے جو بڑا قہار خلیفہ تھا تعدد ازدواج کے بارے میں گفتگو ہوئی آپ نے صاف صاف کہدیا کہ گو قرآن میں دو دو تین تین چار چار کا لفظ آیا ہے لیکن ساتھ ہی اسکے یہہ آیت بھی ہے کہ تم ہرگز انصاف نکر سکو گے۔ خدا کا جب یہہ علم ہے کہ ہم انصاف نکر سکیں گے تو دو نکاح یا تین یا چار نکاح کر کے اسکے مقابلہ میں ہم یہہ دعوے کرنے بیٹھیں کہ نہیں ہم انصاف کر سکینگے ایسے مقابلہ کو خدا ناپسند کرتا ہے" اس سے زیادہ کیا دلیری ہو سکتی ہے کہ ایسے عظیم الشان خلیفہ کے آگے اس بیجگری سے مسئلہ کا ذکر کیا جائے جو قریب قریب شاہوں کی معاشرت کے خلاف ہے آپ کبھی کلمہ حق کہنے میں نہ چوکتے تھے چاہے آپکی جان ہی خطرہ میں کیوں نہ پڑ جائے۔ آپکی

جوانی جس اولوالعزمی اور بے نیازی سے گذری یہی کیفیت آپکی بڑھاپے میں بھی تھی وہی سرگرمی جوش اور وہی تیزی طبیعت جو آپکو جوانی میں حاصل تھی بڑھاپے میں بھی وہی کیفیت رہی آپکی جسمانی کا جو حال جوانی میں تھا وہی بڑھاپے میں رہا۔ خاموشی بھی اسی صفت سے طبیعت میں جلوہ فرما رہی کہ جیسی جوانی میں تھی۔ عموماً دیکھا گیا ہے کہ بڑھاپے میں جھک جھک کرنا بہت ہو جاتا ہے۔ لیکن وہ والاشان ذات اور مقدس نفس ان معائب سے پاک تھا کہ جو انسان کو لازم ہو سکتے ہیں اس سے زیادہ ایک متقی نفس کی شوکت اور عظمت کیا ہو سکتی ہے کہ ایک وسیع سلطنت کا قاضی القضاۃ یا چیف جسٹس ہونا منظور نہیں فرمایا جس عہدے کی عزت شاہ کے برابر نہیں تو کچھ اس سے بھی کم درجہ نہ ہوتی تھی دولت بھی پوری میسر ہو سکتی تھی مگر جب ہم اس عہدہ اور اسکی والاشان ذات کا مقابلہ کرتے ہیں تو ہمیں بدرجہا آپ کی ذات بابرکات اس عہدے سے اعلےٰ اور ارفع معلوم ہوتی ہے۔ قرآن میں بھی یہ حکم آگیا ہے کہ جان بچانے کے لئے حرام حلال ہو جاتا ہے قاضی القضاۃ کا یہ عہدہ کچھ حرام نہ تھا لیکن آپ کی عظمت کے آگے اس کا بہت ہی کم درجہ تھا یہی وجہ قبول نہ کرنے کی یہی تھی۔

آپ کا رحم بھی بہت بڑھا ہوا تھا یہ نہیں چاہتے تھے کہ کسی کے قتل پر آپ دستخط کریں۔ عموماً جب آپ کسیکو مصیبت میں دیکھتے تو اسکی مدد کرتے روپیہ سے بھی اور دعا سے بھی طالبعلم کے تو آپ دل سے عاشق تھے جو کچھ آپ کے باپ دادا نے تجارت سے حاصل کیا اور جو کچھ آپنے کمایا سب طلبہ پر صدقہ کر دیا۔ جب کسی طالبعلم کو کہیں پناہ نہ ملتی تھی اسکی جائے قیام آپ کا مکان ہوتا تھا۔

آپ کو اپنا کیکاؤسی نسل میں ہونا زیادہ باعث افتخار نہ تھا جتنا اسلام سے باپ دادا کا شرف پانا باعث احترام تھا اگر آپ کی زندگی کے تفصیلی حالات لکھے جائیں تو انکے لئے ایک وسیع دفتر چاہئے۔ بقول مسٹر جانسن۔ یہ ابوحنیفہ ہی کی شان ہے کہ جو آرڈ نیری (معمولی) زندگی

زندگی سے ایکسٹر آرڈینیری لائف تک پہنچ گیا؛ شاہان وقت ۔ کو جنکی زیارت کی آرزو ہو اور پھر انسے تنفر کیجائے ایک بہت بڑا درجہ انکا قایم کرتا ہے ۔ میں اسکے سوا اور کیا لکھہ سکتا ہوں کہ امام صاحب سے بہتر مجتہدوں میں کوئی نہیں ہوا جتنے اعتراضات انکی ذات والا پر ہوئے ہیں وہ ایسی بودی بنیاد پر رکھے گئے ہیں کہ سب کے سب منہ کے بل گر پڑتے ہیں ۔ اگر مسلمانوں کی صفت محسن پرستی ہے ؟ اور درحقیقت ہے تو انکا فرض ہے کہ وہ حضرت امام اعظم کو اپنا پیشرو فقہ میں بنائیں اور اس حنفی آستانہ پر گردن جھکائیں ۔ اور ادہر ادہر بھٹکنے اور آوارہ گردی کرنے سے نتیجہ کیا ہے ؟

یہہ شرف آپ ہی کو حاصل ہوا کہ سجدہ میں آپنے جان دی اور درحقیقت آپکو درجہ شہادت نصیب ہوا اس حافظ ۔ محدث ۔ فقیہہ ۔ امام ۔ حاجی ۔ شہید نے نہایت خوشی اور شادمانی سے اس جہان فانی سے کوچ کیا ۔ اور مرنے کے بعد تک وہ اثر چھوڑا کہ کروروں آدمی خلوص عقیدت سے آپ کے پیرو ہو گئے ۔ شہنشاہ سے لیکر فقیر تک اس موجودہ زمانہ میں بھی آپکی تقلید کا دم بھرتے ہیں اور یقیناً جب تک اس دنیا کی زندگی ہے ۔ دن بدن آپکے مقلدین کی تعداد زیادہ ہوتی جائیگی ۔ خدا ہر مسلمان کو یہ توفیق دے کہ وہ امام صاحب کی سچی عظمت کو پہچانکر انکا گرویدہ بنے ۔

آمین ثم آمین

ساتواں باب

فقہ حنفی اور احادیث مروجہ

یہہ ایک اہم اور پیچیدہ مسئلہ ہے کہ فقہ حنفی احادیث صحیحہ کا مخالف ہے یا موافق اسکا جواب دینا نہایت ہی مشکل ہے کیونکہ اول تو ان اختلافات کا ذکر کرنا ہوگا کہ جو محدثین میں خود پڑ گئے ہیں اور پھر حدیثوں کے جمع ہونے کی تاریخ پر ایک محقق نظر ڈالی جائیگی۔ پھر کہیں یہ مطلب نکل سکتا ہے کہ آیا فقہ حنفی احادیث مروجہ کا مخالف ہے یا موافق۔ حدیثوں کے جمع ہونیکی تاریخ ایسے بھنور میں پھنسی ہوئی ہے کہ دود کا دود اور پانی کا پانی الگ کر لینا محال کیا ناممکن امر ہے۔ گو اسماء الرجال نے بہت کچھہ حدیثوں کی صحت نیا پر ظاہر کی ہے لیکن محقق کی نظروں کے آگے اسکی وہ وقعت جو تسلیم کیگئی ہے نہیں جم سکتی۔

اگر ہم نبی عربی کی معزز اور معصوم زندگی پر ایک اجمالی نظر ڈالیں گے تو ہمیں معلوم ہوگا کہ ۲۳ برس اور کچھ مہینے آپنے نبوت کی ان ۲۳ برس میں دس برس نکال ڈالنے چاہیں اسلئے کہ یہہ دس برس ایک ایسی سختی اور تکلیف میں گزرے کہ جنمیں سوائے چند قرآنی آیتوں کی منادی کے اور کچھہ احکام شریعت جاری نہ ہو سکے۔ ظاہر ہے کہ اس زمانہ میں مسلمین کی تعداد بہت کم تھی یعنے ان کا شمار انگلیوں پر ہو سکتا تھا اور آخر کار وہ بیچارے بھی قریش کے ظلم سے جلاوطن ہو کر شاہ نجاشی کے ہاں پناہ گزیں ہوئے تھے ایسی حالت میں احکام شریعت کن لوگوں پر جاری ہوتے اور انکے مدون کرنیکی کیا ضرورت تھی۔ مثلاً نہ غنیمت کے مال تقسیم کرنیکا کوئی قاعدہ ان دس برس میں منضبط کیا گیا تھا نہ اس قانون کے ضبط کرنے کی ضرورت تھی۔ نہ کسی شرابی کے لیے حد شریعت جاری کیگئی تھی نہ جاری کرنے کی ضرورت تھی۔ نہ احکام حج بتائے گئے تھے نہ انکے بتانے کی حاجت تھی۔ ہاں چند

ان آیتوں کا نزول ہوا تھا کہ جو بت پرستی اور شرک کو مٹانے والی تھیں دس برس تو اس تنگی میں اسلام کو گزر گئے اب یہ تیرہ برس ان تیرہ برسوں میں سے بھی سات آٹھ برس نکال ڈالنے چاہئیں کیونکہ اس عرصہ میں یہودیوں کے بہت سے گروہوں کو جنھوں نے ایک آگ لگا رکھی تھی اور جو اسلام کے قدم زمین مدینہ میں نہ جمنے دیتے تھے مطیع کرنا تھا پانچ چھ برس کسیقدر اطمینان کے سمجھنے چاہئیں۔ کیا اس قلیل عرصہ میں یہہ کوئی سمجھ سکتا ہے کہ نبی عربی نے تین چار کروڑ احکام فرمائیں ہوں اور ان مسائل کو جنکی ایک صدی کے بعد ضرورت پڑی تھی پہلے ہی سے مدون کر دیا ہو۔ فاضل خواجہ نصر اللہ لکھتا ہے کہ جب مینے کل اسلامی فرقوں کی حدیثوں کی کتابوں کا مقابلہ کیا اور ان حدیثوں کا شمار کیا کہ جنکا ہر گروہ ناقل ہے تو مینے پوری اسی کروڑ حدیثیں گنیں۔ اب یہ دریافت کیا جاتا ہے کہ اسی کروڑ حدیثیں کیا نبی اکرم کی زبان مبارک کا نتیجہ ہے؟ اگر پانسو برس کے ایک شخص کی باتوں کا شمار کیا جائے تو شاید اسی کروڑ تعداد اسکی باتوں کی نہیں ہوگی۔ لاکھوں حدیثیں ہر گروہ میں ایسی ہیں کہ جنکا زبان پر نہ لانا ہی غنیمت ہے کہ عیب ڈھکا رہتا ہے۔ اگر مسلمانوں کو حدیثوں کے ایجاد کرنیکا شوق نہوتا اور باہمی فساد اور ناچاقی انہیں حدیثیں موضوع کرنے پر مجبور نہ کرتی اسلام میں ہرگز اتنے گروہ نہوتے اور یہ محض ناممکن تھا کہ اتنی حدیثوں کی کتابیں دکھائی دیتیں۔ اب یہ سوال کیا جاسکتا ہے کہ کس ضرورت نے انہیں نئی نئی حدیثیں گھڑنے پر مجبور کیا اور کیوں وہ اس بدنما کام کیطرف متوجہ ہوئے؟ اسکا جواب اختصار کے طور پر یہہ دیا جاتا ہے کہ جب نبی عربی کی وفات ہوئی تو دو فریق مسلمانوں کے تھے گو وہ دونوں ایک ہی اسلامی رسی میں جکڑے ہوئے تھے پھر بھی انکے نام جدا جدا تھے ایک کو **مہاجرین** کہتے تھے اور دوسرے کو **انصار** مہاجرین وہ تھے جنھوں نے اپنے پیارے نبی اور اسلام کے تحفظ کی نظر سے اپنا وطن اور اپنے گھر چھوڑ دئے تھے اور مدینہ میں چلے آئے تھے انصار وہ تھے جنھوں نے مدینہ آنے پر نبی اکرم کی مدد کی تھی اور مہاجرین کے لئے

انھوں نے اپنے گھروں کے دروازے کھول دئے تھے اور دستر خوان کشادہ کر دئے تھے
وفات پر دونوں گروہوں کے لاکھوں آدمی اکٹھے ہو گئے اور ایک وحشت سی سب میں چھا گئی
یہاں تک کہ حضرت عمر کی تو یہ کیفیت ہو گئی کہ انھوں نے تلوار نکال لی تھی اور یہ بار بار کہتے
تھے کہ اگر کسی نے یہ کہا کہ نبی کی وفات ہو گئی ہے تو میں اسکی گردن تلوار سے اڑا دوں گا
حضرت ابو بکر نے کہا کہ وہ وقت آن لگا ہے کہ ایک خوفناک خونریزی واقع ہو۔ ہر گھر میں
لاشوں کے ڈھیر دکھائی دیں اور ازواج پاک کی یہاں تک بے حرمتی ہو کہ انکے لاشوں کو زاغ
و کرگدن کھائیں یہ وحشت صرف اسبات کی سمجھنی چاہئے کہ نبی کے بعد کیا ہو گا اور یہ عظیم الشان
گروہ کسکی سرپرستی میں احکام شریعت کی پیروی کریگے۔ خدا خدا کر کے حضرت صدیق اکبر
کی حسن تدبیری سے حضرت عمر کی تلوار بھی میان میں گئی اور لوگوں کا جوش بھی ٹھنڈا پڑا
ابھی نبی عربی کی جسد مبارک کی تدفین نہ ہو چکی تھی کہ دونوں گروہوں نے خلافت کے
جھگڑے کے لئے رنگ بدلا۔ انصار یہ کہتے تھے کہ ہم میں سے کوئی شخص خلیفہ مقرر ہو اور
مہاجرین یہ کہتے تھے کہ خلیفہ ہم میں سے ہونا چاہئے۔ ہم اس کتاب میں انکے طول طویل
حالات سے بحث کرنا نہیں چاہتے اسلئے کہ اسکا مفصل ذکر میری ضخیم کتاب سیرۃ الصحابہ
میں آچکا ہے جسکو شوق ہو اسمیں دیکھ سکتا ہے یہاں صرف اسقدر بیان کرنا ہے کہ سب کی
رضامندی سے حضرت ابو بکر خلیفہ بنائے گئے۔ ان معمولی ذمہ داریوں سے جو عموماً خلفا
کی ہوا کرتی ہیں حضرت ابو بکر کی ذمہ داریاں بہت بڑھی ہوئی تھیں کیونکہ فطرتی طور
پر کچھ ایسا آتشیں عنصر قوم میں پیدا ہو گیا تھا کہ اس سے گھڑی بگھڑی قوم کے بھڑک
اٹھنے کا خوف تھا وہ چھوٹی چھوٹی ریاستیں جو مسلمانوں کے قبضہ میں آگئی تھیں انکا
سنبھالنا مشکل تھا۔ غرض انتظام کے متعلق جتنے کام تھے سب ناتمام پڑے ہوئے تھے
ادھر شامیوں اور یونانیوں سے مسلمان ایلچی کے خون کا انتقام لینا تھا۔ ایک جھگڑا
ہو تو بیان کیا جائے ہزاروں ایسی باتیں ہیں کہ جنھوں نے بوڑھے خلیفہ کو پریشان

کر دیا۔ گویہ ماننا پڑیگا کہ حضرت ابو بکر کی خلافت برائے نام تھی اور دراصل حضرت عمر خلافت کے معاملات بھگتاتے تھے۔ پھر بھی خلافت کی اہم ذمہ داریوں کا ابو بکر کو سہارنا مشکل تھا فطرت نے فوراً آپ کا خاتمہ کر دیا اور اب حضرت عمر خلیفہ ہوئے مسلمانوں میں نبی عربی کے بعد یہ طے ہو چکا ہے کہ حضرت عمر جیسا مصلحت بیں اور پولیٹیشن نہیں ہوا۔ آپنے اس اختلاف کو نظر غور سے ملاحظہ فرمایا کہ جو مسلمانوں میں پڑتا چلا تھا اور یہ اختلاف ان احادیث کے سبب ہوتا تھا کہ جو اکثر صحابہ بیان کرتے تھے کوئی ایک ہی مسئلہ میں کچھ حدیث بیان کرتا تھا اور کوئی دوسری حدیث کہتا تھا۔ آپ نے نظر تعمق سے ملاحظہ فرماکر دیکھا کہ شیرازہ اتفاق کے پریشان کرنیکی تدبیر کی جارہی ہے آخر سوچتے سوچتے آپ نے سب صحابہ کو بلاکر یہ حکم دیا کہ جب تم دوسرے شہروں میں جاؤ اور لوگ تمہارے پاس نبی عربی کی حدیثیں دریافت کرتے ہوئے آویں تو تم ہرگز نہ بتانا روحانی ہدایات کے لئے صرف قرآن ہی کافی ہے،، اسکا ذکر حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے اپنی کتاب انصاف فی بیان سبب اختلاف میں کیا ہے۔ اگر حضرت عمر کی اس مصلحت پر ایک متبصر نظر کریگا تو اسے کھل جائیگا کہ آپنے مسلمانوں میں اتفاق قایم کرنے کی یہ تدبیر کی تھی آپ لوگوں کی طبائع سے بخوبی واقف تھے اور جانتے تھے کہ اگر حدیثیں بیان ہوئیں تو ضرور ہے کہ ان میں اختلاف پیدا ہو کیونکہ کوئی ایک حدیث کا کچھ مطلب سمجھیگا اور دوسرا کچھ سمجھے گا اور پھر باہم جھگڑا ہوگا اور ہر شخص اپنے مطلب کی تائید کے لئے نئی حدیثیں گھڑیگا اور اپنے مخالف کو مات کرنے اور مغلوب کرنیکی کوشش کریگا۔ بس یہی سبب ان کی باہمی سخت مخالفت کا ہو جائیگا یکجہتی مٹ جائیگی اور مومنین کے دلوں میں دشمنی قایم ہو جائیگی جسکا نتیجہ ضعف اسلام ہوگا یہ مصلحت چند سال تک رہی یعنے حضرت عمرؓ کی زندگی تک اور جب آپ فیروز نامی غلام کے ہاتھ سے جس کو ابولولو بھی کہتے تھے شہید ہوئے تو یہ قاعدہ حدیث نہ بیان کرنیکا ٹوٹ گیا اور اب دو گروہ ہو گئے، پہلا

گروہ تو وہ تھا کہ جس خاندان کے غلام نے حضرت عمر کو شہید کیا تھا اور دوسرا وہ گروہ تھا کہ جسکو اس خاندان کیطرف سے بدگمانی ہوئی تھی گویا حضرت عمر کی شہادت کی تاریخ سے مومنین کے دلوں میں عداوت و بغض کا بیج پڑا۔ روزمرہ کے سانحات کے چھینٹے نے اس بیج کو پھیلایا اور آخر نمو پکڑتے پکڑتے یہاں تک بڑھا کہ حضرت علی کی خلافت میں لہلہانے لگا۔

اصل میں تو یہہ جھگڑا ملکی تھا مگر بدبختی سے اسنے خوفناکی سے مذہب کے قالب میں روپ بدلا جب ملکی معاملات نے مذہبی رنگ اختیار کر لیا تو اب یہہ کوشش ہوئی کہ اپنے کو خلافت کا مستحق ہتایا جائے اور نبی عربی کی حدیثوں کی آڑ میں یہ عام مسلمین پر کھولدیا جائے کہ جو کچھ ہمنے کیا یا جو کچھ کر رہے ہیں سب نبی عربی کی مرضی اور ہدایات کے موافق ہے اپنے اس ارادہ میں کامیاب ہونے کے لئے انہیں لابد ہوا کہ وہ اپنی تائید میں نبی عربی کے قول کو پیش کریں۔ بس اس ارادہ نے انہیں حدیثوں کے موضوع کرنیکی طرف رجوع کیا اور طرفین کیطرف سے حدیثیں گھڑی جانے لگیں۔ اور نئے نئے گروہ پیدا ہوگئے۔ اور آخر ان میں یہانتک دشمنی بڑھ گئی کہ تلواریں کھچ گئیں اور لاکھوں بیگناہ مسلمین کا خون ناحق بہگیا حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے لکھا ہے کہ آخر کار یہاں تک حدیثوں سے لوگ خوف کرنے لگے تھے کہ ایکدفعہ حضرت عبداللہ بن عباس نے کہا (کہنے وقت رنگت تمتما گئی تھی) کیا تمہیں یہہ کہتے ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کہا اور فلاں مسئلہ میں یہ حکمدیا خوف نہیں آتا کہ تمپر عذاب ہو اور زمین میں دھسا دیئے جاؤ۔

واقعی یہہ بہت بڑی افترا پردازی ہے کہ ہم ناحق نبی عربی کی معصوم ذات پر نئے نئے بہتان باندھیں اور وہ باتیں اس بابرکت ذات پر عاید کریں جنسے وہ بہت دور ہے۔

یہ عام جہلا کا خیال ہو کہ قرآن سے یہ سب گروہ نکلے ہیں اسکے یہ معنی ہیں کہ قرآن نے اسلام کے بہتر تہتر ٹکڑے کر ڈالے (معاذاللہ) یہ محض غلط ہے صرف حدیثوں کے گھڑے جانے سے یہ رنگت کھایا ہے کہ اسلامی رنگ کئی رنگوں میں دکھائی دینے لگا۔ حدیثوں کے جمع کرنیکی

بھی ایک عظیم الشان تاریخ ہے۔ جب لاکھوں حدیثیں گھڑی جانے لگیں اور انکی کثرت کا کچھ ٹھکانا نہ رہا تو آخر یزید بن ہارون۔ اور یحییٰ ابن سعید۔ قطان۔ احمد۔ اسحق۔ اسطرف متوجہ ہوئے کہ حدیثوں کے عذر کو فرد کریں اور جو حدیثیں کہ عقل کے موافق ہوں اور اپنی سمجھ میں آویں انکو چھانٹ کر الگ کرلیں اور باقیماندہ کو ضائع کردیں چنانچہ انھوں نے ایسا ہی کیا اور دفتر بے پایاں سے حدیثوں کا انتخاب کیا۔ کیا یہ سمجھ میں آسکتا ہے کہ جتنی حدیثیں انھوں نے چھانٹیں وہ وہی حدیثیں تھیں کہ جو نبی اکرم نے اپنی زبان مبارک سے فرمائی تھیں؟ جو کچھ علمائے موصوف کی عقل میں آیا انھوں نے اسکو بحال کردیا۔ ان گروہوں کو جانے دو کہ جو سنیوں سے علاوہ ہیں۔ سنیوں ہی میں کچھ کم بیسیوں فرقے موجود ہیں۔ کوئی بدعتی ہے کوئی وہابی ہے۔ کوئی مقلد ہے کوئی صوفی ہے کوئی رسول شاہی ہے وغیرہ وغیرہ قرآن ایک اسکے احکام وہی پھر اس تفریق کی کیا وجہ ہے صرف حدیثوں کا باہم اختلاف کاش اگر یہ بے تعداد حدیثیں موضوع نہ ہوتیں تو یہ محض ناممکن تھا کہ سوائے ایک گروہ کے دوسرا گروہ ہوتا۔ اگر ایک مبصر اور حدیثوں کا پرکھنے والا بخاری۔ مسلم۔ ابوداؤد۔ دارمی عبداللہ بن حمید۔ ابن ماجہ۔ ابو یعلی۔ ترمذی۔ نسائی۔ دارقطنی۔ حاکم۔ بیہقی۔ خطیب۔ دیلمی۔ بن عبدالبر وغیرہ پر انصافاً ایک نظر ڈالیگا تو ایک اختلاف عظیم معلوم ہوگا۔ ان میں سے چار محدث جنکا زمانہ بہت قریب ہے اور جو مسلمانوں کے ایک گروہ میں نہایت وسیع معلومات کے شمار کئے جاتے ہیں۔ اور جنکی تصانیف کثیر المنفعت گنی جاتی ہیں۔ ان میں بھی باہم اختلاف ہے۔ ان چار میں پہلا شخص ابو عبداللہ بخاری ہے جسنے بے تعداد حدیثوں میں سے صحیح مشہور متصل حدیثوں کو جدا کرلیا ہے۔ اور ان حدیثوں سے فقہ۔ تفسیر۔ سیرت کا استنباط کرنیکی کوشش کی ہے اسنے اپنے اس ارادے میں کامیابی حاصل کی۔ اور اس قصد نیک کی تکمیل کے لیے صحیح بخاری تصنیف کی۔ صحیح بخاری کا مسلمانوں میں اسقدر رواج ہوا کہ مسلمانوں نے خواب میں

نبی عربی کو بھی بخاری کی تعریف کرتے ہوئے اور اسے اپنی کتاب کہتے ہوئے سنا ان روایتوں اور ان خیالات سے بخاری کے مقلدوں کا اپنے مذہب میں غلو زیادہ معلوم ہوتا ہے حقیقت میں قرآن مجید کے بعد بخاری کا درجہ قایم ہو سکتا ہے۔ بخاری کے بعد جگہ پانے کے قابل دوسرا شخص مسلم نیشاپوری ہے اسنے یہ کوشش کی کہ صحیح متصل مرفوع حدیثوں کو جنپر محدثین کا اتفاق ہے جدا کرے اور ساتھ ہی ساتھ اسکا یہ بھی قصد ہوا کہ ان صحیح متصل مرفوع حدیثوں کو اذہان کے قریب تر کردے اور انکو اس ڈہنگ پر لے آئے کہ جس سے مسائل کا استنباط باسانی ہو جائے۔ جہاں تک مسلم نیشاپوری سے ہو سکا حدیثوں کے ترتیب دینے میں اسنے کوتاہی نہیں کی اور ہر ایک جگہ ہر حدیث کی سندین جمع کیں اور اپنی کل حدیثوں کو جو اسکے انتخاب میں آئیں رسول اللہ تک پہنچایا اور ہر حدیث کو نبی اکرم کی حدیث ثابت کر دی۔ پھر مسلم نیشاپوری کے بعد جگہ پانے کے قابل تیسرا شخص ابو داؤد سجستانی ہے اسنے حدیثوں کا ایک نیا رنگ اختیار کیا یعنے ان حدیثوں کو جمع کیا کہ جنسے فقہا نے استنباط کیا ہے اور جو ان میں بہت مشہور ہیں اور جنپر شہروں کے علما نے احکام کی بنیاد رکھی ہے۔ اس ارادے کی تکمیل کے لئے اسنے سنن ابو داؤد تصنیف کی سنن ابو داؤد میں تین قسم کی صحیح۔ حسن۔ ضعیف حدیثیں ہیں۔ اسپر بھی ابو داؤد کا یہ قول ہے کہ مینے اپنی کتاب میں کوئی ایسی حدیث ذکر نہیں کی کہ جو بالاتفاق متروک ہو اور ان میں سے جو حدیث ضعیف تھی اسکے ضعف کی تصریح کر دی ہے اور جس حدیث میں کوئی علت تھی اسکو اسطرح بیان کر دیا ہے کہ جو کوئی فن حدیث میں دخل رکھتا ہے اسکو پہچان لے اور ہر حدیث کا عنوان باب اس مسئلہ کو کیا ہے کہ جس مسئلہ کو اس حدیث سے کسی عالم نے استنباط کیا ہے یا اسطرف کوئی گیا ہے" امام غزالی نے اسیوجہ سے تصریح کی ہے کہ ابو داؤد کی کتاب مجتہد کے لئے کافی ہے اسکے بعد چوتھے نمبر پانے کے قابل ابو عیسے ترمذی ہے۔ یہ کوئی نئے طریقہ کا موجد نہیں ہے اسنے ابو داؤد اور شیخین کا طریقہ پسند کیا اور اسی پر وہ کاربند ہوا اسکا یہ مذہب تھا کہ

دوسرا طریقہ اختیار کرنا غیر ضروری ہے اسلئے کہ شیخین نے صاف صاف بیان کیا اور کوئی ابہام نہیں چھوڑا ہے صرف اگر ایجاد کی تو یہ کہ شیخین اور ابوداؤد کے طریقوں کو جمع کر کے صحابہ تابعین اور فقہا کے مذاہب کا بیان انپر زیادہ کیا۔ اور اسطرح اسنے ایک جامع کتاب جمع کی اور جہانتک اس سے ہو سکا حدیث کی سندیں نہایت عمدہ طریقہ سے مختصر کیں یعنے ایک سند بیان کی اور اسکے بعد اور سندوں کیطرف اشارہ کیا۔ اور ہر حدیث کا حال بیان کیا کہ صحیح ہے یا حسن ضعیف ہے یا منکر۔ ساتھ ہی اسکے ضعف کی وجہ بھی بیان کی اور یہ بھی ذکر کیا کہ یہ حدیث مشہور ہے یا غریب۔ حدیثوں کے جس راوی کے نام کی بیان کرنے کی ضرورت تھی اسکا نام بیان کیا اور جسکی کنیت بیان کرنے کی حاجت تھی اسکی کنیت بیان کی یہاں تک کہ علما کا یہ قول ہو گیا کہ ترمذی مجتہد کے لئے کافی ہے۔

یہ بخوبی سمجھ لینا چاہیے کہ باوجود خوف اور ڈر کے اتنی بے تعداد حدیثیں جمع ہو گئیں کہ جنمیں سے ان چار محدثوں نے لاکھوں حدیثیں منتخب کر لیں جو سچے خیر خواہ دین اسلام کے تھے اور جو ان حدیثوں کے آثار چڑھاؤ سے بخوبی واقف تھے وہ اسبات سے بہت خوف کہاتے تھے کہ کسی کی سنی سنائی حدیث نبی اکرم پر تھوپی جائے اور یہ کہا جائے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا ہے چنانچہ شعبی نے کہا کہ جو لوگ نبی کے پیچھے ہیں انکی طرف حدیث کا نسبت کرنا میرے نزدیک نہایت بہتر ہے۔ بجائے اسکے کہ قال رسول اللہ کہا جائے۔ کیونکہ اگر حدیث میں کمی بیشی ہو گی تو اس شخص میں ہو گی جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پیچھے ہے یہی قول ابراہیم کا ہے کہ قال عبداللہ قال علقمہ کہنا میرے نزدیک قال رسول اللہ کہنے سے بہتر ہے۔ یہی کیفیت حضرت بن مسعود کی تھی کہ جب آپ نبی عربی کی کوئی حدیث روایت کرتا تھا تو آپ کا چہرہ متغیر ہو جاتا تھا اور آپ مارے غصہ کے کانپنے لگتے تھے اور بار بار یہ فرماتے تھے قال ہکذا او نحو ہکذا او نحوہ" یعنے اسیطرح فرمایا ہے یا اسکی مثل اسیطرح فرمایا ہے یا اسکی مثل عون کہتا ہے کہ جب شعبی کے پاس کوئی مسئلہ آتا تھا تو وہ ڈر جاتے تھے اور انکا خوف صرف اسلئے

ہوتا تھا کہ انکو حدیث کے صحیح اور غیر صحیح ہونے میں کلام تھا۔ اسیطرح کے صدہا آثار ہیں جو دارمی نے نقل کئے ہیں انسے اتنا نتیجہ نکل سکتا ہے کہ حدیثوں میں ایک سخت غدر مچ رہا تھا اور معاملہ کچھ ایسا خلط مبحث ہو گیا تھا کہ جسکا کچھ ٹھکانا نہیں۔

حدیث کی یہ تاریخ ہے جو مینے بیان کی تعصب کو بالائے طاق رکھدو اور دیکھو کہ جو مینے لکھا ہے وہ کہانتک صحیح ہے۔

شیعوں کی حدیثوں پر اگر توجہ کیجائے گی تو وہاں عجب غدر مچا ہوا دکھائی دیگا حدیث کے موجدوں نے اول ہی دن سے سنیّوں اور شیعوں میں عداوت کی بنیاد ڈالی اور ان سب باتوں اور حدیثوں کا نتیجہ یہہ نکلا کہ نبی عربی ابوبکر۔ عمر۔ عثمان۔ بی بی عایشہ سے سخت ناراض تھے اسپر اتنا زور دیا ہے اور وہ وہ روایتیں گھڑی گئی ہیں کہ معاذ اللہ اور پھر لطف یہ ہے کہ ہر نا پاک قول پر قال رسول اللہ کا لفظ کہا گیا۔ شیعوں کے ہاں کی روایتیں اگر سنی جائیں تو آدمی سکتہ میں آجائے اور بڑی دیر تک اسے یہ نہ معلوم ہو کہ میں کہاں بیٹھا ہوا ہوں جن روایتوں کو عقل سلیم کیا بیہودہ عقل بھی تسلیم نہیں کرنے کی تمثیل کے طور پر دو روایتیں بیان کرتا ہوں پہلی روایت تو یہ مشہور ہے کہ نبی عربی عمر کو اہلبیت کا جانی دشمن جانتے تھے اور اہلبیت کو یہ بشارت دی تھی کہ فلاں دن تمہارا دشمن مارا جائیگا تم حلوا کھاؤ اور خوشی کرو۔ مگر لطف یہ ہے کہ سامنے دبے ہوئے تھے اور عمر کا اتنا رعب تھا کہ نبی۔ علی اور انکے علاوہ اہلبیت کے سب عورت مرد کانپتے تھے اور کوئی زبان سے کچھ نہ نکالتا تھا۔ اس قسم کی روایتوں سے خود نبی کی شان پر بزدلی کا دھبا لگتا ہے اور اہلبیت کی ڈرپوکی کھلتی ہے اور کوئی بات دوسری نہیں پیدا ہوتی۔ جس شخص کے دل میں کچھ بھی اسلام کی بو ہے اور جو یہ جانتا ہے کہ محمد عربی بیشک نبی اللہ ہیں تو وہ ہرگز نبی کو ڈرپوک اور اہلبیت کو بزدل نہ بنائیگا نبی کی شان ہرگز ایسی نہیں ہے کہ جو شیعہ بیان کرتے ہیں اگر واقعی یہ تسلیم کرلیں کہ نبی کی یہ کیفیت تھی تو وہ اور کونسی صفتیں ایسی ہو سکتی ہیں کہ جو نبوت کے لئے خاص ہیں ہمارا نبی ہرگز ایسا نہ تھا۔ وہ دلیر تھا

جری تھا اور اسمیں کل وہ صفتیں اعلیٰ درجہ پر تھیں کہ جو انسان کو اشرف بناتی ہیں دوسری روایت اور بھی انکے ہاں ہیں جسکو بیسیوں علمائے شیعہ نے نقل کیا ہے اور جس پر ۱۸۹۱ء کے اختتام پر سخت فساد شیعہ سنیوں میں ہوتا رہا۔ وہ روایت یہ ہے کہ جب نبی کی وفات ہو گئی تو حضرت علی عمر کے خوف سے گھر چھپ کر بیٹھ رہے ابوبکر نے عمر سے کہا کہ علی کو پکڑ لاؤ تاکہ ہم بیعت لیں عمر علی کے پکڑنے کے لئے آئے دروازہ بند پایا۔ بہتیر اکھٹکھٹایا لیکن خوف کے مارے علی نے کر دروازہ نہیں کھولا عمر نے دروازہ کو توڑنا چاہا وہ ٹوٹ نہ سکا پھر انھوں نے ادھر ادھر سے لکڑیاں جمع کرنی شروع کیں اور دروازہ کے آگے ڈھیر لگا کر آگ دیدی۔ دروازہ سے لگی ہوئی بی بی فاطمہ کھڑی ہوئی تھیں اور پورے دنوں پیٹ سے تھیں وہ دروازہ جلتے جلتے انکے پیٹ پر آپڑا (معاذ اللہ) اور فوراً اسقاط حمل ہو گیا (نعوذ باللہ) عمر اندر آئے علی کو پکڑ لیا اور گلے میں رسی ڈالکر گھسیٹتے ہوئے ابوبکر کے پاس لائے پیچھے اسی حالت میں بی بی فاطمہ بھی سر کھولے ہوئے روتی دھوتی پیٹتی دوڑیں اور کہا کہ اے عمر تو علی پر یہ ظلم نکر" یہ بے بنیاد روایتیں ہیں جنھوں نے شیعوں کو سنیوں کے خلاف برانگیختہ کر دیا ہے اس روایت پر بیان کرنیکو جی نہیں چاہتا اسلئے اسکے الفاظ صریح ہیں اور جو باتیں بیان ہوئی ہیں ہر ایک کم عقل سے کم عقل بھی اندازہ کر سکتا ہے کہ فسانہ عجائب کے قصوں سے بھی کہیں کمزور بنیادوں پر قائم کیگئی ہیں دوسرے بار بار ایسے کریہہ اور ناپاک ذکر کو دہراتے ہوئے کلیجہ شق ہوا جاتا ہے یہ تاب نہیں ہے کہ حضرت عمر یا حضرت علی یا حضرت بی بی فاطمہ خاتون محشر علیہا السلام کی نسبت یہ فحش الفاظ اپنی قلم سے نکالے جائیں۔ حدیثوں۔ روایتوں میں سے ایک ایک نمونہ پیش کر دیا ہے جس سے یہ بخوبی سمجھ میں آسکتا ہے کہ اصلی اور ٹھیٹ اسلام کو ان باتوں سے کچھ علاقہ نہیں ہے۔ حدیث کی تو یہ مختصر تاریخ ہوئی اب سنئے فقہ کی تاریخ۔

حدیثوں کا اختلاف پہلے ہی سے صاف صاف اسکی پیشین گوئی کر رہا تھا کہ فقہ کے اصول میں بھی بعد ازاں میرے ہی سبب سے ضرور اختلاف پڑیگا چنانچہ وہ ہی ہوا۔ جس کیے پاس

جس نوعیت کی حدیثیں پہنچ گئیں اسنے اپنے مطالب ان ہی حدیثوں میں سے استنباط کر لیئے فقہ کی تمہید اور ترتیب کی تخریج کا قاعدہ یہ ہے کہ ہر ایک نے اس شخص کی کتاب کو یاد کر لیا کہ جو اسکے اساتذہ کی زبان تھا اور جسے قوم کے اقوال سے خوب واقفیت تھی اور جسکی نظر ترجیح میں نہایت صحیح ہوئی تھی۔ ہر مسئلہ میں حکم کی علت سوچی اور جب اس سے کوئی مسئلہ پوچھا جاتا تھا تو وہ اپنے اساتذہ کی ان تصریحات کو دیکھتا تھا کہ جسکو اسنے یاد کر لیا تھا۔ اگر اسکا جواب ان تصریحات میں ملگیا تو فبہا ورنہ انکے کلام کے عموم کیطرف نظر کرتا تھا اور اس کلام عام کو اس صورت میں کہ جس سے سوال کیا گیا ہے اور جسکی حاجت ہے جاری کرتا تھا اور اسکے استنباط جواب کرنے کی کوشش کرتا تھا۔ اور کبھی صریح مسئلہ کی نظیر کو صریح مسئلہ پر حمل کرتا تھا۔ اور کبھی تخریج یا سبر اور حذف کیساتھ حکم صریح کی علت میں غور و فکر کرنے پر مجبور ہوتا تھا اور جہاں تصریح نہیں ہے وہاں اس حکم کو ثابت کرتا تھا۔ اور کبھی ایسا ہوتا تھا کہ اسکے استاد کے الئے دو کلام ہوتے تھے کہ اگر وہ دونوں قیاس اقترانی یا شرطی کی ہیئت میں مجتمع ہوں تو مسئلہ کا جواب انکا نتیجہ نکلے اور کبھی انکے کلام میں ایسی چیز ہوتی تھی کہ وہ مثال اور تقسیم کے ساتھ تو معلوم ہوتی تھی مگر اسکی تعریف جامع اور مانع معلوم نہوتی تھی ایسی حالت میں وہ اہل لسان کیطرف رجوع کرتا تھا۔ اس پیچیدہ منطقی فقہی تحریر کا یہ مطلب ہے کہ ہر شخص مسئلہ پوچھے جانے پر اپنے ہی استاد کے اقوال اور اجتہاد میں نظر کرتا تھا اور اگر اس مسئلہ میں انکی رائے نہ ملتی تھی تو وہ اپنے ہی گروہ کے علما کیطرف رجوع کرتا۔ یہی باعث تھا کہ جسکے سبب سے تمام فقیہوں کی فقہ کو عجمی نقد نے بات دی۔

ایک دلچسپ بحث اسکی بابت شروع کیجاتی ہے کہ فقہ کیا چیز ہے اور اسکو احادیث مروجہ کا کیوں پابند کیا جاتا ہے۔ فقہ میں دو قسم کے احکام پائے جاتے ہیں۔ ایک تو وہ مسائل ہیں کہ جو روزہ نماز زکوۃ وغیرہ کے متعلق قرآن سے استنباط کئے گئے ہیں اور انکی نسبت یہ خیال کیا جاسکتا ہے

کہ فقہ کے اس حصہ کا تعلق دین اسلام سے ہے مگر میں اسکو بھی نہیں مانتا اسلئے کہ قیاس پر مذہب اسلام کا اگر دار و مدار ہوتا تو کوئی مقلد مسلمان نہوتا مثلاً امام مالک نے جن مسائل کا استنباط کیا ہے اور جنمیں اپنا قیاس جائز رکھا ہے انکے مقلد انہی قیاسات وغیرہ پر مٹے ہوئے ہیں اور وہ اپنے امام کے آگے دوسرے کو صحیح نہیں جانتے۔

اب سوال کیا جاتا ہے کہ کیا انکا ایمان رہا یا جاتا رہا؟ جواب یہی دیا جائیگا کہ انکا ایمان نہیں گیا؟ ان روشن دلیلوں سے بخوبی ثابت ہو گیا کہ ان روزہ نماز کے مسائل کو بھی ایمان سے کوئی تعلق نہیں ہے اگر کسی نے تین بار ناک میں پانی دلیا تو وہ ایمان سے نہیں نکل سکتا اور جو کسی نے چار بار پانی دلیا تو وہ کافر نہیں ہوگا ہزاروں مسائل میں باہم اختلاف ہے میرے خیال میں یہ اختلاف کوئی دھبہ اسلام کے دامن پر نہیں لگا سکتا مثلاً ابن قاسم اور اشہب اور امام مالک کے بڑے بڑے شاگرد جو ان دونوں کی شکل میں انکی روایت کے سوا اور کسی کی روایت کا اعتماد نہیں کرتے اور اگر عبداللہ بن عبدالحکیم یا اسکی طرح اور کی روایت آجائے تو وہ اسکو ہرگز نہ مانیں گے اور انکے نزدیک وہ محض بے فائدہ ہے۔ اسیطرح امام ابو حنیفہ سے جو روایت کہ امام ابو یوسف اور محمد بن حسن اور امام ابو حنیفہ کے بڑے بڑے اصحاب کرتے ہیں انکے سوا اور کسیکی روایت قبول نہیں کرتے۔ اگر انکی روایت کے خلاف حسن بن زیاد لولوی اور اسکے اصحاب کی روایت ان کے پاس آئے تو وہ ایسے فوراً اٹھاکر پھینکدیں گے اسیطرح امام شافعی کے شاگردوں کی کیفیت کہ وہ دوسروں کی روایت نہیں مانتے جیسے مزنی اور ربیع بن سلیمان مرادی کے سوا اور کی روایت کو تسلیم نہیں کرتے اگر انکے پاس حرملہ جیزی کی روایت آیگی تو اسپر کبھی التفات نہیں کرینگے۔ اس اختلافی صورت کو اصول اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ ہاں یہ ممکن ہے کہ تمام مجتہدوں کے فقہی مسائل کو میزان عقل اور اس زمانہ کی فطرت کے موافق وزن کیا جائے اور پھر جانچا جائے کہ کس مجتہد یا فقیہ کے مسائل زیادہ حکمی اصول پر مبنی ہیں اب ہم چند

استنباطی مسائل تمثیلاً بیان کرتے ہیں جنسے یہ کھل جایگا کہ اور ائمہ کی مجموعی رائے سے امام ابوحنیفہ کی بعض رائے قانون قدرت اور قرآن ناطق کے مطابق ہے۔ مثلاً ہاتھ کاٹنے کا حکم جو قرآن میں آیا ہے گو وہ حکم نہایت صاف اور سہل ہے لیکن امام ابوحنیفہ کے سوا سب نے اس کو ایسا سخت کر دیا ہے کہ جس سے اسلام کی ایک خوفناک صورت پیدا ہو گئی اگر کوئی صرف انہی مسائل کو دیکھکر حکم لگائے تو برملا یہ کہہ سکتا ہے کہ اسلام کے برابر جابر اور ظالم مذہب کوئی نہیں ہے۔

قرآن شریف کی آیتوں میں جو ہاتھ اور پاؤں کاٹنے کا حکم ہے اور نیز اس خاص آیت میں جسمیں چور کا صرف ہاتھ کاٹنے کا حکم ہے وہ لازمی نہیں ہے اور جن لوگوں نے اسکو لازمی سمجھا ہے انھوں نے استنباط مسائل میں غلطی کی ہے اول تو خود آیت ہی میں موجود ہے یا انکے ہاتھ پاؤں کاٹ ڈالو یا قید خانہ میں بند رکھو" پس اختیار ہے کہ دونوں سزاؤں میں سے جونسی سزا چاہو دو سوائے امام صاحب کے اور تمام فقہا نے نہایت سختی اور انسانی جان پر تشدد برتا ہے کہ بات بات میں ہاتھ کاٹنے کا حکم دیدیا۔ یہ ہم ہرگز نہیں کہتے کہ جو کچھہ انھوں نے حکم دیا یا استنباط مسائل کیا اسمیں انکی غرض شامل ہو نہیں جو کچھہ انھوں نے کیا وہ محض نیک نیتی سے کیا اسمیں ہرگز شک نہیں ہے مگر وہ اس وسیع اور کشادہ نظر کو کہاں سے لاتے جو قانون قدرت کے جلدوں پر ایک طرف سے پڑتی ہے اور دوسری طرف نکلجاتی ہے طبایع کا اتار چڑہاؤ وہی شخص دیکھہ سکتا ہے کہ جسکو فطرت سے ممتاز قابلیت کا حصہ ملا ہے فطرت کا وہ قانون جو کبھی نہیں بدلتا اور ہمیشہ یکساں رہتا ہے صاف اس امر کی شہادت دے رہا ہے کہ ابو حنیفہ کے فقہی مسائل کا بعض حصہ ہر زمانہ کے موافق ہے اور اسپر ہر گروہ اور ہر قوم بخوبی عمل کر سکتی ہے جہاں تک دیکھا جاتا ہے اور دین میں خوب غور کیا جاتا ہے۔ یہ بخوبی روشن ہو جاتا ہے کہ دنیا میں کل مذاہب میں مذہب اسلام ہی ایک نہایت سہل مذہب ہے۔ اسمیں جسقدر آزادی اور آرام ہے کسی مذہب میں نہیں ہے۔ خواجہ نصر اللہ

نے کئی فیصلے امام ابو حنیفہ صاحب کے لکھے ہیں جنسے آپکی ذہانت۔ رحم۔ تحقیق اور انصاف پایا جاتا ہے ایسا بہت ہی کم ہوا ہے کہ آپ نے کسی چور کے ہاتھ پیر کٹوائے ہوں۔ ہاں اسکے ہاتھ پیر کٹوانے میں آپکو تامل نہوتا تھا کہ جنسے رستے لوٹے ہوں اور صدہا قافلے برباد کیے ہوں بیسیوں جانیں اسکے ہاتھ سے ضایع ہوگئی ہوں۔ انگریزی حکومت کے قانون کے مطابق اسے سختی کے ساتھ پھانسی ملجانی چاہیئے اور سینکڑوں ڈاکوؤں کو ملی ہے۔ اگر ابو حنیفہ صاحب نے ہاتھ پیر کٹوا دیئے تو کیا غضب کیا۔

مسلمانوں کا ہمیشہ سے یہہ دعوی ہے کہ قرآن مجید کی ایک آیت بھی قانون قدرت کے خلاف نہیں ہے جو کچھ اسمیں بیان ہوا ہے بشرطیکہ کوئی سمجھے ایک بات بھی ایسی نہیں ہے جو خلاف عقل اور قانون قدرت ہو اسی ہاتھ پیر کاٹنے کے مسلہ کو جن الفاظ میں لکھا ہے با دی النظر میں مخالف کو بڑے بڑے اعتراض کرنے اور اسلام کو جابر بتانیکا موقع ملیگا مگر ایک ایسی نظر جو مطالب کے جگر میں بیٹھ جائے وہ یہ کہہ سکتی ہے کہ ایک حکم بھی قانون قدرت کے خلاف نہیں ہے۔

قرآن مجید میں کوئی مقدار مال کی ہاتھ کاٹنے کے لئے بیان نہیں ہوئی ہے اسیلئے حضرت ابو حنیفہ نے معمولی دو دو چار روپے کی چوریوں پر ہاتھ پیر کاٹنے کی خوفناک سزا نہیں دی ہے امام صاحب کا جو کوئی کام تھا وہ وہی پالیسی تھی کہ جسکو صحابہ نے اپنا اوڑھنا بچھونا کر رکھا تھا اور خصوصاً حضرت عمر فاروق نے کہ جنکی رائے ہمیشہ وحی سے ملتی جلتی رہتی تھی۔ یہہ سنکر شیعوں کو تعجب ہوگا کہ صحابہ کے زمانہ میں بھی چوریوں پر ہاتھ نہیں کاٹا جاتا تھا۔ مگر امام اعظم کے سوا اور ائمہ نے ذرا ذرا سی خفیف باتوں میں ہاتھ کاٹنے کی سزا بحال رکھی ہے۔

حماسہ کی شرح میں لکھا ہے کہ "حریث بن عناب بن منظر ایک غلام کے چرا کر بیچ ڈالنے کے جرم میں مدینہ کے قید خانہ میں قید کردیا گیا تھا۔

ابو النشناس بنی تمیم کے قبیلہ کا ایک مشہور چور تھا اور رہزنی کیا کرتا تھا مروان کے عاملوں نے اسکو پکڑا اور قید خانہ میں قید کیا۔

عبدالرحمن ابن حاطب سے منقول ہو کہ ایک شخص نے ایک شخص کا ناقہ چورایا حضرت عمر نے اول ہاتھ کاٹنے کی تجویز کی مگر ملتوی کیا اور مدعی سے پوچھا کہ وہ کس قیمت کا تھا اسنے چارسو درہم قیمت بتلائی حضرت عمر نے اسپر آٹھ سو درہم کا جرمانہ کیا اور وہ درم مدعی کو دلوا دئے اور مجرم کو رہا کر دیا۔

حضرت علی مرتضی کے وقت میں عمر بن کریب ایک مشہور چور تھا جو رہزنی کیا کرتا تھا اسکے گرفتار کرنیکو حضرت علی نے **شمیط** کے بیٹوں کو بھیجا مگر وہ بھاگ گیا اور گرفتار ہوا تب **عمر بن کریب** نے یہ اشعار کہے۔

ولما رایت ابنی شمیط	بسکته طرق الباب دونی
تخلات لعصا وعلمت انی	رهین مخیس ان ادرکونی
ولو انی لبثت بهم قلیلا	لجروی الی شیخ بطین
شدید مجامع الکتفین باق	علی الحدثان مختلف الشئون

ان اشعار سے صاف پایا جاتا ہے کہ کریب کا یہ خیال تھا کہ اگر میں پکڑا گیا تو قیدخانہ میں جسکا نام **مخیس** تھا قید کیا جاؤں گا۔

مخیس ایک قیدخانہ کا نام تھا جسکو حضرت علی نے بنایا تھا پہلی دفعہ انھوں نے بانسوں کا قیدخانہ بنایا تھا اور **نافع** اسکا نام رکھا تھا اسمیں سے چور کو ول لگا کر نکل گئے تب انھوں نے دوسرا مضبوط قیدخانہ بنوایا اور اسکا نام **مخیس** رکھا اور یہ شعر کہے۔

اما ترانی کیسا مکیسا	بنیت بعد نافع مخیسا
بابا حصینا وامینا کیسا	

ایک معترض کہہ سکتا ہے کہ جو کچھ بیان ہوا اس سے اسبات کی ضرور تسلیم لازم آتی ہے کہ قرآن مجید نے سرقہ کی علت میں عضو انسان کا کاٹنا بھی جائز رکھا ہے جو نہایت سخت اور وحشیانہ اور بے رحمانہ خلاف انسانیت سزا ہے اور خدا کی شان سے ایسی سزا کا جائز رکھنا نہایت بعید ہے

بعضوں کا قول ہے کہ زمانہ جاہلیت میں بھی یہ سزا دیجاتی تھی جیسا کہ تاریخ ابو الفدا میں لکھا ہے مگر زمانہ جاہلیت میں اسکا رواج ہونا زمانہ اسلام میں بھی اسکے جائز رکھنے کی دلیل ہو سکتی ہے نہ اسلام اس وحشیانہ سزا کے جائز رکھنے کے الزام سے بری ہو سکتا ہے۔

مگر یہ اعتراض صحیح نہیں ہے اسلئے کہ قرآن مجید میں جسطرح کہ مختلف سزاؤں کا بیان ہوا ہے اور جسطرح کہ وہ مختلف حیثیت اور مقدار جرم سے علاقہ رکھتی ہیں اسی طرح زمانہ کی حالت سے بھی انکا تعلق رکھنا ان احکام کے ضمن میں پایا جاتا ہے جس زمانہ میں کہ ملک کی یا قوم کی ایسی حالت ہو کہ قید خانوں کا انتظام ناممکن ہو اور نہ ایسے جزائر پر دسترس ہو جہاں مجرم جلاوطن کرکے قید کئے جاسکیں تو ان جرموں کے موقوف کرنے کے لئے اور تمام خلق اللہ کو امن دینے کے لئے بالاضطرار سزائے بدنی کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے گو کہ وہ ایک وحشیانہ سزا ہو مگر بمجبوری اختیار کیجاتی ہے۔ نہایت شایستہ ملکوں میں بھی بحالت مجبوری سزائے بدنی دیجاتی ہے بید کی سزا بھی ایسی ہی وحشیانہ سزا ہے مگر قید خانے اسقدر کثیر مجرموں کے قید کرنے کو کافی نہیں ہوتے تو بمجبوری سزائے بدنی دیکر چھوڑ دیا جاتا ہے پس قرآن مجید نے اور نیز حضرت موسے نے مجبوری کیحالت میں اس سزائے بدنی کو جائز رکھا ہے مگر جبکہ ملک میں تسلط ہو اور قید خانوں میں انتظام موجود ہو تو قرآن مجید کی رو سے اس سزائے بدنی کا دینا کسی طرح جائز نہیں ہے بلکہ صرف وہی سزا دیجاویگی جو سب سے آخر بیان ہوئی ہے اور جسکو بلفظ "او ینفوا من الارض" بیان کیا ہے اور اسکے بعد کسی اور سزا کا بیان نہیں ہے صرف ایک جرم میں یعنے زنا میں سزائے بدنی کا دیا جانا فطرت انسانی کے مطابق ہے کیونکہ جیسا وہ جرم لذت نفسانی سے علاقہ رکھتا ہے ویسی ہی اسکی سزا بھی تکلیف نفسانی سے ہونی چاہیے پس اسلام نے بھی سوائے حالت مجبوری کے بجز زنا کے اور کسی جرم میں سزائے بدنی کو جائز نہیں رکھا ہے۔

اب باقی رہا معاف کرنا اسکی نسبت نہایت عمدہ لفظ "قبل ان تقدروا علیہم" قرآن مجید میں

آیا ہے ایک ڈاکو جو درحقیقت ڈاکہ زنی کرتا ہے یا ایک چور چوری کا پیشہ رکھتا ہے اور اسکے ڈاکو یا چور ہونے میں کسیکو شبہہ نہیں مگر بسبب نہ دستیاب ہونے ثبوت کے ہم اسکے سزا دینے پر قادر نہیں ہیں پس اگر قبل ہماری قدرت سزا دینے کے وہ ڈاکو اور چور اپنے پیشہ کو چھوڑ دے اور صلاحیت قبول کرے اور نیک چلن ہو جاوے۔ تو اسکے گزشتہ افعال سے درگزر کرنا ایک ایسا امر ہے کہ جسکی مخالفت نہ انصاف کر سکتا ہے نہ کوئی قانون پس یہی عمدہ احکام ہیں جو قرآن مجید میں اسکی نسبت بیان ہوئے ہیں اور جن قرآنی احکام سے امام صاحب ہی نے صحیح صحیح استنباط کیا ہے کہ اور مجتہدوں کی نظر وہاں تک نہیں پہنچی مثلاً اسی قطع ید کے بارے میں امام کی یہ رائے ہے کہ اگر ایک نصاب میں متعدد چوروں کا ساجھا ہے تو کسیکا ہاتھ نہیں کاٹا جائیگا مگر امام احمد کے نزدیک ہر ایک کا ہاتھ کاٹا جائیگا۔

امام ابو حنیفہ کے نزدیک ناداں بچہ پر قطع ید نہیں۔ مگر امام مالک کے نزدیک ہے۔ اس سے زیادہ جور اور ظلم کیا ہوگا فرض کرو ایک آٹھ نو برس کے بچہ نے اپنے باپ یا ماں کی کوئی چیز اٹھا لی کیا اس خفیف بھول یا ناواقفیت پر اسپر یہ ظلم روا رکھا جائیگا کہ بیچارے کا ہاتھ قلم کر دیا جائے۔ کوئی نظیر ہے کہ نبی نے ایسا کیا یا صحابہ نے کبھی ایسا کیا اگر ایسے ایسے مظالم اسلام میں کیے جاتے تو اسکا دس بیس برس ہی قایم رہنا مشکل پڑ جاتا۔

نبی اکرم نے انھیں معاف کر دیا ہے کہ جنھوں نے جان بوجھکر نبی پر تلوار کھینچی ہجری کی حیات میں مسلمانوں پر آپڑے انکو قتل کیا اور جو کچھ مال ہاتھ لگا خواہ دھینگا دھینگی یا آنکھ بچا کر لیکر چلتے بنے۔ امام ابو حنیفہ اور امام مالک کے قیاس کا مقابلہ کر لیا جائے سمجھدار تو درکنار ایک نا سمجھ بھی یہہ دیکھتے ہی بول اٹھیگا کہ یہ حکم جیسا وحشیانہ اور خوفناک ہے اسیقدر قرآن مجید کے خلاف ہے اگر قرآن کے اصلی منشا کو بھی جانے دیں اور ظاہری الفاظ کو دیکھیں تو اسمیں بھی قطع ید کے ساتھ قید رکھنے کا بھی ذکر ہے اور قید پر بھی اختیار دیا گیا ہے پھر کیا ضرور ہے کہ خدا کی کاریگری کو مٹایا جائے یعنے معصوم بچہ کا ہاتھ کاٹ ڈالا جائے جو بھی ذرا بھی سمجھ

نہیں رکھتا۔ نادان بچہ میں یہ ضرور نہیں ہے کہ آٹھ نو برس کا بچہ ہو بلکہ چار پانچ برس کا بچہ بھی ہوسکتا ہے یہی وجہ ہے جس سے فقہ حنفی کے بعض اصول کو اور مجتہدوں کے فقہ پر ترجیح ہے ابو حنیفہ صاحب نے قرآن مجید کے اصلی منشا کے مطابق مسائل کا استنباط کیا ہے اور ایمہ نے خدا کے احکام پر زیادہ غور نہیں کی۔

دوسرا مسئلہ نباش یا کفن چور کے بارہ میں ہے۔ امام ابو حنیفہ صاحب کی رائے ہے کہ کفن چور کا ہاتھ نہ کاٹا جائے مگر اور ائمہ اسکے خلاف ہیں وہ کہتے ہیں کہ ضرور کفن چور کا ہاتھ کاٹ ڈالا جائے علامہ **نصیر الدین نیشاپوری** نے ابو حنیفہ صاحب کے چند فتوے نقل کئے ہیں جو کفن چور کے بارے میں ہیں انھوں نے کبھی کسی کفن چور کا ہاتھ نہیں کٹوایا بلکہ مردہ کی پردہ دری کرنے کے لئے اسکو چند ماہ قید کی سزائے سخت دی۔

دوسرا مسئلہ اور بھی خوفناک ہے یعنے اگر ایک شخص کی دو بیویاں باہم ایک دوسری کی کوئی چیز لے لیں تو امام اعظم کے نزدیک ایسی حالت میں عورت کا قطع ید درست نہیں ہے مگر اور ایمہ کے نزدیک ہے کہ فوراً ہاتھ کاٹ ڈالا جائے۔ ایمہ کی یہ رائے کیسی سخت اور شدید ہے۔ دو بیویوں کو اپنے خاوند کے مال پر یکساں استحقاق حاصل ہے ایسی صورت میں اگر ایک بیوی نے اپنی دوسری سوکن کی کوئی چیز لے لی۔ تو یہ کچھہ ایسا جرم نہیں ہوا کہ جسکی سزا میں خدا کی کاریگری میں نقص پیدا کیا جائے اور اسکے خاوند کو جیتے جی تمام کر دیا جائے اس سے زیادہ وحشیانہ استنباط اور کیا ہو سکتے ہیں؟

اسی قطع ید کے بارے میں امام مالک کے نزدیک اگر بیٹا باپ کا مال چرالے تو قطع ید کرنا چاہئے امام اعظم کی یہ رائے ہے کہ نکرنا چاہیئے۔ باپ اور بیٹے کی موانست اور فطری پیوند ایسا نہیں ہے کہ اسکو جدا کیا جاسکے اپنے اسی شفقت اور محبت کے بھروسہ پر اسنے کوئی چیز باپ کے بغیر کہے لے لی تو کیا باپ یہہ گوارا کریگا کہ اپنے پیارے بیٹے کو ٹنڈا کردوں؟۔ کبھی نہیں۔ فطرت انسانی پر جب غور سے دیکھا جاتا ہے تو وہ ان کاموں کیطرف سے بے نیاز کسی حالت میں

نہیں ہو سکتی اپنے باپ یا اپنے بہائی کی کوئی چیز لے لینی لینے والے پر چور کے لفظ کا اطلاق نہیں ہونے دیتی اس قسم کے معاملے جو عموماً ہر خاندان اور ہر گروہ میں پیش آتے ہیں اگر تعزیر کے شکنجے میں کہنیچے جائیں تو کل ہی دنیا کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ کوئی کام فی نفسہ بُرا نہیں ہے مگر ہر کام کے بُرے بہلے نتیجوں نے کام کو اچھا بُرا کر دیا ہے۔ چوری بہی اپنے نتیجوں سے بُری ہے مثلاً اس سے امن میں خلل پڑتا ہے ملک کا انتظام اچھی طرح نہیں ہوتا اسیوجہ سے چور کو سزا دیجاتی ہے کہ وہ امن میں خلل نہ ڈالے دوسرا برا نتیجہ چوری سے یہہ نکلتا ہے کہ انسان خود معطل ہو کر بیٹھنا چاہتا ہے اور دوسرے کا کمایا ہوا مال بے محنت و مشقت لینا چاہتا ہے اس سے قانون قدرت کے منشا میں خلل پڑتا ہے کیونکہ قانون قدرت میں کسی آدمی کا بیکار ہاتھ پر ہاتھ رکھے بیٹھنا حرام ہے۔ اور چوری محنت سے نفرت اور تعطل کیطرف رغبت دلانیوالی چیز ہے مگر افسوس یہہ ہے کہ بیٹے کا باپ کی کوئی چیز لے لینا ان دونوں نتیجوں میں سے کوئی ایسا خوفناک نتیجہ نہیں پیدا کرتا کہ جس کی سزا ایسی خوفناک قطع ید دی جائے۔ ہاں یہ صحیح ہے کہ بیٹے کا یہہ فعل ایک حد تک برا ہے اسلئے اسے خفیف سی سزا دیدیجائے۔ ابو حنیفہ صاحب نے بقول علامہ نصیر الدین نیشاپوری جب انکے پاس کوئی ایسا مسئلہ آیا اس بچہ کو معمولی سزا دیکر چہوڑ دیا ایسی سزا جو آیندہ اسکو اس فعل سے باز رکھہ سکے اس سے بہی زیادہ خوفناک حکم ائمہ کا ایک اور سہل مسئلہ میں ہے یعنے اگر ایک شخص کسیکی چیز مستعار لیکر مکر گیا تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک اسکا قطع ید واجب نہیں ہے مگر اور ائمہ کے نزدیک یہہ درست ہے کہ اسکا ہاتھ کاٹ ڈالا جائے۔ میں دریافت کرتا ہوں کہ ان سخت مسائل پر کبھی عملدرآمد ہوا اور جو کسی سلطان کے زمانہ میں ایسا ہوا بہی تو وہ اسکی سلطنت جابر سلطنت کے نام سے اب تک مشہور ہے۔ ان ہی وجوہات سے امام ابو حنیفہ کا مذہب دن بدن اشاعت پکڑتا گیا اور اور ائمہ کا مذہب گو پہلے بجلی کی طرح بعض بعض حصوں میں اشاعت پا گیا تہا مگر بہت جلد سمٹ گیا اور حنفی مذہب نے سب پر نمایاں فتح حاصل کر لی۔

اس لکھنے سے یہ تو بخوبی ثابت ہو گیا کہ فقہ حنفی کے بعض مسائل کو اور مجتہدوں کے استنباطی مسائل پر فوقیت حاصل ہے اب ہمیں امام اعظم کے استنباطی مسائل کو احادیث مروجہ سے مقابلہ کرنا ہے کہ آیا قرآن کے مطابق ابو حنیفہ صاحب نے حکم دیا ہے یا احادیث مروجہ قرآن سے تطابق رکھتی ہیں۔ حدیثوں کے جمع ہونے کی جو کچھ تاریخ تھی وہ اوپر بیان ہو چکی۔ اس سے ہر شخص اندازہ کر لیگا کہ مروجہ احادیث کو کہاں تک صحیح اور غیر صحیح تسلیم کیا جائے۔

(طلاق کا مسئلہ)

طلاق جیسا شرمناک امر ہے خاوند اور بیوی کے تعلق کے لئے دوسرا اور کوئی ایسا وحشیانہ امر نہیں ہے نکاح کے وقت دونوں میاں بیوی اپنا نفس ایک دوسرے کو ہمیشہ کے لئے سونپ دینے پر آمادہ ہوتے ہیں اور انکا دلی منشا بھی یہ ہوتا ہے کہ ہمارا یہ پیوند ہے اور وہ کبھی جدا نہیں ہو سکتا پھر یہ نظارہ نہایت شرمناک ہوگا کہ ہم اس پیوند کو جدا ہوتا ہوا دیکھیں مجبوری کی حالت میں قانون نے مرد کو اجازت دی ہے کہ وہ طلاق دیدے لیکن اسکا طلاق دینا اسوقت جائز ہو سکتا ہے کہ جب ان دونوں میں نا چاقی اتنی بڑھ جائے کہ دونوں کی جانیں سولی پر رہنے لگیں اور سوائے آسمانی پیوند کے ٹوٹنے کے اور کوئی علاج نہ ہو۔ تو اس خیال سے کہ طرفین کی جانیں ہلاکت میں نہ پڑ جائیں اس لئے بے تعلق ہو جانے کا قرآن میں حکم دیا گیا ہے۔ اور یہ قانون قدرت کے مطابق ہے کہ انکا قطع تعلق ہو جاوے۔

جو مسائل کہ بعض قرآنی احکام سے امام ابو حنیفہ صاحب نے استنباط کئے ہیں ان سے قانون قرآنی کا اصلی منشا ظاہر ہوتا ہے مگر بعض مروجہ حدیثوں میں نہ نکاح کی فطرت پر غور کیگئی ہے اور قرآنی احکام پر توجہ مبذول ہوئی ہے مثلاً نیل الاوطار صفحہ ۷ جلد ۶ میں ایک حدیث سے یہہ استدلال کیا ہے استدل بحدیث الباب علی ان البرص والجنون والجذام عیوب یفسخ بھا النکاح ولکن حدیث کعب لیست بصریح فی الفسخ لان قولہ الحقی علیک ثیابک وفی روایۃ الحقی باھلک یمکن ان یکون کنایۃ طلاق

مطلب یہہ ہے کہ مرض۔ جنون۔ جذام میں مرد کو طلاق دینے کا استحقاق حاصل ہے۔ اسکی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے کہ "ایک خاتون سے نبی نے نکاح کیا۔ اور جب آپکو یہہ معلوم ہوا کہ اسے برص ہے تو آپنے فرمایا تو اپنے کپڑے لے اور گھر چلی جا" یہ محض لغو اور غلط ہے۔ خیال کرنیکی جگہ ہے کہ جس مقدس اور معصوم نفس نے ہمیشہ بے پناہ لوگوں کو پناہ دی اور مظلومین کو اپنے سایۂ عاطفت میں رکھا جس شخص کو کہیں جگہ نہ ملتی تھی آپ اپنے چھوٹے سے حجرہ میں اسکو جگہ دیتے تھے ایسی ہمدرد اور رحیم کریم سخی ذات پر یہ طوفان اٹھایا جائے کہ اسنے نکاح کرنے کے بعد اپنی منکوحہ کو نکالدیا اور اپنے گھر میں نہ رہنے دیا استغفر اللہ خدا ایسے افترا پردازوں کو ذلیل کرے۔

تعجب ہے کہ جب نکاح ہو چکا ہو پھر مرض کے باعث کیوں طلاق دی جائے۔ مبروص عورت سے غیر مبروص مرد کے اکثر بچے دیکھے گئے ہیں اور موجودہ زمانہ کی ڈاکٹری جانچ اور تجربہ سے یہ بخوبی ثابت ہوگیا ہے کہ مبروص اپنے غیر مبروص خاوند پر کچھہ اثر اپنے مرض کا نہیں ڈال سکتی۔

امام مالک نے ایک قول حضرت عمر کا اپنی موطا (صفحہ ۱۰۹) میں نقل کیا ہے جو مذکورہ بالا حدیث کی تائید کرتا ہے اور وہ قول یہہ ہے۔ "عن یحیی بن سعید عن سعید بن المسیب انہ قال عمر بن الخطاب ایما رجل تزوج امراۃ وبہا جنون او جذام او برص فمسہا فلہا صداقہا کاملا و ذلک لزوجہا غرم علی ولیہا" یعنے جس شخص کا جذام یا سفید داغ یا جذام والی عورت سے نکاح کرادیا گیا ہو اور وہ اس سے ہمبستر ہو چکا ہو تو اس سے مہر دلاکران دونوں میں جدائی کرائی جائے اور وہ مہر عورت کے ولی پر یا کسی اور پر جسنے دھوکا دیکر نکاح کرا دیا ہو تاوان ہوگا۔

یہہ روایتیں اگر تمدنی نظر سے دیکھی جائیں گی تو حسن معاشرت کے خلاف ہیں۔ نکاح کرنے والے کا فرض تہا کہ وہ پہلے خوب تحقیق اور تفتیش کر لیتا اور جب اسنے اپنے نکاح کے شوق

ہیں کچھ نہ دیکھا اور پھر اسسے ظاہر ہوگیا تو اسکا فرض یہہ ہونا چاہئے تھا کہ علیحدہ رکھکر اسکا
علاج کرے اور خدا سے رحمت کا خواستگار رہو۔ جیسا احادیث میں عورت کے لئے یہہ حکم ہے
کہ برس دن تک خاوند کے اچھا ہوجانیکا رستہ دیکھے اس سے یہہ بھی لازم آتا ہے کہ مرد بھی
دو ایک سال عورت کے اچھا ہونیکا رستہ دیکھے اور جب کسی طرح سے فائدہ نہو تو اس کی تنخواہ
کرکے اسکو علیحدہ رکھے اور جو تنخواہ کرنے کے قابل نہو تو کچھ نہ کچھ ہمیشہ کے لئے قلیل مقدار
ہی سہی ایسا ماہانہ مقرر کردے کہ وہ اپنا پیٹ روکھی سوکھی روٹی سے بھر لیا کرے۔
ایک قول حضرت علی مرتضیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا بھی روایت کیا گیا ہے اور وہ یہہ ہے وروی
الشعبی عن علی کرم اللہ وجہہ ایما امراۃ نکحت وبہا برص او جنون او جذام او
قرن فزوجہا بالخیار ان شاء امسک وان شاء طلق ان مسہا فلہا المہر بما استحل من فرجہا
یعنے حضرت علی نے عورت کے جنون۔ جذام۔ سفید داغ اور قرن کے سبب مرد کو فسخ نکاح کا
اختیار دیا ہے اور یہ فرمایا ہے کہ وہ اس سے ہمبستر ہوچکا ہو تو مہر ادا کرے۔ (بلوغ المرام صفحہ ۲۰۶ و
زاد المعاد صفحہ ۱۹۳) لیکن حنفیوں کی تائید میں جو آثار ہیں وہ بھی مفصلہ ذیل ہیں۔ وجاء
التفریق بالعنۃ عن عمر وعثمان وعبد اللہ بن مسعود وسمرۃ بن جندب ومعاویۃ
بن ابی سفیان والحارث بن عبد اللہ بن ابی ربیعۃ والمغیرۃ بن شعبۃ رضی اللہ عنہم
اجلوہ سنۃ وعثمان وسمرۃ لم یؤجلوہ والحارث بن عبد اللہ اجلہ عشرۃ اشہر زاد المعاد صفحہ ۱۹۲ جلد ۲

یعنی عمر وابن مسعود والمغیرۃ اجلوہ سنۃ

یعنے حضرت عثمان غنی وعبد اللہ بن مسعود وسمرہ بن جندب ومعاویہ بن ابی سفیان رح وحارث
بن عبد اللہ بن ابی ربیعہ ومغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اصحابہ سے مروی ہے کہ انہوں
نے نامردی کے سبب تفریق کا حکم دیا ہے ان میں سے حضرت ابن مسعود اور مغیرہ بن شعبہ نے
حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مانند ایک سال کی ہی مہلت دینے کا حکم دیا ہے اور حضرت عثمان
ومعاویہ وسمرہ نے مہلت کا حکم نہیں دیا حارث بن عبد اللہ نے دس مہینے کی مہلت کا حکم دیا ہے
اس سے یہہ حصر ہوتا ہے کہ نامردی ہی کے سبب سے فسخ نکاح ممکن ہے نہ امراض کے باعث سے

وہ قول ابو حنیفہ صاحب کا یہہ ہے ۔ فمن ذلک قول ابی حنیفة انه لا فسخ بشئ من العیوب وانما للمراة الخیار فی الجب والعنة فقط ۔
یعنے عورت کو صرف شوہر کے نامرد یا آلت بریدہ ہونے کے سبب فسخ نکاح کا اختیار ہے اسکے مقابل میں امام مالک اور امام شافعی کا یہ قول ہے کہ بجز فتق سب ہی عیوب سے نکاح فسخ ہو سکتا ہے اسپر طرہ یہہ اور ہے کہ امام احمد بن حنبل فتق کو بھی موجب فسخ نکاح سمجھتے ہیں۔

ہمیں تفاوت راہ از کجا ست تا بکجا

اب میں امام ابو حنیفہ کے اجتہادات کو حدیث بخاری کے مطابق کرکے دکہاتا ہوں مگر یہہ سمجہہ لیا جائے کہ وہ حدیثیں قابل اعتبار سمجھی جائینگی جو عقلاً اور قانون قدرت کی رو سے جائز ہوں مثلاً حضرت بی بی عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے بخاری نے یہہ حدیث نقل کی ہے عن عائشة رضی الله تعالی عنها قالت قال رسول الله صلی الله علیه وسلم من اشترط شرطا لیس فی کتاب الله فهو باطل وان اشترط مائة مرة شرط الله احق
یعنے کوئی کسی سے ایسی شرط کرے جو کتاب اللہ میں نہو (یعنے اسکی اجازت قرآن مجید سے نہ نکلتی ہو) تو وہ شرط باطل یعنے ناقابل ایفا ہے اگرچہ سو دفعہ شرط کیگئی ہو لائق وفا اور پختہ خدا ہی کی شرط ہے یعنے جسکو خدا تعالے نے جائز قرار دیا ہے۔
اس حدیث کی فطرت پر اگر غور کیجائے تو یہہ قانون قدرت کے مطابق ہے موجودہ مروجہ قانون انگریزی میں بھی ناجائز شرط قابل ایفا نہیں قرار دیجا سکتی ۔
اب ہم چند تابعی اور مجتہدوں کے ساتھ امام ابو حنیفہ کے قول کا مقابلہ کرتے ہیں دیکھیں حدیث کے مطابق کس کا قول ہوتا ہے طاؤس ۔ وابو الشعثا (تابعی) امام شافعی ۔ امام احمد ۔ اوزاعی ۔ اسحق ۔ وغیرہ ایسی ایسی شرط کو جائز قرار دیتے ہیں حالانکہ امام ابو حنیفہ جائز نہیں قرار دیتے اسکی مثال یہ ہے ایک عورت نے اس شرط پر نکاح کیا کہ میں اپنے وطن سے باہر کبھی نہ جاؤنگی اور مرد نے بھی اقرار کرلیا اگر نکاح کے بعد وہ اپنی بیوی کو لیجانا چاہے تو کیا عورت

مرد کو اس قسم کے عہد پر چھوڑ سکتی ہے۔ مذکورہ بالا ائمہ کی رائے سے چھوڑ سکتی ہے امام ابو حنیفہ کی رائے سے نہیں چھوڑ سکتی۔

یہی رائے حضرت علی۔ سعید بن المسیب تابعی۔ وسفیان ثوری۔ لیث وغیرہ وغیرہ کی ہے کہ یہ شرط جائز نہیں ہے اب میں دریافت کرتا ہوں کہ امام ابو حنیفہ کا قول خلاف حدیث نبوی ہوا یا امام شافعی اور امامیہ کا جو کچھ میں نے احادیث کے بارے میں لکھا ہے وہ میرا ہی خیال اور رائے نہیں ہے بلکہ تمام علما اسی پر متفق ہیں اور وہ[1] کہتے ہیں کہ آنحضرت سے جو کچھ روایت کیا گیا ہے اور کتب حدیث میں اسکی تدوین ہوئی ہے اسکی دو قسمیں ہیں

(۱) جو تبلیغ رسالت سے تعلق رکھتا ہے اور اسی بارہ میں یہ آیت اتری ہے "ما اٰتٰکم الرسول فخذوہ وما نہاکم عنہ فانتہوا یعنی پیغمبر جو چیز تمکو دے اسکو اختیار کرو اور جس چیز سے روکے اس سے باز آؤ۔

جو تبلیغ رسالت سے متعلق نہیں چنانچہ انکی نسبت آنحضرت نے ارشاد فرمایا ہے "انما انا بشر اذا امرتکم بشیء من دینکم فخذوا بہ اذا امرتکم بشیء من رائی فانما انا بشر یعنی میں ایک آدمی ہوں جب میں کوئی مذہبی حکم دوں تو تم لوگ اسکے پابند ہو اور جب میں اپنی رائے سے کسی بات کا حکم دوں تو میں صرف ایک آدمی ہوں۔

اس دوسری قسم میں وہ حدیثیں ہیں جو آنحضرت نے طب کے متعلق ارشاد کیں اور اسی قسم میں وہ افعال داخل ہیں جو آنحضرت سے عادتاً صادر ہوئے نہ عبادۃً اور اتفاقاً واقع ہوئے نہ قصداً اور اسی قسم میں وہ حدیثیں داخل ہیں جو آنحضرت نے اپنی قوم کے گمان کے موافق بیان کیں مثلاً ام زرعہ اور خرافہ کی حدیث اور اسی قسم میں وہ امور داخل ہیں جو آنحضرت نے اسوقت مصلحت جزوی کے موافق اختیار فرمائے اور وہ امت پر واجب العمل نہیں ہیں مثلاً فوجوں کی تیاری اور شعار کی تعیین اسی بنا پر حضرت عمر نے فرمایا تھا کہ اب رمل کرنے کی کیا ضرورت ہے جس قوم کے دکھانے کے لئے ہم رمل کرتے تھے انکو خدا نے ہلاک کر دیا" اور آنحضرت کے

[1] حجۃ اللہ البالغہ مطبوعہ بریلی صفحہ ۱۳۳۔۱۳۴۔۱۲۔

بہت سے احکام اسی قسم میں داخل ہیں اور وہ احکام زیادہ تر تمدنی احکام ہیں ان احکام پر عمل کرنا واجب نہیں ہے۔

جو کچھ غضب آج اسلام پر نازل ہو رہا ہے وہ صرف کٹ ملانوں کی نافہمی اور نفس پرستی کی وجہ سے ہے ورنہ اس غضب کا اور کوئی سبب نہیں ہے۔ مسلمانوں کی تباہی کا دوسرا سبب علمائی کرنا مغالطہ میں پڑنا ہے۔ وہ احکام جو واجب عمل نہیں ہے اور جنکا ہمیشہ تغیر و تبدل ہوتا رہتا ہے انکو آجکل پیش کیا جاتا ہے اور مسلمانوں کو مجبور کیا جاتا ہے کہ نہیں ان احکام پر عمل کرو اگر عمل نہ کیا تو جہنمی ہو جاؤ گے مثلاً آن تمدنی مسائل غسل جمعہ۔ خروج النساء الی العیدین نفاذ طلاق۔ لقیین جزیہ۔ تشخیص خراج۔ طریقہ جہانبانی۔ طرز معاشرت۔ لباس۔ وغیرہ میں جو حدیثیں وارد ہیں انکو امام ابو حنیفہ نے دوسری قسم میں قرار دیا ہے لیکن امام شافعی وغیرہ نے ان حدیثوں کو تشریعی حدیث سمجھا ہے اسی وجہ سے عوام جہلا کہتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ نے حدیثوں سے مخالفت کی ہے۔ میں ایک مختصر سی بحث اس بارہ میں کرنا چاہتا ہوں تاکہ یہ ثابت ہو جائے کہ جن حدیثوں میں مسائل مذکور بیان ہوئے ہیں۔ یہ حدیثیں تشریعی حیثیت سے دیکھے اور عمل کرنے کے قابل نہیں ہیں۔

صرف ثابت یہ کرنا ہے کہ نبی کا ہر فعل واجب العمل نہیں ہے سوائے ان دینی احکام کے جنکا قرآن کی آیت میں ابھی ذکر ہو چکا ہے۔ جسنے نبی عربی کی سوانح عمری پڑھی ہیں اور اگر نہیں پڑھی تو میری مولفہ لائف آف محمد یعنے سوانح عمری نبی عربی جو تمام یونانی۔ عبرانی جرمنی۔ فرانسیسی۔ عربی۔ انگریزی۔ سنسکرت کی کتابوں کا خلاصہ ہے ضرور دیکھے تو اسے نبی عربی کی طرز معاشرت سے بخوبی آگاہی ہو جائے گی۔ نبی ایک کھجور کی مسجد کے چھوٹے سے حجرہ میں رہتے تھے۔ کیا اتنے بڑے ہندوستان میں جہاں چھ سات کروڑ مسلمانوں کی آبادی ہے کسی نے بھی اس بارے میں نبی عربی کی تقلید کی ہے۔ لمبی ڈاڑھیاں جو ہنر و ہنر ہلائی جاتی ہیں اور غیر تشریعی حدیثوں کی آڑ میں بیچارے بیگناہ مسلمانوں کو گالیاں دیجاتی ہیں

بناؤ نی ہیں اور خود را فضیحت و دیگرے را نصیحت پر محمول ہیں وہ عالیشان عمارتیں بنواتے ہیں اور لاکھوں روپیہ حویلیوں میں لگاتے ہیں اور اسکے لیئے یہہ حدیث بیان کرتے ہیں کہ "ایک دن نبی عربی کا گزر ایک پختہ مکان کیطرف ہوا آپنے دریافت کیا کہ یہہ مکان کسکا ہے صحابہ نے عرض کیا کہ فلاں شخص غوار ہا آپ چلے آئے جب وہ شخص آپکی خدمت میں حاضر ہوا تو آپنے اسکے سلام کا جواب نہ دیا۔ پھر اسنے سلام کیا پھر جواب ندیا وہ سمجھ گیا کہ نبی مجھسے ناراض ہیں وہ خوف زدہ ہو کر ٹھٹک گیا اور رونے لگا۔ پھر نبی نے اپنی ناراضی کا سبب بیان کیا اور کہا کہ میں تیری اس کارروائی کو ناپسند کرتا ہوں" اسنے جاکر اپنا مکان تڑوا ڈالا اگر اس حدیث کو صحیح ہی مان لیا جائے تو یہہ ایک بہت بڑی مصلحت پر مبنی تھا اس زمانہ میں اسلام چند سنگلاخ چٹانوں میں مقید تھا۔ دشمن چاروں طرف سے گھات میں لگے ہوئے تھے اور مسلمانوں کی حالت کچھ اچھی نہ تھی۔ ابھی آرام کرنیکا وقت نہ تھا۔ بڑی بڑی جفاکشیاں سہنی تہیں اور سخت سخت مصیبتیں اٹھانی تہیں۔ ابھی اولوالعزمی دکہانے کے دن باقی تھے۔ اور عالی ہمتی سے بہت کچھ کام لینا تھا۔ ابھی بڑی بڑی عظیم الشان جانکاہیاں کرنی باقی تہیں۔ کوہ کندن و کاہ برآوردن کا حسرتناک نظارہ بار بار دیکھنا تھا۔ ابھی بے آرامی کو اپنا اوڑھنا بچھونا کرنا تھا۔ اور صحرا نوردی میں تلوے بہت کچھہ چھلنی کرنے تھے۔ خوف و رجا میں رہنے کے دن چلے آرہے تھے تپتے ہوئے اور جھلستے ہوئے ریتیلے میدان میں چمڑے کے تنبوؤں کے نیچے رہنا تھا۔ وہ زمانہ آرہا تھا کہ ہونٹوں پر پپڑیاں جمی ہوئی تیز تیز اور گرم لوؤں میں پھریں۔ وہ وقت قریب تھا کہ دشمن کے مقابلہ میں بھوکے پیاسے اپنی حفاظت کرتے اور اپنی بیوی بچوں کو بچاتے۔ ابھی گھوڑوں کی پیٹھوں اور اونٹوں کے کجاووں پر شب و روز بیٹھنا تھا۔ یہ سب خوفناک صورتیں نبی عربی کی دوربین آنکھوں کے آگے چکر کہا رہی تھیں ایسی مذبذب حالت میں آپ کیونکر اجازت دیتے کہ لوگ پختہ پختہ مکانات بنا کر ان میں بآرام بیٹھتے۔ قطعی بقول میور صاحب یہہ چھوٹی سی

تعداد کبھی کی ضایع ہو جاتی۔ یہہ مصلحت وقت تھا اور جب ہر طرف سے اطمینان ہوا تو اس حدیث پر جو تشریعی حیثیت نہ رکھتی تھی عمل کرنا واجب نہ ہوا۔ کروڑہا روپے کے محلات بنگلے اور کیا کیا کچھہ سامان تہذیب و شائستگی کے زمانہ کے موافق تیار نہیں ہوے جنکی نظیر اب تک دنیا میں نہیں ملتی۔ قرطبہ کے محلات جنپر ۱۳ کرور روپیہ وصول ہوا تھا آنکھوں کے آگے پھرتے ہیں کیا وہ شہنشاہ اور سچے حامی دین نبی پختہ مکانات بنانے میں گنہگار ٹھہرائے جا سکتے ہیں۔ وہاں اب یہہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جو کٹ ملا اس حدیث کو تشریعی حیثیت میں رکھنا چاہتے ہیں وہ خود بتائیں کہ انھوں نے یا انکے باپ دادا ؤں نے کبھی کسی وقت ایک دو دن بھی کھجور کے جھونپڑہ میں گزارے۔ سات کروڑ مسلمانوں میں ایک ملا بھی نہیں دکھائی دیتا کہ جسنے اس حدیث پر عمل کیا ہو۔ یا نبی کی طرز معاشرت کی تقلید کی ہو۔ اس سے یہہ ثابت ہوتا ہے کہ نبی عربی کا ہر فعل ہم پر واجب نہیں ہے۔

نبی کی دوسری طرز معاشرت یہ تھی کہ آپ مہینوں اپنی چھوٹی سی کوٹھری میں بیچراغ بیٹھے رہتے تھے اور آپکو تیل میسر نہ آتا تھا۔ کیا اس مقدس اور برکت والی معصوم صابرو شاکر ذات کی کسی نے بھی اپنی تمام عمر میں کبھی اسکی تقلید کی کہ دنوں اپنے مکان میں اندھیرے میں بیٹھا رہا ہو۔

تیسری طرز معاشرت یہہ ہے کہ آپنے کبھی پیٹ بھر کر دونوں وقت میں نہیں کھایا اسلئے کہ آپکو میسر نہ ہوتا تھا۔ کوئی مسلمان خواہ ولی ہو یا مولوی ہمیں بتائے کہ اسکی عمر کا چھوٹے سے چھوٹا حصہ بھی کوئی ایسا گزرا ہے کہ جس حصہ میں وہ دونوں وقت بھوکا رہا ہو؟ ہرگز نہیں! بلکہ عموماً ہمارے ہادی اور مقتدا ملا ایسی موٹی توندوں کے ہیں کہ جنکے دیکھنے سے خوف آتا ہے۔

چوتھی معاشرت مشکل سے نبی کو جو کا دلیا میسر ہوتا تھا اور وہ بھی پیٹ بھر کو نہیں اور جس دن کھجوریں آگئیں وہ گویا پر تکلف کھانا آپ کا شمار ہوتا تھا۔ کوئی مولوی ایسا ہے کہ جسنے تمام

عمر میں ایک دن کبھی ایسا گزرا ہو کہ جو کا دلیا اسنے غنیمت سمجھکر کہایا ہو اور وہ پیٹ بھرنے کے لئے کافی نہ ہو۔

پانچویں معاشرت آپ ہمیشہ مٹی کے برتن میں کہانا کہاتے تھے۔ کیا کوئی ولی اور بڑے سے بڑا مولوی مٹی کے برتن میں کہانیکا افتخار کر سکتا ہے۔

چھٹی معاشرت۔ آپ اپنے قلیل کہانے میں جسمیں آپکا ہی پیٹ نہ بھر سکتا تھا خوشی خوشی دوسرے کو شریک کر لیتے تھے کیا کوئی حامی دین مولوی کہہ سکتا ہے کہ اسنے ایسی حالت میں کہ اسے روٹی ملی ہو اور اسنے دوسرے کو خوشی خوشی شریک کر لیا ہو۔

ساتویں معاشرت۔ حضرت انس فرماتے ہیں کہ مینے دس برس میں نبی اکرم کی اتنی خدمت نہیں کی جتنی نبی نے میری خدمت کی۔ کیا کوئی اسلام اسلام جپنے والا مولوی بتا سکتا ہے کہ اسنے اپنے خادم کا ایک کام ہی کر دیا ہو اپنے اس فعل کو سنت سمجھکر خوش ہوا ہو۔

آٹھویں معاشرت۔ ہمیشہ آپنے جانی دشمنوں پر شفقت کی ہے اور انکو آرام دیا ہے۔ کوئی مولوی ایسا بے نفس ہے کہ کسی نے کبھی ایک آدہ ہی دفعہ اپنے دشمن پر مہربانی کی ہو۔

اسی طرح سے ہمارے نبی عربی کی صدہا صفتیں ہیں کہ جن کا مفصل بیان میری مولفہ سوانح عمری آنحضرت میں آگیا ہے مگر آجتک تیرہ سو برس میں ایسے بہت ہی کم انفاس ہوئے کہ جو نبی کے قدم بقدم چلیں ہوں میں کہتا ہوں کہ نہیں چل سکتے اگر کوئی شخص پورا چربا نبی کا اتارے تو یہہ اس کی خامی عقل ہے اسلئے کہ جتنی صفتیں تہیں کہ جو روز ازل ہی سے انبیا کے لئے خاص ہو گئی ہیں کہ انکا سا نہ صبر ہو سکتا ہے نہ تحمل نہ بردباری نہ شکر نہ قناعت کچھہ نہیں۔ تو اس سے یہہ صاف کہلتا ہے کہ نبی کا ہر فعل واجب العمل نہیں ہے ہمیں اپنی بساط کے موافق کام کرنے کی اجازت ہے آجکل اسی سبب سے ایک بڑی غلط فہمی پڑ گئی ہے کہ وہ حدیثیں جو شرعی حیثیت نہیں رکہتیں زبردستی انہیں تشریعی دائرہ میں لایا جاتا ہے امام ابو حنیفہ کو اسیلئے اور ائمہ پر شرف حاصل ہے کہ وہ طباع ذہین امام اس باریک فرق کو

جو حدیثوں میں واقع ہے جانتا تھا۔ اسے معلوم تھا کہ اگر انکو صاف صاف علیحدہ کر کے نہ دکھایا جائیگا تو انتظام کا ڈھانچہ توڑ مروڑ کر زمانہ رکھدیگا۔

یہی وجہ ہے کہ مولویوں نے یہہ سمجھ لیا ہے کہ ابوحنیفہ نے احادیث کی مخالفت کی اور اپنی طرف سے اجتہاد کیا میں دریافت کرتا ہوں کہ اسلام کا ظہور دنیا میں کیوں ہوا تھا؟ کیا اسلئے ہوا تہا کہ وہ تعیین جزیہ بتائے کہ یوں کرنا چاہئیے کیا وہ اسلئے آیا تہا کہ تشخیص خراج کی تدبیر بتائے۔ کیا وہ اسلئے آیا تہا کہ فوجوں کو لڑانے کے ڈھنگ سے آگاہ کرے کیا کیا وہ اسلئے آیا تہا کہ نہانے دھونے کے رستے بتائے کیا اسکی یہ مرضی تہی کہ درزی کا کام کرے یعنے لوگوں کو کپڑوں کی تراش خراش بتائے اگر ان ہی باتوں کے لئے اسلام تہا تو اسلام کا آنا فضول تہا اسلئے اسلام سے پہلے دنیا میں یہہ تمام باتیں بمرتبہ احسن لوگ جانتے تھے۔ بلکہ اسلام اسلئے دنیا میں آیا تہا کہ بت پرستی اور کفر کو مٹاوے۔ ان مظالم کو دور کرے کہ جنسے مخلوق اللہ کچلی جارہی تہی۔ ہاتھ سے گھڑے ہوئے دیوتاؤں پر انسانی قربانیاں چڑہائی جاتی تہیں۔ روحانی قابلیتیں بالکلیہ ساقط ہو گئی تھیں۔ ہزارہا خدا نکل آئے تہے اور انکی پرستش بہت بدنما طریقہ سے کیجاتی تہی۔ اپنے خالق کو بھول گئے تھے جزا اور سزا کی کسیکو خبر نہ تھی۔ تمام دنیا کی رگوں میں جب ان معائب کا خون دوڑ گیا اور اسکی رفتار تیز ہوئی تو اسلام کے پیدا ہونے کی ضرورت ہوئی اسلام نے اپنا فرض پورا کیا اور ان تمام خوفناک باتوں کی جڑ اکھیڑ کر پھینکدی۔ پس اسلام کا اصلی منشا یہہ تھا مگر سخت افسوس سے دیکھا جاتا ہے کہ آجکل اسلام کے دنیا میں ظاہر ہونیکا مقصد مٹ گیا اور جو غرض کہ اس سے متعلق نہ تھی اس سانچہ میں اسکو ڈھال لیا گیا ہے اسلام کو اگر تلاش کیا جائیگا تو خدا پرستی۔ وحدت۔ سچائی۔ ہمدردی۔ قومی بہبودی۔ حمیت باہمی میں کبھی نہیں ملنے کا ہاں آجکل جہاں جہاں اسکی جائے قرار مقرر کیگئی ہیں وہ کیا تو کہیں کی ٹوپیاں اور رکابیاں ہیں یا عمامہ اور جبہ سر یا نیم ساق پاجامہ ہے یا کترواں لبیں ہیں یا نیچی ناف تک ڈاڑہی ہے یا مسجد کی غلیظ اور ناپاک حجرے ہیں [illegible]

آٹھواں باب

اجتہاد فقہا کے باہمی اختلاف کی وجہ

جو کچھ ہم اپنے اگلے بابوں میں لکھ آئے ہیں اس پر نظر غور سے توجہ کرنیوالا یہہ سمجھ سکتا ہے کہ اگر ہم ہر طرح سے اپنے کو بالکلیہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ ہی کے کل استنباطی مسائل کا مقلد بنا دیں تو گویا ہم نے اسلام کے عظیم الشان علما مجتہدین کی وسیع تحقیقات پر خاک ڈالدی۔ یہاں کوئی تاریخ بھی ایسی نہیں ہے جس سے کسی عالم کا تقلید شخصی کے دائرہ میں مقید ہونا پایا جاتا ہو۔ ہر ایک نے اچھے اچھے اور قابل تسلیم قول ہر مجتہد سے لئے ہیں اور ان ہی پر عمل کیا ہے اب میں اس آخری باب میں محققانہ طور پر اجتہاد اور فقہا کے باہمی اختلاف کی وجہ بیان کرتا ہوں جس سے اندازہ ہو جائیگا کہ صحیح مسلک کونسا ہے اور ایک سمجھدار شخص کو کیا کرنا چاہئے۔

اجتہاد ایک شرعی یا متعلق بہ علم الٰہی سوال پر منطقی نتیجہ نکالنے کو کہتے ہیں۔ جو شخص اپنی رائے سے اجتہاد کرتا ہے اسے مجتہد کہتے ہیں۔ مثلاً کسی نے ایک مسئلہ دریافت کیا مجیب کو حدیث قدسی نہیں معلوم جو کہ جواب دینا ضروری ہے اسنے اپنی رائے سے اجتہاد کیا اور جواب دیا مگر اسکا اجتہاد اسی حد تک ماننے کے قابل ہوگا کہ حدیث قدسی اس مسئلہ میں نہو گی اور جب حدیث قدسی معلوم ہو گئی تو پھر مجتہد کا اجتہاد خواہ وہ کسی پایہ کا ہو محض ناکارہ اور فضول ہے۔

اب بحث بہت بڑی یہ ہے کہ خاص خاص نفوس تک اجتہاد کی حد ہے یا انکے بعد بھی اور شخص مجتہد ہو سکتا ہے یا کوئی خاص صدی ہی مجتہدوں کے پیدا کرنے کے لئے موزوں تھی اسلئے اسکے بعد دوسری کوئی صدی ایک گئی مثیل مجتہد بھی پیش نہیں کر سکتی عام مسلمانوں کی شاید یہہ رائے ہو مگر میں اس سے سخت اختلاف رکھتا ہوں میں اجتہاد کی قوت کسی خاص

نفس کو عطا کرنا نہیں چاہتا نہ یہہ چاہتا ہوں کہ کسی خاص صدی کو مجتہدوں کے ظہور سے فخر بخشے اور صدیوں کو محروم کردوں یہہ سخت غضب ہوگا اگر ہم اجتہاد کو چار پانچ یا دس بیس تنوں میں گرفتار کردینگے۔ خدا کی لازوال نعمتیں خصوصیت سے نہیں بلکہ عام طور پر بخشی جاتی ہیں نہ کسی خاص صدی نہ خاص شخص کی دینی یا دنیاوی مسائل میں جو شخص اجتہاد کرنے کے قابل ہوا وہ ہی شخص مجتہد بنا دیا گیا۔ یہہ کہنا اور بہت زیادہ نادرست اور توہین اسلام سے لبالب بھرا ہوا ہے کہ ہم اس علم کو جس سے ایک شخص اجتہاد کرنے کے قابل یا مجتہد بننے کے لایق ہو جاتا ہے خاص خاص ذاتوں کو بخشش کردیں یا ان ہی چند نفوس کی جاگیر ٹھہرا دیں جو آج بہت مشہور ہیں اور جنکے مبارک نام ہمارے کانوں میں گونج رہے ہیں اگر ہم ذرا بھی غور کریں تو ہمیں کھل جائیگا کہ چند ہی انفاس تک مجتہد ماننے کا خیال محض پادر ہوا ہے میں کہتا ہوں بمقتضائے فطرۃ بشری ہی ہر پچیس برس کے بعد ہندوستان میں تو ضرور ہی ایک مجتہد کی ضرورت داعی ہوتی ہے۔ یہاں کی آب و ہوا اور طبائع میں ہر وقت پلٹا کہانے کی صفت اس بلا کی حلول کی ہوئی ہے کہ نئے نئے مسئلے نکلتے ہیں نئے نئے سوالات پیدا ہوتے ہیں نئی نئی ضرورتیں پڑتی ہیں دن بدن علم معاشرت کو ترقی ہو رہا ہے ایسی نئی نئی آلتیں ہیں جن کے لئے پرانی فقہ کافی طور پر اطمینان بخش ثابت نہیں ہوتی اول تو ہر مجتہد کی رائے میں احتمال خطا لگا ہوا ہے دوسرے جو کچھ اسنے کسی مسئلہ پر رائے دی تھی وہ اسی زمانہ کے موافق اور بمقتضائے فطرۃ انسانی تھی اب نہ وہ زمانہ ہے نہ ویسی طبائع ہیں نہ وہ موسم ہے نہ خیالات کا تغیر و تبدل ہے۔ نہ ملک ہے فرض کرو کہ کسی مجتہد سے ایک شخص نے پہلی صدی ہجری کے اختتام پر عراق عرب میں دریافت کیا چونکہ اسے حدیث نہ معلوم تھی نہ کوئی قرآنی آیت اسکی مصداق تھی اسلئے ناچار اسے اجتہاد کرنا پڑا اور اسنے جواب دیا۔ اب بارہ سو برس گزرنے کے بعد پھر وہی سوال پیدا ہوا مگر نہ وہ ملک ہے نہ وہاں کی آب و ہوا ہے نہ طبائع کی حالت اس قسم کی ہے میں دریافت

کرتا ہوں کہ اسکا وہ ہی جواب دیدینا کافی ہوگا جو بارہ سو برس ہوئے مجتہد نے دیا تھا یا مقتضائے فطرۃ حال جواب دینا انسب ہوگا میں کہتا ہوں کیسا ہی کم عقل کیوں نہو اس امر کو سو بشرطیکہ اسکی طبیعت میں انصاف ہو قبول کریگا کہ وہ پہلی صدی کے اختتام کا جواب بارہ برس کے بعد تمدنی اور علم معاشرت کے معاملہ میں کبھی موزوں نہیں ہوسکتا اس لکھنے سے میرا مطلب یہہ نہیں ہے کہ مجتہد کی ہر رائے اور اسکا ہر استنباطی مسئلہ غلط ہے استغفراللہ اگر میرا یہہ خیال ہو تو میں گردن زدنی ہوں کل مجتہدوں کو سچا فدائیانہ عشق رکھنے والا اسلام اور بانئے اسلام سے سمجھتا ہوں اور یہہ بھی جانتا ہوں کہ جو کچھہ انھوں نے اسلام کیخدمت کی اسکی نظیر کسی قوم میں بہت کم ملیگی اور جنکی لاثانی اور بیش بہا خدمتوں کے نتیجے ہم اب تک صدیوں کے بعد بھی پا رہے ہیں اگر انکو نفس اسلام سے فخر تھا تو قیامت تک قوم اسلام اپنر فخر کریگی وہ اسلامی آسمان کی حقیقت میں چمکتے آفتاب ہیں جنکی [illegible] پر موجودہ زمانہ کے یوروپین بھی عش عش کرتے ہیں۔

مجھے بحث اس معاملہ میں کرنی ہے کہ ہر پچیس برس کے بعد ہندوستان میں ایک مجتہد کی ضرورت ہوتی رہتی ہے افسوس ہے کہ مولانا شاہ اسمعیل صاحب کو ۶۳ برس گزر گئے ایک شخص بھی مجتہد نہیں ہوا۔ یہہ میں نہیں کہتا کہ سات آٹھہ کروڑ ہندوستان کے باشندوں میں ترسٹھہ برس کے عرصہ میں نہ کوئی ہوا نہ اب موجود ہے نہیں ہر برس میں کیا ہر وقت ایسے لوگ دو چار ہندوستان میں موجود رہتے ہیں جو اجتہاد کرنے کے قابل ہیں مگر انکا عدم وجود ہندوستانی مسلمانوں کے لئے برابر ہے وجہ یہ ہے کہ عام لوگ اسی پر تکیہ کئے بیٹھے ہوئے ہیں کہ کوئی مجتہد ہو نہیں سکتا مجتہد ہونے کا سلسلہ ہی ختم ہوگیا جب یہ خیال ہو تو پھر وہ کسی مجتہد کو تلاش کیوں کرنے لگے اور کیوں اسکی جانچ پرتال کرکے اپنا پیشوا یا اپنی قوم کا مجتہد ماننے لگے۔ پرانی لکیر کے [illegible] ٹھہرے ہیں اسی سے تمام ترقی کے رستے رکے ہوئے ہیں اور ہماری موجودہ ذلت و خواری کی ایک

ایک بہت بڑی وجہ یہی کمبخت آبائی تقلید ہے جسنے ہمیں تباہ کردیا اور دیکھئے کہاں تک برباد کرتی چلی جائے گی۔

اب میں دوسری طرف رجوع کرتا ہوں اور دکھاتا ہوں آیا میرے قول اور رائے کی تائید کوئی حدیث بھی کرتی ہے؟ الحمدللہ کہ صاف حدیث موجود ہے کہ رسول اللہ نے اجتہاد کرنیکا فخر کسی خاص صحابی کو نہیں بخشا جب آپ کسی صحابی کو عمال بناکے بھیجتے تھے تو چند قیود کے بعد اجتہاد کرنیکی خاطر خواہ اجازت دیدیتے تھے چنانچہ جب آپ نے **معاذ** کو یمن کیطرف کچھ روپیہ لینے کے لئے بھیجا ہے اور جو روپیہ بعد ازاں غربا میں تقسیم کردیا گیا تھا اسوقت یوں ارشاد کیا تھا۔

اے معاذ کس قاعدہ اور قانون سے تو کام کریگا (اسنے جواب دیا) توانین قرآن کے مطابق (نبی نے اسپر فرمایا) اگر قرآن میں ان امور کے لئے احکام نہوئے (اسنے جواب دیا) سنت کے مطابق (نبی عربی نے دریافت کیا) اگر اسمیں بھی تونے احکام نہ پائے تو کیونکر کام کریگا معاذ نے التماس کیا پھر میں اجتہاد سے فیصلہ مقدمات کرونگا"

یہہ سنتے ہی آپ بہت خوش ہوئے آپنے اپنے دونو ہاتھ خدا کی طرف اٹھا کے کہا "تعریف اسی خالق کے لئے ہے جو اپنے نبی کے قاصد کی اپنی مرضی کے مطابق رہنمائی کرتا ہے" جب معاذ نے آزادی سے یہہ کہا کہ اگر قرآن و حدیث میں وہ احکام نہونگے تو میں اپنی رائے سے اجتہاد کرونگا اور نبی عربی نے اسے تسلیم کرلیا اور آپ بہت خوش ہوئے اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جو علم کی پوشاک سے مزین ہے اور جسے فہم سلیم کا بہت کچھ حصہ ملا ہے وہ اپنی رائے سے اجتہاد کرنے کا ہر زمانہ اور ہر صدی اور ہر ملک میں مجاز ہے اس حدیث سے دوسری بات یہہ ہویدا ہوتی ہے اگر معاذ خاموش ہو رہتا اور یہہ عرض کرتا یارسول اللہ آپ ہی ہدایت فرمائیں کہ جب قرآن و حدیث میں وہ مسائل نہ ملیں تو میں کیا

کروں اسوقت آپ فرماتے تو اپنے اجتہاد سے کام کیجو تو بھی ایک خصوصیت معاذ کی یا اس جیسوں کی ہوجاتی اور یہہ سمجھ میں آتا جو کہ نبی اللہ نے اسے لائق دیکھ لیا تھا اسلئے اسے اجتہاد کرنیکا حکم دیا اسوقت تو یہہ بات ضرور ہی قابل تسلیم ہوتی مگر جب یہہ بات نہیں ہوئی بلکہ خود معاذ نے یہہ عرض کیا کہ میں اپنے اجتہاد سے کام لونگا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر مسلمان کو بشرطیکہ فہم سلیم کا اسے حصہ ملا ہوا جتہاد کرنیکا حق ہے ہاں اس کامل استحقاق میں کسیقدر نقص واقع ہوجاتا اگر معاذ نبی اکرم کے ارشاد پر یہہ عرض کرتا کیا آپ حکم دیتے ہیں کہ میں اپنے اجتہاد سے کام کروں اور پھر نبی کریم اجازت عطا فرماتے۔ اگر ایسا ہوتا تو اجتہاد کرنے والے کے لئے ایک تقیید ہوجاتی اور پھر ہر شخص مشکل سے اجتہاد کرنے کا مجاز ہوتا جب معاذ نے خود ہی کہا میں اپنے اجتہاد سے کام لوں گا اس فقرہ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ہر مومن قرآن و سنت کے بعد اجتہاد کرنیکا استحقاق رکھتا تھا گو اب میں میرزا آقا کاسم بیگ پروفیسر دار العلوم (یونیورسٹی) سینٹ پیٹرسبرگ کا ایک مضمون جو نہایت دلچسپ ہے اور جسکا تعلق اجتہاد سے ہے نقل کرتا ہوں یہہ یاد رہے کہ فاضل مصنف حنفی مذہب ہے پھر بھی جو کچھ اسنے رائے دی ہے وہ قابل قدر ہے اسمیں آزادی اور انصاف کی بو آتی ہے۔

(ماخوذ از کتاب سیل فیت آف اسلام)

خداوند تعالےٰ نے جو اصلی مقنن قوانین ہے اپنی مخلوق کو اقبالمند اور سربلند کرنے کے لئے اپنا پسندیدہ رستہ بتایا اور اسپر چلنے کی ہدایت کی وہ رستہ اسلام ہے اور اسکی کچھ تو دائمی یا دائمی قرآن میں لکھی ہوئی ہیں اور کچھہ احادیث نبویہ میں تحریر ہیں جو صحابہ سے منقول ہوئی اور سنتہ میں انہیں محفوظ کرلیا ہے اس رستہ کو شریعۃ کہتے ہیں جو قواعد اسمیں منضبط ہیں انھیں احکام سے تعبیر کیا کرتے ہیں۔

(۲) قرآن اور سنتہ جنسے انکا ظہور ہوا ہے قدیمی سرچشمے احکام شریعۃ کے ہیں۔ تحصیل علوم

دینیہ کی دو شاخیں علوم التفسیر اور علم الحدیث ہے۔

(۳) شریعۃ کی تمام نظم و نسق میں کیا تو دین کے کاموں یا ایمان یا مکلف کا پورا لحاظ کیا گیا ہے۔

(۴) جوکہ قرآن اور سنۃ خاص سرچشمے ہیں جہاں سے احکام شریعۃ کی رد نکلتی ہے اسلئے وہ قواعد جو واقعی علم اصول قوانین کی صورت میں پہچانے گئے علم فقہ یا سائنس شریعۃ ہیں فقہ قوت آخذہ اور ادراک کو بتاتی ہے اسطرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابن مسعود کے لئے یہہ دعا کی تھی "خدا اسے فقیہہ بنائے اور علم تفسیر سے اسے پورا ماہر کرے۔ رسول اللہ بحیثیت ایک جج ہونے کے بغیر اپیل یا باہمی مخالفت کے اپنی امت کے تمام معاملات کا فیصلہ فرمایا کرتے تھے آپکے پاک مقولے صحابہ کی بعدازاں رہنمائی کرتے رہے۔ آپکے وصال کے بعد خلفائے راشدین احادیث کے مطابق عملدرآمد کرتے رہے اس درمیان میں قرآن اور سنۃ بدستور خاص اصول اور توضیح انمیں بیں کم زیادہ اختلاف واقع ہوتا رہا۔ یہاں تک کہ لوگوں نے قرآن اور حدیث کو برزبان کرنا شروع کردیا اور یہیں سے علم فقہ ایک علیحدہ علم ہوگیا۔ اب تک کسی سائنس کی سلسلہ وار تعلیم ہی چالی شروع نہوئی تھی اور ابتدائی مسلمانوں کے پاس کتابیں نہ تھیں جو اس مطلب کے حل کرنے میں مدد دیتیں۔ بہت جلد آخر کار ایک تغیر و تبدل واقع ہوا سنہ ہجری میں جب شام میں ایک عظیم الشان مفتی کا انتقال ہوا النعمان بن ثابت ابو حنیفہ پیدا ہوئے یہہ فقہ کے اسکول کے بانیوں میں بہت زیادہ مشہور رہیں وہ سائنس جسنے تمام اسلامی دنیا کی سوسائٹیوں میں معقول اور عجیب مرتبہ پایا ہے اسوقت اور تین برس کے بعد تک بھی تمام فضلا اس سائنس کو صرف قوت حافظہ ہی میں جگہ دیتے رہے جنکی یادداشتیں اچھی تھیں وہ زیادہ واجب الاحترام سمجھے جاتے تھے۔ ان میں سے بہت سوں کو قرآن معہ اس تفسیر کے جو خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ نے آیتوں کی

لی تھی یاد تھا۔ وہ اسکے علاوہ احادیث کو معہ توضیح اور تشریح کے یاد رکھتے تھے اور تمام وہ احکام جو قرآن شریف اور سنتہ سے اخذ کئے گئے ہیں انھیں نہ صرف نوک زبان ہی تھی بلکہ انکی نوعیت اور ماہیت کو بھی بخوبی جانتے تھے۔ ان صفات کے مسلمانوں کو مجتہدین بننے کے حقوق حاصل تھے۔ وہ اپنے علم کی اپنے شاگردوں کو زبانی تعلیم دیتے تھے۔ دوسری صدی کے وسط میں آخر شریعتہ کی مختلف شاخوں پر کتابیں لکھی گئیں جسکے بعد چھ فقہی مذاہب کی بنیاد پڑی (۱) امام ابو حنیفہ امام اعظم ۱۵۰ھ ہجری (۲) سفیان ثوری ۱۶۱ھ ہجری میں (۳) مالک ۱۷۹ھ ہجری میں (۴) شافعی ۲۰۴ھ ہجری میں (۵) ابن حنبل ۲۴۱ھ ہجری میں (۶) امام داؤد الظاہری ۲۷۰ھ ہجری میں۔

دو مذاہب جنکے بانی ثوری اور ظاہری ہیں آٹھویں صدی ہجری میں تمام ہو گئے باقیماندہ چار ہنوز زندہ ہیں یہہ چاروں مجتہد ایک دوسرے کو واجب الاحترام جانتے ہیں اور باہم بہت عزت کرتے ہیں۔ امام شافعی ابو حنیفہ امام اعظم کی نسبت یہہ فرماتے ہیں" دنیا میں علم فقہ میں ابو حنیفہ سے زیادہ فاضل میں نے کوئی نہیں دیکھا جسنے امام صاحب کی یا انکے شاگردوں کی کتابیں نہیں پڑہی ہیں فقہ ہرگز نہیں جان سکتا امام حنبل جب مریض ہوئے تو انھوں نے امام شافعی کی قمیص اس نظر سے پہنی تھی کہ میں اچھا ہو جاؤں گا۔ باہمی اس تعظیم و تکریم نے بہی انہیں شریعتہ کے معاملہ میں ایک دوسرے کا ہمزبان ہونے پر مجبور نہیں کیا انھوں نے بہت سے استنباطی مسائل میں ایک دوسرے سے اختلاف کیا ہے اور اپنے اپنے مذاہب کی اس بنا پر علیحدہ علیحدہ بنیاد رکھی ہے اسلئے اجتہاد کے بسبب اپنی فضیلت علمی کے وہ مجاز کئے گئے تھے۔

اجتہاد کے تین مدارج ہیں۔

(۱) اجتہاد فی الشرع

(۲) اجتہاد فی المذہب۔

(۳) اجتہاد فی المسائل

اول اجتہاد فی الشرع

توضیح آئین و قوانین میں مطلق آزادی خداوند زمین و زماں کی عظیم الشان بخشش ہے جسے یہہ عطا ہوتی ہے اور جب وہ ربانی شریعت کے اسرار کی جستجو کرتا ہے ایسی حالت میں اسے ضرور نہیں ہے کہ وہ کسی دوسرے فقیہ کی تقلید کرے۔ وہ اپنی ججمنٹ کا استعمال کریگا مجاز ہے۔ یہہ بخشش یا انعام پہلے ہی مفتیوں کو عطا کیا گیا تھا اور بعض کو دوسری اور تیسری صدی میں بھی یہہ بخشش خدا کیطرف سے ودیعت کیگئی تھی۔ ان صحابہ نے جنھوں نے رسول اللہ کے جلال پرتنویر سے اپنی آنکھیں روشن کی تھیں اور جنھیں آپ کی صحبت کا فخر حاصل تھا اپنی نسل کو فوراً توضیح آئین کے خزانہ پہنچائے اسلئے وہ مجتہدین جو پہلی صدی کے اختتام یا دوسری صدی کی ابتدا میں ہوے بہ نسبت دوسری اور تیسری صدی کے مجتہدین سے زیادہ واجب الاحترام مانے جاسکتے ہیں۔ چنانچہ امام ابوحنیفہ صاحب فرماتے ہیں" جو کچھہ ہمیں صحابہ سے پہنچا ہے ہماری سر اور آنکھوں پر ہے اور جو تابعین سے پہنچا ہے وہ ویسا ہے جیسا ہم سے اور اوروںکو پہنچیگا کیونکہ وہ بھی وہی آدمی ہیں اسی نوعیت کے آدمی ہیں جو ہم ہیں۔

تابعین کے زمانہ سے مجتہد کا لقب ان ہی چھہ اماموں کو دیا گیا ہے جنکا ذکر اوپر آچکا ہے اصولاً ہر مسلمان مجتہد کا مرتبہ حاصل کرسکتا ہے مگر فقہ کے اصول جنکا اس مرتبہ پر استحکام ہے بہت سی خاص خاص حالتوں پر منحصر ہیں اور اب کوئی شخص مجتہد بننے کا افتخار حاصل نہیں کرسکتا۔ اور وہ حالتیں یہہ ہیں۔

(۱) قرآن کا پورا علم اور تمام ان باتوں کا علم جنکا اسکے ساتھہ تعلق ہو یعنے عربی علم ادب کا علم۔ ترتیب قرآن سے کامل اور بھرپور واقفیت ہو اور حصہ در حصہ انکے ربط کی سنتہ کے ساتھہ پوری مہارت

ہو۔ عالم کا فرض ہے کہ وہ ہر آیت کی بابت اس قدر واقفیت رکھے کہ وہ کب اور کیوں لکھی گئی اسے پوری واقفیت تمام الفاظ کے لغوی معنون سے ہو اور ہر مضمون کی خصوصیت اور عمومیت سے پوری آگاہی بھی رکھتا ہو۔ اور ناسخ و منسوخ آیتوں کا بھی اعلیٰ درجہ کا علم حاصل ہو۔ وہ آیات متشبہات کی عمدہ طور پر صفائی سے توضیح کر سکے اور اسے لغوی مجازی عام اور خاص میں اول درجہ کا امتیاز حاصل ہو۔

(۲) اسے معہ تفاسیر اور توضیحات کے قرآن شریف ازبر ہو اور وہ احادیث بھی حفظ ہوں جو بطور خود مفسر قرآن ہیں۔

(۳) اسے احادیث کا تمام و کمال علم ہو اور کم سے کم تین ہزار حدیثیں برزبان ہوں اسے احادیث کا سلسلہ تاریخ مفہوم اور قرآن کے ساتھ انکا ربط بھی جاننا فرضیات سے ہے

(۴) اس کی عارفانہ اور صالحانہ محتاط زندگی ہو۔

(۵) شریعت کے تمام علوم کا مکمل علم ہو۔

جب کوئی شخص ان صفتوں پر عبور حاصل کریگا تو پھر مفصلہ ذیل صفت اور بھی مجتہد بننے کے لئے اسے حاصل کرنی پڑے گی اور وہ یہہ ہے۔

(۶) چار فقہی مذاہب سے پوری واقفیت کا ہونا۔

یہہ قیود قریب قریب قدرت سے باہر نہیں ایک طرف خیال کیا جائے تو علماء کی ترش مزاجی نے ان تمام صفات پر عبور حاصل کرنے کے لئے طلبہ کو ناقابل بنا دیا ہے دوسری طرف علماء کے میلان طبع نے جو انہیں اپنے ائمہ کیطرف ہے ان صفات سے موصوف ہونے سے باز رکھا ہی اور اگر ان سب باتوں کے علاوہ بھی کوئی شخص ان تمام صفات کا پیدا ہو تو تقلید کے دائرہ سے باہر ہوکے لئے اسے نہ اپنا مجتہد ہی تسلیم کریگا نہ اس کی سنیگا امام ابن حنبل فرماتے ہیں " تم اپنا علم اس سلسلہ سے لو جہاں سے تمہارے ائمہ نے لیا ہے اور دوسروں کی تقلید کرنے پر رضامند نہ ہو اسلئے کہ یہہ نگاہ کا اندھا پن ہے" اسطرح چار فقہا کے مذاہب کو صدیوں

کے گزرنے کے بعد بھی کوئی صدمہ نہیں پہنچا اور علماء نے بھی ان چار مجتہدوں کے آگے کسیکو صاحب بتہ تسلیم نہیں کیا جنمیں ابن حنبل آخر تھے۔

اس شخص کے حقوق جو اس مرتبہ پر پہنچ جاتا تھا بہت مشہور ہیں اسے کچھ ضرور نہ تھا کہ وہ دوسرے مجتہد کی تقلید کرے وہ شریعۃ اور اپنے پیروان میں درجہ اوسط رکھنے والا تھا جنکے لئے توضیح آئین کا سلسلہ قایم کرتا تھا اور اسمیں کسیکو اعتراض کرنیکا حق حاصل نہ تھا

اسے اپنی فہم کے مطابق یا جسطرح کہ وہ انہیں سمجھا تھا۔ قرآنی۔ سنتہ۔ اور اجماع کے مقاصد کی توضیح کرنیکا استحقاق حاصل تھا۔ اگر امام کے کسی پیرو کو اپنے امام کے فیصلہ اور قرآن وحدیث میں اختلاف معلوم ہوتا ہو اسکا فرض ہے کہ آخر کار وہ اپنے امام ہی کے فیصلہ کیطرف رجوع کرے۔ شریعۃ اجازت نہیں دیتی کہ وہ اپنے طریقہ یا خیال کے موافق اسکی توضیح یا تفریح کرے جب ایک شخص ایک امام کا مقلد بنجاتا ہے پھر وہ نہ اسے چھوڑ سکتا ہے نہ دوسرے مذہب کا پیرو بن سکتا ہے۔ وہ اپنی پرائوٹ ججمنٹ کا استحقاق کھو دیتا ہے اسلیئے کہ مجتہد ہی کو یہہ حق حاصل ہے کہ وہ دوسرے مجتہد کے فیصلہ پر نکتہ چینی کرے یا اسمیں ترمیم کرے اصولاً ایسے مجتہد اب بھی پیدا ہوسکتے ہیں مگر جیسا کہ ہم ابھی ظاہر کر چکے ہیں عملی طور پر ان کا اجتہاد قابل تسلیم نہیں سمجھا جاتا۔

دوم اجتہاد فی المذہب

یہہ مرتبہ اس پیرو یا مرید کو بخشا جاتا ہے جو اول ہی اول کسی بڑے امام کا مقلد بنے اور اپنے استاد کے سلسلہ کی بڑی محنت سے ترتیب دے یا انھیں بڑی جانفشانی سے بطور خود پختہ اور مکمل کرے وہ ہمعصر علماء کی خاص تجویزات سے تمتع حاصل کرتا ہے اور بعض حالتوں میں وہ انہیں اپنی ہی رائے پر قایم رہنے کی اجازت دیتا ہے ان لوگوں میں بہت مشہور امام ابو حنیفہ صاحب کے دو شاگرد ہیں ایک ابو یوسف اور دوسرے محمد بن حسن دوم درجہ پر انکی رائے بہت بڑے وزن کی خیال کیجاتی ہے۔ یہہ تسلیم کر لیا گیا ہے کہ مفتی ان ہی دونو صاحبوں کی رائے پر کاربند ہوں

اگرچہ انکی رائیں خود امام اعظم صاحب کی رائے سے بھی اختلاف رکھتی ہیں۔

سوم اجتہاد فی المسایل

یہہ رتبہ خاص خود مختاری کا ہے اسلئے پیروان کو ضرور ہے کہ جیسے وہ چار مذاہب فقہی سے واقفیت تامہ رکھیں اسیطرح عربی زبان اور اسکے علم ادب سے بھی مہارت کامل پیدا کریں۔ وہ ان مقدمات کا جو انکے آگے پیش ہوں تجزیہ کر سکتے ہیں اور اپنے فیصلہ کی دلائل قایم کر سکتے ہیں یا مقدمات کا ان بناؤں پر فیصلہ کر سکتے ہیں جنپر مجتہدین سابق کر چکے ہیں۔ لیکن کسی مقدمہ میں انکے فیصلجات بالکلیہ اگلے مجتہدوں کی رائے پر ہونے چاہئیں وہ مجتہد خواہ اول درجہ کے ہوں۔ اور ان ہی اصول کے قدم بقدم چلنا ہوگا جنھوں نے مجتہدین کی رھنمائی کی تہی ان لوگوں میں سے اکثر لوگوں نے اپنی زندگی میں بہت کچھ شہرت حاصل کر لی مگر انکی وفات کے بعد یہہ مرتبہ انہیں حاصل نہ رہا اسواسطے کہ جب امام قاضی خاں کا انتقال ہوا کسی نے بہی حنفیوں میں سے انہیں درجہ سوم کا بھی مجتہد نہیں تسلیم کیا۔
اور بھی تین ادنے مدارج فقیہوں کے ہیں جنھیں مقلدین یا پیروان مجتہدین کہتے ہیں۔ مگر ان میں سب سے بلند تر مرتبہ اس شخص کا ہے کہ جو مبہم اور مغلق مسائل فقہ کو صاف طور پر کھولدے یا انکی ایسی توضیح کردے کہ وہ عام فہم ہو جائیں ایسے لوگوں کی نسبت بعض علما کا یہہ خیال ہے کہ وہ درجہ سوم کے مجتہدین ہیں۔ اگر کسی مسئلہ پر اختلافی قانونی آرائے ہیں تو انہیں مجاز ہے کہ وہ اپنے فیصلہ کی موید ایک رائے ان میں سے چھانٹ لیں۔ یہ امر صرف ایک قاضی کرنیکا مجاز نہیں ہے۔ ایسے مقدمہ میں وہ اپنی تحریر میں اپنی رہنمائی کرنے کے لئے مجتہدین کی تحریرات کا حوالہ دیگا۔
وہ اسکے مجاز کئے گئے ہیں کہ فقہ کی کتابوں کی شرحیں لکھیں مگر یہہ قید ہے کہ اسمیں اپنی رائے سے کوئی تجدید نہ کر سکیں ہدایہ کا مصنف جو چھٹی صدی ہجری کے اختتام پر موجود تھا۔ ایک مقلد تہا فقط

جو کچھ ہمارے فاضل نے جتہاد اور مجتہدین کی بابت رائے دی ہے وہ بحیثیت ایک حنفی کے
کے زیادہ قدر کے قابل ہو اس مضمون بالا سے فاضل مضمون نگار کی آزادی۔ انصاف پسندی
اور بے تعصبی ٹپکتی ہو اور ہمین ضرور ایسے مصنف کا خیر مقدم ادا کرنا چاہیے الحمد للہ کہ
سینٹ پیٹرسبرگ دارالخلافہ روس کی عظیم الشان دار العلوم مین ایسے ایسے فاضل مسلمان موجود
ہین جو علی التواتر اپنی جانبازیون کے نتیجون سے اپنے بھائی مسلمانون کو فائدہ پہنچاتے ہین
اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ رشیا مین مسلمانون کی تعلیمی حالت بہت اچھی ہے جب وہان
کے دار العلومون مین مسلمان پروفیسر ہین پھر کون خیال کرسکتا ہے کہ روسی مسلمان۔
تعلیم مین اپنے ہموطن مسیحی بھائیون سے پیچھے ہون گے ۔

ہمین مضمون بالا کی عمدگی پر جسقدر ناز ہے اسیقدر بعض تواریخی واقعات سے ہم بدقسمتی سے
اتفاق نہین کرتے ہمارا فرض ہے کہ ہم آزادانہ ہر مضمون پر بحث کرین اور ہر بات کی خوبی
اور خطا کو ناظرین کیخدمت مین ایماندارانہ ظاہر کرین فاضل مضمون نگار نے جو مجتہد ہونے
کی قید صرف چھ اماموں پر رکھی ہے اور ان ہی کے گروہ ہون یا پیروان کا پتہ دیا ہے
تواریخ ہمین مجبور کرتی ہے کہ ہم اسے قبول نکرین اور یہ ثابت کرین کہ مجتہد تو بہت ہوئے
مگر زیادہ تر چار ہی مذاہب کی شہرت ہوئی اور سب سے زیادہ امام اعظم گوئے سبقت زیادہ
پیروان کے حاصل کرنے مین لے گئے

جب نبی اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات ہوئی ہے اور بعد ازان زمانہ نے مختلف ممالک
کی فتح کی کنجیان مسلمانون کیخدمت مین پیش کرنی شروع کردی ہین تو صحابۂ رسول اللہ
نو مسلمون کو تعلیم دینے کے لئے اسلامی دور دست بلاد مین پھیل گئے اور جس صحابی
کو جو حدیث پہنچی اس نے نہایت نیک نیتی سے جسکی مثال کسی زمانہ کی تاریخ مین نہین
ملتی نو مسلمون کو تلقین کرنی شروع کی۔ اسوجہ سے اصحاب رسول اللہ کے مذہب مختلف
ہوگئے جب صحابہ کے مذاہب متضاد احادیث کی وجہ سے مختلف ہوگئے تو تابعین کے مذہب

ہوتے تھے انھون نے جو کچھ میسر ہوا صحابہ سے اسیطرح لیا جسطرح کہ انھون نے روایت کیا اور جو کچھہ حدیث رسول اللہ اور مذہب صحابہ سے سنا اسے یاد رکھا اور سمجھا اور جسطرح ممکن ہوا اس کی باہم تطبیق دی اور اپنی رائے کے بموجب بعض اقوال کو بعض پر ترجیح دی اور پھر انہون نظر تعمق سے دیکھا اور جگر مین بیٹھہ جانیوالی ایک نظر ان اقوال کی فطرت پر ڈالی اور نہایت نیک نیتی سے ان اقوال مین جج بنے اس وقت ان کی نگاہون مین بعض اقوال اگرچہ وہ صحابہ کبار سے منقول تھے ضعیف ہوئے مثلاً جو مذہب تیمم جنب کے بارے مین حضرت عمر اور عبد اللہ بن مسعود سے منقول ہے وہ ان کے نزدیک ان احادیث کے آگے جو عمار اور عمران بن حصین وغیرہ سے مشہور ہین ضعیف ہوا یہان سے مجتہدین کی نیک نیتی اور انصاف پسندی کی بے نظیر شہادت ملتی ہے انھون نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور عبد اللہ بن مسعود کی روایت کو اس معاملہ مین عمار اور عمران کے آگے زیادہ وقعت کی نگاہ سے نہین دیکھا اور ایسے جلیل القدر صحابہ کے آگے کم درجہ کے صحابہ کی روایتون کو مان لیا اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ تقلید کرنی کسقدر ناجائز اور فعل عبث ہے اگر ہم کچھہ بھی چشم بصیرت وا کرین تو ہمین معلوم ہو کہ ہمارے بزرگون نے جس درخت کی بیخ دنیا سے کو اول ہی اکھیڑ کر پھینک دیا تھا ہم ایسے سعادتمند پیدا ہوئے ہین کہ اسے دوبارہ زمین مین جماتے ہین اور اس کے نمو پکڑنے اور پھیلنے کی دھن مین شب و روز لگے رہتے ہین اس زمانہ سے علمائے تابعین مین سے ہر عالم کا مذہب مستقل ہوگیا۔ اور ہر شہر مین ایک امام یا مجتہد برپا ہوا اور اس شہر کے لوگ اسی کے پیرو بنگئے مثلاً سعید بن مسیب اور سالم بن عبد اللہ ابن عمر انکے بعد زہری اور قاضی یحیی ابن سعید اور ربیعہ بن ابی عبد الرحمن مدینہ مین اور عطا بن رباح مکہ مین اور ابراہیم نخعی اور شعبی کوفہ مین اور حسن بصری بصرہ مین اور طاوس بن کیسان یمن مین اور مکحول شام مین یہ تمام فقیہہ اپنا اپنا مستقل اسکول (مذہب) رکہتے تھے اور ہر ایک کے ہلدرن۔

پیروان تھے پھر ہم یہہ کیونکر تسلیم کر سکتے ہیں جیسا کہ ہمارے فاضل مضمون نگار روسی نے لکھا ہے کہ صرف چھ امامیہ کے مستقل مذاہب ہوئے ہیں اور کسیکو اجتہاد کرنیکا مرتبہ ہی حاصل نہیں ہوا۔ یہہ مانا کہ صدیوں کے عظیم الشان سلطنتی تغیر و تبدل کیوجہ سے صدہا مجتہدین کے مذاہب جنکا کسی زمانہ میں بہت زور شور تھا معرض زوال میں آگئے مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ سوائے چار یا چھ مجتہدوں کے اور کسی امام کا مستقل مذہب ہی نہیں ہوا فقہ کے تمام و کمال ابواب جمع کرنیکا فخر اول ہی اول زمانہ نے سعید بن مسیب اور امام اعظم صاحب کے استاد ابراہیم نخعی کو دیا ہے۔ انھوں نے بابوں کے ساتھہ اصول بھی جمع کئے وہ اصول جو انھوں نے اپنے سلف سے سنے تھے سعید اور اسکے پیروان کا یہہ مذہب تھا کہ مکہ مدینہ والے فقہ میں سب آدمیوں سے افضل ہیں انکی فضیلت بہت بڑی یہہ تھی کہ وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے فتوے اور فیصلے اپنے پاس رکھتے تھے انکے مسائل کا سرچشمہ یہی فتوے اور فیصلے تھے ان ہی کے ذریعہ سے وہ اپنے اہم معاملات سلجھایا کرتے تھے نہ صرف انکے پاس ان دو جلیل القدر صحابہ ہی کے فتوے اور فیصلے تھے بلکہ انہیں عبداللہ بن عمر اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور عبداللہ بن عباس کے فتوے اور مدینہ کے قاضیوں کے فیصلے رکھنے کا بھی افتخار حاصل تھا۔

غرض جو کچھ انہیں میسر ہوا انھوں نے جمع کیا مگر اس جمع کے ہوئے کو تقلید کی رسی گلے میں ڈال کے اور آنکھیں بند کر کے نہ مان لیا بلکہ ان میں تحقیق اور تفتیش کی نظر سے دیکھا ان میں سے جس پر مدینہ منورہ کے علما کا اجماع اور اتفاق تھا اسے تو انھوں نے مضبوط دانتوں سے پکڑ لیا اور جس مسئلہ میں انکا اختلاف تھا ان میں کثرت ارباب رائے یا قیاس قوی یا کتاب سنت تخریج صریح وغیرہ کے مطابق نہ ہونے کے سبب سے

جو رائے قوی اور سر بلند دیکھی اسکو لے لیا اور جو کچھہ انہیں یاد تھا اگر اسمیں مسئلہ کا جواب نہ پایا تو انکے کلام سے استنباط کیا اور ایا را اور مقتضائے کلام کی تفتیش کی اسطرح انکے پاس ہر باب میں بہت سے مسئلے ہوگئے، انہیں مجاز تھا کہ اگر کسی مقدمہ میں کوئی روایت نہیں پہنچی تو وہ اپنی رائے سے فیصلہ کریں جسے اللہ نے فہم سلیم اور روشن دلی دین کے معاملہ میں عطا کی ہے وہ ہر زمانہ اور ہر عصر میں بجائے خود ایک مجتہد مستقل ہے اس لحاظ سے ہم مولانا شاہ محمد اسمعیل صاحب مجتہد و محدث دہلوی کو مجتہد مستقل کہہ سکتے ہیں گو اس پایہ شہید نے اپنی عظیم الشان اور بے نظیر ریفارمیشن کے دوران میں نہ کبھی مجتہد بننے کا دعویٰ کیا اور نہ مجتہد بننے کا شوق ظاہر کیا کیونکہ اسکی انکسارانہ فطرۃ ایسے بڑے لمبے چوڑے لقب لینے سے بہت دور تھی پھر بھی یہہ ہماری سخت سوء ادبی اور خیرہ چشمی ہوگی اگر ہم اسکی بے نظیر قابلیت اور اعلیٰ درجہ کی ریفارمیشن کے لحاظ سے جس سے آج ہم تمتع اٹھا رہے ہیں مجتہد مستقل کی تمام قیود کو مدنظر رکھکے اسے مجتہد کا لقب یا خطاب نہ دیں۔

وہ لازوال اختلاف جو صحابہ اور مجتہدین میں چلا آتا ہے ایک بے نظیر دلچسپی اسلامی تاریخ میں بڑھاتا ہے گو ہمارے پاس اسوقت کوئی ایسی میزان نہیں ہے جس سے ہم صدہا مجتہدوں کی لیاقت کا باہم ٹھیک ٹھیک وزن کر سکیں پھر بھی انکے اعمال اور اس قیمتی اصلاح سے جو انھوں نے اپنی عمر میں کی بہت کچھہ انکے مراتب قایم کرنیکا علم ہمیں دیتی ہے انکی وہ بیش قیمت آرائے جو وہ ایک دوسرے کی نسبت دیتے تھے اسبات کی پوری شہادت دیتی ہے کہ وہ نیک نیت اور اسلام سے فدائیانہ عشق رکھنے والے تھے جب ایمہ کی پاک طبائع کی یہہ کیفیت ہو پھر انکے پیروان کو کب زیبا ہے کہ وہ بدنیتی سے کسی آخری صدی کے ریفارمر (مصلح) کی نسبت آنکھیں بند کرکے بری رائے دیں اور خیرہ چشمی سے اسکی نسبت جو جی چاہے کہہ گذریں۔

ابراہیم نخعی جسے ابواب جمع کرنیکا سب سے پہلے فخر حاصل ہوا ہے یہہ بیان کرتا ہے کہ عبد اللہ

بن مسعود اور ان کے شاگرد فقہ مین سب سے افضل ہین اسی طرح علقمہ نے مسروق سے کہا
عبد اللہ بن مسعود سے کون شخص فقہ مین افضل ہے یعنی کوئی نہین ہے - امام ابو حنیفہ صاحب
نے اوزاعی سے کہا کہ ابراہیم سالم سے زیادہ فقیہ ہین اگر فضل صحبت رسول اللہ نہوتا تو
مین کہتا کہ علقمہ عبد اللہ بن عمر سے فقہ مین زیادہ ہین اور عبد اللہ بن مسعود کا کیا کہنا وہ اپنا
نظیر فقہ مین نہین رکھتے - حضرت ابو حنیفہ صاحب کے استاد ابراہیم نخعی کے مذہب کی اصل عبد اللہ بن مسعود
کے فتوے اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے فیصلے اور فتوے اور کوفیون کے قاضیون کے فتوون پر بالکلیہ سمجھنی چاہیے
فقہا مین باہم اختلاف ہونیکی ایک بڑی وجہہ یہہ بھی تھی کہ وہ ہر حدیث کو بآسانی تسلیم کرتے ہوئے خوف
کھاتے تھے حدیثون کا دریا چارون طرف سے بہت بڑا تھا ہزارہا موضوع حدیثون کا چرچا اور جسکا لوگونکی زبان مین
آناً فاناً مین پھیل گیا تھا اور غیر محتاط اشخاص اپنی عزت جانتے تھے کہ غیر مستند سنی سنائی حدیثین بڑی شیخی اور
طمطراق سے بیان کرتے تھے انہین اس سے مطلب نہ تھا کہ جو حدیث ہم رسول اللہ کی طرف منسوب کرتے ہین
ہمارے ہادی کی ارفع ذات اس سے بہت دور ہے یہہ ہم نہین مانتے کہ ہر فقیہ کو نبی آخر الزمان کی کل
حدیثین پہنچ گئی تھین مگر بات یہہ ہم قبول کرتے ہین کہ انہین مختلف راویون کے ذریعہ سے
حدیثین پہنچی تو بکثرت تھین لیکن انھون نے اپنی رائے سے حدیثون کو چھانٹ لیا جو وہ رسول اللہ کی طرف
کر سکتے تھے اب تک بخاری جیسا جامع حدیث نہ پیدا ہوا تھا کہ لاکھون حدیثون کے ڈھیر مین سے ہزارون کو
منتخب کرتا نہ ابھی اسماء الرجال مدون ہوا تھا جس سے راوی کا ثقہ اور غیر ثقہ ہونا جانچا جاتا پھر بھی فقہا
کی فہم سلیم جو دین مین انہین خدا کی طرف سے ودیعت ہوئی تھی بہت کچھ صحیح و غیر صحیح احادیث مین کانٹ
چھانٹ کر سکتی تھی - انھین یہانتک احتیاط تھی کہ وہ جانکر بھی نہ کہتے تھے کہ رسول اللہ نے یہہ فرمایا ہے مثلاً
جب ابراہیم نے محاقلت رسول اللہ کی نہی کرنیکی حدیث روایت کی اور انسے کہا گیا کہ اس حدیث کے سوا اور
حدیث بھی رسول اللہ کی آپکو یاد ہے اس نیک نہاد مرد نے جواب دیا ہان یاد تو ہے مگر مین کہتا ہون کہ میرے نزدیک قال رسول
اللہ کہنے سے قال عبد اللہ اور قال علقمہ کہنا بہتر ہے اسیطرح امام شعبی نے جب وقت ان سے کہا گیا کہ یہہ حدیث رسول اللہ کیطرف مرفوع ہے
فرمایا تھا میرے نزدیک جسنے اس حدیث کو رسول اللہ سے روایت کیا ہے اسکی طرف اس حدیث کو منسوب کرنا رسول اللہ

کیطرف منسوب کرنے سے اولےٰ ہے۔
موضوع حدیثوں کے طوفان بے تمیزی نے ایک عظیم الشان تخالف کی بنیاد فقہا میں قایم کردی مگر جب وہ زمانہ آیا کہ کہری کہوٹی حدیثوں کی چھان بنان ہوئی اور دودھ کا دودھ پانی کا پانی جدا جدا کرکے رکہا گیا تو اب ضرور ہوا کہ جن فقہا کا قول حدیث نبوی کے صریح مخالف ہو اُسے فوراً چھوڑدے اور کبھی اسکی طرف آنکھہ بھرکے ندیکھے۔
میں ابھی لکھہ آیا ہوں کہ فقہا کی نیک نیتی محتاط زندگی اور انصاف پسندی میں تنگ کرنا گمراہی صریح میں پڑنا ہے ہر فقیہہ صاف طور پر جب اس سے کوئی مسئلہ دریافت کیا جاتا تھا پہلے حدیث صحیح کی تلاش کرتا تھا اگر اسمیں کامیاب نہوا تو صحابہ کے اقوال کیطرف رجوع کرتا تہا مگر ساتھہ ہی اسکے آزادانہ طور پر یہہ کہدیا کرتا تھا اگر تمہیں رسول اللہ کی صحیح حدیث ملے تو میرے قول کو فوراً ترک کردو۔ پھر بھی اگر ہم ترک نکریں تو ہماری عقلوں پر افسوس ہے پانی کے برتن میں کتے کے منھہ ڈالنے کی حدیث کے باب میں کس آزادی اور انصاف پسندی سے امام مالک نے یہہ فرمایا" یہہ حدیث آئی ہے مگر مجھے اسکی حقیقت نہیں معلوم یہہ قول بن حاجب نے نقل کیا ہے یعنے اس حدیث پر فقہا کو مینے عمل کرتے نہیں دیکھا دیکھا ایسے ایسے جلیل القدر فقہا کتنی جلدی اپنی لاعلمی یا غلطی کا اعتراف کرلیتے تھے مگر افسوس ہے اس زمانہ میں غلطی یا لاعلمی کا اعتراف کرنا سخت بدنمائی تسلیم کیگئی ہے۔
ان نیک نہاد فقہا کی صاف طینتی کی نظیر زمانہ کسی قوم اور کسی صدی میں پیش نہیں کرسکتا وہ تمام دینی علوم میں کامل دستگاہ رکھتے تھے مگر انہوں نے کبھی یہہ نچاہا کہ ہمارے مذاہب پر لوگ عمل کریں اور دوسرے فقہا کے مذاہب کو ترک کردیں ہر فقیہہ گو بجائے خود ہزاروں پیرو کا گروہ رکھتا تھا مگر نہیں اسکی یہہ خواہش نہ تھی کہ تمام اور فقہا کا مذہب مٹ جائے اور میں ہی تمام جہان میں مجتہد اعظم مشہور رہوں۔
جب دوسری صدی کے وسط میں مسائل بانی قلم کے احاطہ میں آئے ہیں یعنے کتابیں تصنیف

ہونی شروع ہوئی ہیں تو اسلامی دنیا کے ساکن سمندر میں اور بھی توجہ خیز طوفان آیا اور یہہ طوفان خوش آیند و ثمنا یعنے کتابوں کے تحریر ہونے سے کل فقہا کے مذاہب کی بنیادیں مضبوطی سے جم گئیں اور آیندہ سے جھوٹی روایتوں اور لغو مسائل کی بوچھار بند ہونی شروع ہوگئی امام مالک - عبداللہ بن عبدالرحمن - بن ابی ذیب - نے مدینہ میں کتابیں تصنیف کرنی شروع کیں - اور مکہ معظمہ میں ابن جریج اور ابن عینیہ نے کتابوں کی بہر مار کردی کوفہ میں ثوری نے کتابوں کے تصنیف کرنے میں نام پیدا کیا اور بصرہ میں ربیع بن صبیح تصانیف میں گوئے سبقت لیگیا سب سے زیادہ امام مالک کی بے نفسی پر خیال کیا جائے کہ جب خلیفہ منصور نے مکہ معظمہ کا حج کیا ہے تو امام مالک سے درخواست کی کہ اگر آپکی اجازت ہو تو میں حکم کردوں کہ آپکی یہہ کتابیں بکثرت لکھہ لی جاویں اور پھر ہر شہر میں مسلمانوں کو ایک ایک نسخہ بھجوا دوں اور حکم کردوں کہ وہ ان ہی پر عمل کریں اور کسی امام کی کتابوں کو سوا اسکے نہ دیکھیں یہہ سنکے امام مالک نے نہایت دریا دلی سے ایک انقطاعی اور سنجیدہ جواب دیا اور وہ یہہ تھا -

"اے امیرالمومنین ایسا کبھی نہ کرنا چاہیئے کیونکہ ان لوگوں کے پاس اس سے پہلے بھی بہت سے اقوال پہنچ گئے ہیں اور انکے پاس صحیح حدیثوں کا ایک قیمتی ذخیرہ جمع ہوگیا ہے اور انھوں نے بہت سی نایاب روایتیں بہم پہنچالی ہیں اور ہر قوم جو کچھہ اسکے پاس پہلے پہنچ چکا ہے اُسپر عمل کر رہی ہے"

مگر سیوطی نے اس حکایت کو دوسرے طور پر بیان کیا ہے" چنانچہ وہ لکھتا ہے -

"خلیفہ ہارون الرشید نے امام مالک کی خدمت میں عرض کیا اگر آپ اجازت دیں تو میں موطا کو کعبہ میں لٹکا دوں اور عام حکم دیدوں کہ کوئی شخص سوائے اس کتاب کے دوسری پر عمل نکرے - امام مالک نے نہایت دور اندیشی صاف طینتی اور سچے فدایانہ عشق سے جو وہ اسلام اور اہل اسلام سے رکھتے تھے یہہ فرمایا کہ امیرالمومنین ایسا

کبھی نہ کیجو کیونکہ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باہم فروع میں مختلف ہیں اور وہ شہروں میں متفرق ہو گئے ہیں اور ہر ایک سنت پر چل رہا ہے اگر ایسا ہوا تو مجھپر سخت عذاب ہوگا۔ کہ میری وجہ سے لوگوں کو سنت نبوی چھوڑنی پڑیگی یہہ سُنکے خلیفہ ہرون الرشید نے کہا اے ابی عبداللہ خدا اس سے بھی زیادہ تجھے توفیق دے "

امام مالک کی اس اسپرٹ سے صاف طور پر مجتہدوں کی نیک نیتی کھل جائیگی ایک امام مالک پر کیا مقرر ہے ہر مجتہد کی یہی طبیعت تھی اگر کوئی دریدہ دہن مجتہدوں کی شان میں کوئی بے ادبی کا کلمہ کہے تو اسکے سخت کمینہ پن پر دال ہی خوب سمجھ لو اور سوچ کے سمجھ لو کہ اسلامی دنیا کے آسمان کے کل مجتہد چمکتے تارے ہیں انکی طرف نگاہ حقارت سے نظر کرنا ایسا ہے گویا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کیطرف نظر حقارت سے نظر کی اور ایسے شخص کا ٹھکانا سوائے جہنم کے اور کہیں نہیں ہو سکتا۔ یہ مانا کہ انکی رائے میں خطا کا احتمال ہے اسلئے کہ وہ معصوم نہ تھے انپر کیا مقرر ہے صحابہ راشدین کی رائے میں خطا کا احتمال ہو سکتا ہے اسیلئے فروع میں صحابہ نے باہم ایک دوسرے کی رائے کو نہیں تسلیم کیا ہے مگر اس سے زیادہ یہہ ظلم ہے کہ ہم انکی اس رائے کو جسمیں انھوں نے بمقتضائے فطرۃ انسانی خطا کہائی ہے اتنی ہٹ دھرمی سے عین ثواب جانیں اور انکے پیرو بنکے انکی صفت و ثنا میں ایسا مبالغہ کریں کہ انہیں معصوم گردان کے انبیا علیہم السلام سے جا بھڑائیں یہ اور بھی زیادہ دین خدا کے ساتھہ ظلم اور زیادتی ہے ہمنے اپنی بدقسمتی سے اپنے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی حالت اور واقعی عظمت کو بھلا دیا اپنے واجب الاحترام صحابہ کی برحق حقیقت اور اس فدائیت کو جو وہ دین اسلام سے رکھتے تھے ایسا نسیاً منسیاً کیا کہ اب بالکل امید نہیں پڑتی کہ ہم اپنی اس غلطی سے کبھی چھٹینگے اور ہوشیار ہو کے اپنی بیچارا ئے زلی پر پشیمان ہونگے ۔

یہی کیفیت ہمنے اپنے ایمہ دین یا مجتہدین کی کی جس مجتہد کے ہم معتقد ہوئے اُسے

بڑھاتے بڑھاتے صحابی سے گزر کے نبی سے جا بھڑایا اور خوش ہوئے اپنے کو مسلمان ہو کے دوسرے مومن کیطرف نسبت دی اور پھولے نہیں سمائے یہہ ہمارا اسلام ہے اور یہہ ہماری حمیت دینی ہے۔

جن باتوں پر کہ صحابہ تابعین اور تبع تابعین کے زمانہ میں خوب خوب اختلاف رائے ظاہر کیا گیا اور بہت دہوم دہام سے بحثیں ہوئیں اور ایک امام نے باوجود احترام اور عزت کے جووہ اپنے استاد کی کرتا تھا اسکے قول کو نہ مانا اور آزادی سے اپنے استاد یا استاذ الاستاذ کیطرح قیود سے آزاد ہو کے اپنی رائے نہایت نیک نیتی سے علیحدہ قایم کی پھر ہمیں کب روا ہو گا کہ ہم ایک ہی امام کے مقلد ہو کے اس عظیم الشان ذخیرے جو صدہا ایمہ کی جانکاہ محنتوں اور بے نظیر عرقریزیوں کا نتیجہ ہے اپنے کو محروم بناویں اور ایسے شائگاں خزانہ کا دروازہ اپنے اوپر بند کر دیں ایک مجتہد کی تقلید نہ صرف ہمیں احادیث بنویہ کے تسلیم کرنے سے باز رکھتی ہے بلکہ ہمپر تمام جہان کے فضلا اور متبحر علما کی تحقیقات جہان بنان اور عرقریزی کے خوشنما نتایج کا جنسے اہل یورپ اب تک مستفیض ہو رہے ہیں کل دروازے بند کر دیتی ہے پھر ہمیں دوسر یطرف نگاہ اٹھانے کی قدرت نہیں رہتی اور آخر یہانتک نوبت ہو جاتی ہے کہ ہم تالاب کی مچھلیوں کیطرح یہہ سمجھنے لگتے ہیں۔ جو جہاں ہم ہیں ہمیں سارا جہان ختم ہو گیا۔

مجھے آزادی رائے کی جسپر اسلام ہمیشہ بہ نسبت اور مذہبوں کے فخر کر یگا ایک مثال یاد آئی ہے جو میں ہدیۂ ناظرین کرتا ہوں اس سے اسلام اور اسلامیوں کی سچی آزادی معلوم ہو جائیگی۔ وہ مثال یہہ ہے۔

حضرت امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ سے ہمعصر قاضیوں نے یہہ فتوے دریافت کیا آیا گوالے کی بانسلی کی آواز سننی روا ہے یا نہیں اور ساتہہ ہی اسکے انھوں نے عبداللہ بن عمر کی ایک روایت بھی تحریر کر دی وہ روایت یہہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر ایک کی ہمراہی میں تشریف لیجا رہے

تھے انھوں نے رستہ میں ایک گوالے کی بانسلی کی آواز سنی آواز سنتے ہی اپنے کانوں میں انگلیاں دے لیں اور بہت دور تک یوں ہی چلے گئے جب بہت دور نکل گئے تو اپنے ہمراہی سے دریافت کیا اب بھی بانسلی کی آواز آتی ہے یا نہیں اسنے کہا اب نہیں آتی آپنے اپنی انگلیاں کانوں سے نکال لیں حضرت عبداللہ بن عمر نے پھر فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اسیطرح ایک دن بانسلی سے کانوں میں انگلیاں دیتے دیکھا ہے۔ یہہ دیکھ کے حضرت امام غزالی نے فتوے پر یہہ تحریر کیا میری سمجھ میں یہہ بات نہیں آتی جب عبداللہ بن عمر نے بانسلی سے خود اپنے کانوں میں انگلیاں دے لیں پھر کیا وجہ تھی کہ انھوں نے اپنے ہمراہی کو ہدایت نہیں کی کہ وہ بھی اپنے کانوں میں انگلیاں دے لیتے اسپر قاضیوں نے یہہ جواب دیا کہ وہ ہمراہی نابالغ تھا اسلئے اسپر احکام شریعت نہیں چل سکتے تھے یا اسے احکام شریعت کے پابند کرنے کی ضرورت نہ تھی حضرت امام غزالی نے اسکے جواب میں یہہ تحریر کیا جب وہ نابالغ تھا تو شریعت کے معاملہ میں اسکی شہادت کی سند کیونکر ہو سکتی تھی۔

اس بے نظیر مثال سے بخوبی ثابت ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں تقلید کا نام و نشان بھی نہ تھا اگر تقلید کی کچھ بھی بو ہوتی ہرگز امام غزالی عبداللہ بن عمر کی روایت پر ردو قدح نکرتے فقیہوں کے کارناموں پر ایک نظر کرو کہ ان میں کس درجہ کا خوش آئندہ اور دلچسپ اختلاف ہے اور وہ باہم کس آزادی سے ہر مسئلہ پر بحث کرتے ہیں کیا ہماری یہہ شان ہے کہ ہم اتنے بڑے تحقیق اور تفحص کے سمندر میں سے ایک آبخورہ پانی کا بھر لیں اور ہمیشہ اسی پانی سے اپنی پیاس کو بجھاتے رہیں اور یہہ دعوے کریں کہ ہماری پیاس بجھانے کے لئے یہی پانی کافی ہے تقلید شخصی کی مثال بعینہ یہی ہے کہ سمندر میں سے ایک پیالہ بھر لیا اور اپنے لاانتہا دنیوی اور بعض دینی کاموں کی تشنگی میں اسی قلیل پانی کو کافی سمجھا اور سمندر بے پایاں کیطرف سے اپنی آنکھیں بند کر لیں اور جو لوگ اس سمندر کو مدنظر رکھتے ہیں اور اس سے مستفید ہو رہے ہیں اپر حقارت کی نظر سے دیکھا

	بریں عقل و دانش بباید گریست	

ہمارے قول کی تصدیق امام محمد کی کتاب الآثار اور جامع عبدالرزاق سے بخوبی کھل جائیگی جب ان قیمتی کتابوں کے مضامین پیش نظر رکھ کے جانچے جائینگے تو کھل جائیگا کہ ہر مجتہد اور امام کے شاگردوں نے اپنے استاد کے صرف ان ہی اقوال کو مانا ہے کہ جو انکے نزدیک میزان عقل میں ٹھیک ٹھیک اُترے وہ ہرگز ان اقوال اور آرا کیطرف نہیں گئے ہیں جو انکے خیال میں نہ جچیں۔

یہہ خیال حد سے زیادہ کیک اور ناکارہ ہے کہ فلاں مجتہد جبکہ زیادہ عقلمند اور محدث مفسر یا فقیہہ تہا اسلئے اسکے پیروان زیادہ ہوگئے یہ کوئی فخر کی بات نہیں ہے کہ امام ابوحنیفہ کا مذہب شاہوں اور امیروں کو پسند تھا یوں تو اسپین کی عظیم الشان آٹھہ سو برس کی سلطنت میں امام مالک کے مذہب کا خوب دور دورہ رہا یہ مذہبی مقبولیت عوام الناس کی نگاہوں میں گو بہت کچھہ مجتہد کی وقعت اور عظمت ثابت کرتی ہے مگر دیکھنا یہ ہے کہ اس شاہانہ مقبولیت کی اصل وجہ کیا ہوئی اور کیوں سلاطین وقت نے کسی خاص مذہب کو قبول کرلیا۔

تواریخ ان تمام سوالوں کا کافی اور انقطاعی جواب دیتی ہے مثلاً حضرت امام ابوحنیفہ کے شاگردوں میں امام ابویوسف سب شاگردوں سے زیادہ مشہور ہیں اور وہ ہرون الرشید کے زمانہ میں قاضی القضات تھے پس ابویوسف کا قاضی القضاۃ ہونا ہی اطراف عراق خراسان اور ماوراالنہر میں امام ابوحنیفہ کے مذہب کے جاری ہونے اور ظاہر ہوجانے کا سبب ہوا۔

اسوقت ہمارے سامنے بدقسمتی سے کوئی تاریخ اسلام نہیں ہے ہم نہیں بتا سکتے کہ اسلام کے عظیم الشان اور بے پایاں سمندر کی گہرائی کتنی ہے اور غواص کہاں تک پہنچ سکتا ہے اور اسمیں غوطہ زنی کرکے کتنے موتی نکال سکتا ہے ابن خلکان کی بیاگرافیکل

ڈکشنری ہمیں اسلامی علما کی تواریخ کا کسیقدر علم دیتی ہے مگر جب آنکھیں کھولکے دیکھتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اگر کئی درجن ابن خلکان جیسے مصنف پیدا ہوتے تو کچھ حالات علمائے اسلام کے معلوم ہوتے چند انگریزوں نے مختصر تواریخ اسلام لکھی ہے جنمیں زیادہ چربزبان کرنیل آسبرن ہے اسنے تین جلدوں میں تواریخ اسلام کو ختم کر دیا ہے مگر میں یہہ کہتا ہوں کہ تاریخ اسلام کی اگر ہزار جلدیں بھی لکھی جاتیں جب بھی ہم اس تاریخ کو کامل نہیں کہہ سکتے تھے۔

گو یہہ صحیح ہے کہ مسلمانوں کے پولٹیکل ضعف نے بہت کچھ سرمایہ لاکھوں کتابوں کا عیسائیوں کے ہاتھوں غارت کرا دیا پھر بھی اس مردہ حالت میں جتنی کتابیں باقی ہیں ان ہی سے کچھ نہ کچھ شوکت اسلام کی ہو جاتی ہے مگر انہیں بھی جمع کرنیوالا اب کوئی نہیں دکھائی دیتا جس سے معلوم ہو کہ مسلمانوں نے کیا کیا طبع آزمائیاں کی ہیں ہائے افسوس صد افسوس کہ جس قوم میں لاکھوں علما گزر گئے اس قوم کا بہت بڑا حصہ صرف ایک ہی عالم کے پیچھے ہوکے اسکے متبع ہو رہے اور اپنی دینی شوکت کی پوشاک نوچ کھسوٹ کے پھینک دیتے۔ اسی بات کو پیارا شہید روتا تھا اور جب تک اسکی جان میں جان رہی یہی کہتا ہوا شہید ہو گیا مقلد بننے سے محقق بنتا بہتر اور انسب ہے سوا اسکے اسنے کبھی کچھ نکیا میری نظر سے چند فتوے ایسے مسائل میں جنمیں سلف سے اختلاف چلا آتا ہے گزرے مجھے افسوس ہے کہ ان اختلافی مسائل میں بعض آخری صدی کے مصلحان قوم کو برملا گالیاں دیگئی ہیں اور نام لے لیکے انکی نسبت وہ الفاظ استعمال ہوئے ہیں جو قائل کی شرافت کے دامن پر گہرا گہرا دھبہ لگاتے ہیں میں دریافت کرتا ہوں کیا علم کی یہی شان ہے کہ ہم زبان سے نالائیم الفاظ اپنے بھائی کی نسبت نکالیں کیا ہمیں خبر نہیں ہے کہ ہم کس کی امت میں ہیں اور ہمارا جلیل القدر واجب الاعتصام نبی کون ہے؟ کیا ہم اسکی امت میں نہیں ہیں۔ جسنے جنگ احد میں اپنے دندان مبارک شہید ہونے کے بعد

بھی خون آلود چہرہ سے اپنے جانی دشمنوں کے لیے یہہ دعا مانگی تہی ۔

اے میرے خدا یہ لوگ میری اصلی حقیقت سے ناواقف ہیں تو انہیں ہدایت کرتا کہ سیدہا رستہ شریعۃ کا دیکھ لیں اور مجھے پہچان جائیں کہ میں بشیر اور نذیر ہوں"

ایسے معصوم ایسے فخر انبیا کی امت میں تو ہونے کا دعوی کریں اور افسوس ہے کہ خلیفہ رسول اللہ یعنے عالم بنکے اپنے بہائیوں کی شان میں جو سلف کی طرح بعض مسائل میں اختلاف رکھتے ہیں نہایت سخت اور پاجیانہ الفاظ سے یاد کریں حیف صد حیف ۔ اب میں اس حصہ کو یہیں ختم کرتا ہوں انشاءاللہ دوسرے حصہ میں اکثر علما کی آرائے امام صاحب کی نسبت بیان کیجائیں گی اور مخالف و مخالف آرائے کا موازنہ کرکے دکہایا جائیگا اور نیز سیرۃ النعمان مصنفہ مولانا شبلی صاحب اور اسکا جواب حسن البیان مصنفہ مولانا محمد عبدالعزیز صاحب کے رد و بدل اور اختلافی مسائل میں جج بنکے فیصلہ کیا جائے گا کہ کون حق پر ہے اور کون ناحق پر ہے ۔ یہہ کتاب چار جلدوں میں اور ہر ایک جلد دو دو حصوں پر ختم ہوگی ۔ کیونکہ چار مجتہدوں میں ہر مجتہد کے سوانح عمری دو دو حصوں میں ترکیب دیئے گئے ہیں ۔ دوسرا حصہ بھی طبع ہونا شروع ہوگیا ہے فوراً مطبع رضوی میں درخواستیں آنی چاہئیں ؎

تمت بالخیر

مندرجہ ذیل کتب مطبع رضوی دہلی مین موجود ہین جو صاحب مشتاق ہون طلب فرمائیں

مفید و متبرک کتابین

مجموعہ رسائل متبرکہ یہ پندرہ رسالہ اُردو
ہیں ہین کوئی رسالہ شروع کر کے تمام کئے بغیر چھوڑ نیکو
جی نہین چاہتا خصوص حضرت غوث الاعظم اور خواجہ صاحب
اجمیری کے سوانح عمری و حالات تشریف آوری ہند و مقامات
جوگی جے پال وغیرہ قابل دید ہین قیمت کل مجموعہ مجلد (عہ)
تفصیل اسماے رسائل حسب ذیل ہین۔
جمال رحمانی فوائد اسرار ربانی ترجمہ نظام العقائد مصنفہ
حضرت مولانا فخر صاحب رح۔ نجات المومنین شرح چہل حدیث
گلدستہ فضائل غوثیہ فیوض القادری مشتملبر چہل و یک
فیض معین الارواح مشاہدات خواجہ معین الدین چشتی مقامات
فقر صراط الصالحین ترجمہ آداب الطالبین آداب و اخلاق
بزرگان دین سلسلہ چشتیہ معہ تذکرہ شمائل الاولیا گلزار
بہشت گلدستہ معرفت قصائد بہاچشت کلام المقبول وغیرہ
تکملہ شریف سیر الاولیا مصنفہ حضرت خواجہ گل محمد صاحب
احمد پوری جسمین بزرگان ہر چہار سلسلہ کے مفصل حالات و تذکرہ
خلفا حضرت مولانا فخر صاحب و خواجہ نور محمد صاحب و ملفوطات
و لمعات خواجہ محمد عاقل صاحب وغیرہ مندرج ہین کاغذ بیر مجلد عہ
سیر العارفین معہ **تقشبجات متبرکہ** مصنفہ مولانا جمالی
تذکرہ بزرگان و مشائخ سہروردیہ وغیرہ ہین نہایت معتبر کتاب قیمت ا
بحر الحیات مصنفہ حضرت غوث محمد گوالیاری علم جوگ
و معرفت و تسخیر و دعوت وغیرہ بزبان فارسی (۱) کاغذ بیر مجلد (۱)
افضل الفوائد ملفوظات حضرت نظام الدین اولیا محبوب الٰہی
صد کلمہ ہر چہار یار ہر چہار صحابہ کے سو سو قول نصائح آمیز
ملفوظات حضرت خواجہ عثمان ہارونی و حضرت روشن
چراغ دہلی موسوم روح الارواح و مفتاح العاشقین۔
اوراد نصیریہ قیمت ہر سہ (۴ر)۔

کار آمد کتابین

اقسام الطعام شاہجہانی معہ مرکبات اطبا ہر سہ حصہ
کتاب اس مین مطبخ شاہجہانی کے انواع و اقسام کے مربا و اچار چٹنی شربت
معجون ماء اللحم و انگریزی و ہندوستانی تراکیب اور انکے خواص
و فوائد وغیرہ کے علاوہ مقوی نسخے جنکی ضرورت اکثر دنیاداری مین
عورتون و مردونکو ہوتی ہے اور تاثیر اشیاء خوردنی وغیرہ درج ہین ۱۲ مجلد
تدبیر حسن عورتون بچونکے علاج و نسخجات کی کتاب سکا گھر
مین ہونا بھی جو وقت پر کام دیتا ہے ۱۲ر جواہر خمسہ معہ حسن الاعمال
مجموعہ مجربات ہر قسم کے نسخے یونانی ڈاکٹری و ویدک
اور جلد آرام کرنیوالی دوائین برء الساعت حکیم محمد زکریا رازی
معہ قواعد علم نفس و سر ودہ و تشخیص آثار حیات و ممات وغیرہ مجلد معہ
زبدۃ الخواص ہر قسم کے جواہر و پتھرونکے خواص اور انکے نقش
کرنے اور پہننے کا طریق و شناخت معہ عجائب خواص الحیوان جواص الحروف
مجمع الصنائع جدید انگریزی و دیسی صنعت
و فنون وغیرہ کی تراکیب و نسخجات آتشبازی و ملمع وغیرہ